پیار کا پہلا شہر

ناول

مستنصر حسین تارڑ

"اور ــــ "پیار کا پہلا شہر" کی پاسکل ــــ

"میں مستنصر حسین تارڑ کی کتاب پر ایسے جھپٹی جیسے کوئی دس روز کا بھوکا آدمی روٹی پر جھپٹتا ہو۔ میں پورے چھ مہینے اس سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ پہلے میری ساری دلچسپی زبان سے بندھی ہوئی تھی۔ مگر پڑھتے پڑھتے دلچسپیوں کا مرکز بدلنے لگا۔ میں ایک حساس شخص سے اس کی اندرونی دنیا اور اس کی آنکھوں سے دیکھی ہوئی باہر والی دنیا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ خاص طور پر اس دنیا سے جہاں پاسکل جیسی پیاری، نازک اور بدقسمت لڑکی رہتی ہے۔ میں بھی عورت ہوں اور مجھ پر اس کہانی کا بڑا اثر ہوا۔ ماسکو یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے طلبا بھی پاسکل سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ یہ اس بات سے ظاہر ہے کہ سنیچر کو (اس روز تارڑ کی کتاب پڑھائی جاتی ہے) کوئی طالب علم بیماری، کسی رشتہ دار کی آمد یا دوست کی شادی کا بہانہ کر کے غیر حاضر نہیں ہوتا۔ اس بات کے باوجود کہ کسی دوسرے دن کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سارے روس میں کوئی وبا پھیل گئی ہو یا سب طالب علم شادیاں کرنے والے ہوں۔ اس کے علاوہ ہر طالب علم روسی زبان میں اچھا ترجمہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"

گالینا ڈشنکو

سینئر پروفیسر شعبہ اردو، ماسکو یونیورسٹی روس

سٹیمر رات کی تاریکی میں رودبار انگلستان کی سرد اور بپھری ہوئی موجوں کو چیرتا فرانس کی بندرگاہ ڈنکرک کی جانب رواں تھا۔ انگلستان اور فرانس کے درمیان پھیلا ہوا چھتیس میل کا یہ سمندر جو عام طور پر بے حد پرسکون ہوتا ہے آج کی شب تلاطم میں تھا۔ گھپ اندھیرے میں لہروں کا بے پناہ شور اور تیز ہوا کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ تند لہریں سمندر کے سینے میں سے اپنا مہیب وجود ابھارتیں اور ایک خوفناک دھماکے سے سٹیمر سے آ ٹکراتیں۔ ٹکراؤ سے سٹیمر کسی بوڑھے شرابی کی طرح ایک دم لڑکھڑا جاتا اور پھر اسی لمحہ ایسے پرسکون ہو جاتا جیسے اس شرابی نے دور سے آتے ہوئے کسی پولیس کے سپاہی کو دیکھ لیا ہو۔ مگر یہ سکون دیرپا ثابت نہ ہوتا اور سٹیمر ایک مرتبہ پھر ہچکولے کھانے لگتا۔

سنان اسی سٹیمر پر لنڈن سے پیرس جا رہا تھا۔

انگلستان کے ساحل پر ڈوور شہر سے متصل مشہور زمانہ سفید چٹانیں جو اندھیرے میں نمیالی لگ رہی تھیں آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔ چٹانوں کے پہلو میں ڈوور کے قدیم قلعے کے سنگلاخ درو دیوار کی پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔ قلعے کے درمیان بلند چبوتروں کو برقی روشنی سے منور کیا گیا تھا۔ لہروں کے شور اور گھپ اندھیرے میں قلعے کے برجوں میں سے پھوٹتی ہوئی ہلکی روشنی میں ایک مہیب اور سیاہ قسم کی خوبصورتی تھی جیسے وہ آسیب زدہ ہوں۔

ڈوور کی سفید چٹانیں اور قدیم قلعہ صدیوں تک انگریزوں کے محکوم ممالک سے آنے والے باشندوں کے لیے مادر وطن انگلستان کی پہلی جھلک ہوا کرتے تھے جنہیں

دیکھ کر ان غلام روحوں پر وجد طاری ہو جاتا۔ سرکار برطانیہ جس کی سلطنت پر کبھی سورج غروب نہ ہوتا جو سمندر کی لہروں پر بھی حکمران تھی۔ اس عظیم سرکار کے دارالسلطنت لنڈن کا دروازہ—— ڈوور! ان دنوں انگلستان ایک تک چڑھی بجی سجائی بڑھیا کی مانند تھا جس کے قیمتی گہنے غلام قوموں کے خون پسینے کا ثمر تھے۔ اور پھر ان محکوم ملکوں کے حریت پسند آگے بڑھے اور وہ تمام گہنے نوچ لیے جو اس بوڑھی حراف نے تہذیب کے نام پر ان کے بزرگوں سے ہتھیا لیے تھے۔ ہر زیور کے چھننے پر بڑھیا بری طرح جھنجھلا اٹھتی اور وہ ایک نحوست آلود عفریت کا روپ دھار لیتی۔ مگر آج یہ بڑھیا بے حد پرسکون ہے۔ اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ عظیم ماضی کی یاد اب صرف قدیم شراب خانوں میں بیٹھے بڈھے کھوسٹ انگریزوں کی بے ربط گفتگو تک محدود ہے۔ آج ڈوور کا قلعہ اور سفید چٹانیں، ایک گم گشتہ تہذیب کی پرچھائیاں ہیں جنہیں دیکھ کر صرف ان کا جمال دل پر اثر کرتا ہے نہ کہ ان کا جلال۔

سنان بھی اس مرتبہ انگلستان کے ساحل پر ڈوور کے طلسمی قلعے اور سفید چٹانوں کو نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھ کر جذباتی طور پر غیر متاثر رہا۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ ہسپانیہ اور اس کے درمیان فاصلے کم ہو رہے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ شب پیرس میں بسر کر کے سیدھا غرناطہ (ہسپانیہ) کے لیے روانہ ہو جائے۔ ڈوور کا قلعہ اور اس کے برجوں میں منور روشنیاں اب صرف ایک روشن گولے کی صورت میں نظر آ رہی تھیں۔ سفید چٹانیں مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب چکی تھیں۔ سنان نے مخالف سمت میں فرانس کے ساحل کی جانب دیکھا۔ وہاں صرف تاریکی تھی۔ ڈنکرک کا شہر کوسوں دور تھا۔

سنان نے خنکی سے بچاؤ کی خاطر اپنی سفید برساتی کا کالر گلے کے گرد لپیٹ لیا اور اپنی طویل سیاحت کے بارے میں سوچنے لگا—— ابھی چھ ماہ پہلے کی تو بات تھی جب وہ لاہور میں اپنے کمرے میں بیٹھا دنیا کے نقشے پر سرخ پنسل سے لکیریں کھینچ کر اپنے سفر کا خاکہ تیار کر رہا تھا—— اور پھر—— خشکی کے راستے یہ سفر شروع ہوا۔ افغانستان،

ایران، ترکی، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، آسٹریا، اطالیہ، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، ناروے، ہالینڈ اور بیلجیم سے ہوتا ہوا وہ انگلستان پہنچا تھا۔ اس طویل سفر نے اسے تھکا دیا تھا۔ لنڈن سے روانہ ہوتے وقت اسے احساس ہوا تھا کہ اب اس کے سفر کا اختتام ہونے کو ہے۔ فرانس اور ہسپانیہ کی سیاحت کے بعد وہ گھر کی سمت میں چل کھڑا ہو گا۔ اس کا پیارا گھر جہاں اس کی ننھی منی بہنیں اور مشفق والدین اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ تو کسی صورت اسے اس طویل سفر پر نکلنے کی اجازت ہی نہ دیتے تھے۔

"بیٹے تم اجنبی دیسوں کی خاک چھانو گے۔" اس کے باپ نے کہا تھا "انجانی راہوں کے مسافر ہو گے۔ جانے ان دیسوں میں تمہیں کیا کیا مشکلات پیش آئیں اور پھر—— تمہارے ساتھ کوئی حادثہ ہو جائے تو؟—— " یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرّا گئی تھی۔

"حادثہ کہاں نہیں ہو سکتا ابا جان" اس نے ہنس کر کہا تھا۔ "یہاں ہمارے گھر کے سامنے ہال روڈ پر سڑک پار کرتے ہوئے بھی تو ہو سکتا ہے۔"

ماں خاموش رہی لیکن اس کی آنکھوں میں اتری ہوئی گہری اداسی اس بات کا پتا دے رہی تھی کہ وہ بھی اپنے جوان بیٹے کے شوق سیاحت کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی۔ چلتے وقت ماں نے اس کا بازو تھام لیا۔ "بیٹے اپنا خیال رکھنا، اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں یہاں اپنے باورچی خانے میں بیٹھی مر جاؤں گی۔"

اس کے عزیز ترین دوست فخر نے کہا تھا "سنان تمہارا دماغ خراب ہے۔ تم کبھی بھی کامیاب انسان نہیں بن سکتے۔ چھ ماہ کی غیر حاضری سے تمہارے کاروبار کا ستیاناس ہو جائے گا۔ میں تو کہتا ہوں اب بھی اپنا ارادہ بدل ڈالو۔ آؤ شیزان میں چائے کی ایک پیالی پی کر کہیں فلم دیکھتے ہیں۔"

سنان جواب میں صرف مسکرا دیا تھا۔ "ہاں کسی ہوٹل میں چائے کی پیالی۔ مال روڈ کے بے مقصد چکر اور پھر شام کو ٹیلی ویژن کے سامنے اونگھنا ہی ان لوگوں کے

لیے کامیاب زندگی ہے۔" اس کے سامنے تو قوس قزح کے تمام رنگ بکھرے پڑے تھے۔ اجنبی افق اس کی زد میں تھے۔

ہاں البتہ اس کی پیاری بہنیں بالکل معترض نہ ہوئیں۔ "بھائی جان سنا ہے کارنابی سٹریٹ لنڈن میں لیڈیز کوٹ بے حد عمدہ ملتے ہیں۔ ایک میرے لیے لے آیئے گا۔ پلیز!"

"ایک میرے لئے بھی۔" منجھلی نے گرہ دی۔

"میں بھی پہن لوں گی" سب سے چھوٹی نے اپنی لامبی پلکیں جھپکتے ہوئے شرارت سے کہا تھا۔

لنڈن میں قیام کے دوران میں اس نے اپنے لیے تو کچھ نہ خریدا' البتہ بہنوں کے لیے کوٹ ضرور خرید لیے ۔ بھلا ان تینوں کے لیے ولایت سے کوئی تحفہ نہ لے جاکر ساری عمر جلے ہوئے ٹوسٹ اور بینگن کدو جیسی سبزیاں کون کھاتا!

سنان سوچ رہا تھا کہ یہ سٹیمر اسے صبح تک فرانس کی بندرگاہ ڈنکرک لے جائے گا۔ وہاں سے گاڑی میں سوار ہو کر شام تک پیرس' شب بسری کے بعد دوسری صبح کو وہ غرناطہ اور قرطبہ کے پرفسوں شہروں کی طرف چل دے گا جہاں کی محرابوں اور ایوانوں نے اسے ڈوری میں باندھ رکھا تھا۔ بچپن میں حجازی قسم کے ناول پڑھ پڑھ کر اس کے دل میں ان شہروں کو دیکھنے کی امنگ پیدا ہوئی۔ وہ چاہتا تھا کہ وہاں جا کر دیکھے کہ کیا اب بھی وہاں چشم غزال عام ہے اور نگاہوں کے تیر واقعی دل نشیں ہیں۔ اب گرمیوں کا آخیر تھا۔ اس کا خیال تھا کہ موسم خزاں کا شروع اندلس کی سرزمین میں بسر کر کے شدید سردی شروع ہونے سے پہلے پہلے واپس وطن لوٹ جائے ورنہ ترکی میں برف باری کے طوفانوں میں گھر جانے کا اندیشہ تھا۔ ویسے بھی وہ اس طویل سفر سے اکتا چکا تھا اور جلد از جلد وطن لوٹنا چاہتا تھا۔

ایک تیز و تند لہر سٹیمر سے ٹکرائی اور سمندر کا نمکین پانی پھوار کی صورت میں سنان کے چہرے پر پھیل گیا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر منہ پونچھا اور ادھر ادھر

نظر دوڑائی ـــــ نم آلود عرشہ ویران پڑا تھا۔ تمام مسافر رات کی خنکی اور سمندر کی نم آلود ہواؤں سے بچاؤ کی خاطر سٹیمر کی نچلی منزل میں واقع قہوہ خانے میں جا چکے تھے۔ ہوا اب قدرے تیز ہو چلی تھی اور اس کی خنکی برساتی میں سے جذب ہو ہو کر اس کے چوڑے چکلے سینے کو یخ کر رہی تھی۔ سنان نے اپنا مختصر سامان اٹھایا اور قہوہ خانے کو اترتی ہوئی سیڑھیوں کی جانب چل دیا۔

قہوہ خانہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یہاں پر لہروں کے شور کی بجائے انسانی آوازوں کا غوغا تھا۔ چند لوگ کافی یا شراب پینے میں مصروف تھے مگر اکثریت کرسیوں پر ٹانگیں پھیلائے اونگھنے اور سونے کے درمیانی مراحل میں تھی۔ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے ایک بوڑھا انگریز سیاہ سوٹ اور باؤلر ہیٹ میں ملبوس ایک ہاتھ میں چھاتا تھامے بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اسے شاید فرش پر کوٹ بچھا کر لیٹے ہوئے ایک نوجوان جوڑے کی حرکات دیکھنے سے سکتہ طاری ہو گیا تھا جو پیرس پہنچنے کا انتظار کیے بغیر وہیں فرانسیسی رومان پسندی کا پہلا سبق رٹنے میں ہمہ تن مصروف تھا۔ ایک جانب چند نوجوان انگریز موسیقار اپنے قد آور سازوں سے ٹیک لگائے اونگھ رہے تھے۔ وہ شاید جس شہرت کے متمنی تھے انہیں لنڈن میں نہ مل سکی تھی اور اب وہ پیرس کا رخ کر رہے تھے۔ پیرس جہاں ہر فن کار کی قدر ہوتی ہے وہ موسیقار ہو یا مصور۔ سنان نے ایک نظر اس بے ترتیب ہجوم پر ڈالی اور پھر میزوں' کرسیوں اور انسانی جسموں میں سے راستہ بناتا کاؤنٹر تک پہنچ گیا۔

"ایک پیالی کافی" اس نے اپنی گیلی برساتی اتارتے ہوئے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ویٹر سے کہا "اور ہاں" اس نے جلدی سے ترمیم کی "کافی بلیک ہو جیٹ بلیک' بغیر دودھ کے۔"

ویٹر نے سر ہلایا اور کچھ کہے بغیر مشین کا ہینڈل گھما کر کافی تیار کرنے لگا۔

"کافی؟" کاؤنٹر کے ساتھ اونچی کرسی پر براجمان ایک پستہ قد سکاٹ نے اپنی مخمور آنکھیں سنان پر جما دیں۔ اس کے سامنے شراب کا ایک گلاس دھرا تھا۔ "شراب پیو

لڑکے!" سنان نے سکاٹ پر ایک نظر ڈالی اور پھر ویٹر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "میں کافی میں چینی بھی پسند نہیں کرتا۔"

"پھر کافی؟" سکاٹ نے بدک کر کہا۔

سنان خاموش رہا۔

سکاٹ نے اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی "میں نے کہا نا شراب پیو۔ کافی تو عورتوں کا مشروب ہے۔"

"میں شراب نہیں پیتا" سنان نے اکتاہٹ سے کہا۔

"میں پلا دیتا ہوں" سکاٹ مصر ہو گیا۔

"کہہ جو دیا کہ میں ـــ شراب ـــ نہیں پیتا" سنان نے غصے سے کوٹ کا کالر چھڑاتے ہوئے کہا۔

"نہیں پیتے تو بے حد کور ذوق ہو۔ میں تو تمہارے بھلے کی بات کر رہا ہوں۔ یہاں سٹیمر پر ٹیکس فری ہے اور آدھی قیمت پر ملتی ہے" سکاٹ نے لرزتے ہاتھوں سے کاؤنٹر پر رکھا شراب کا گلاس اٹھایا اور منہ سے لگا کر غٹاغٹ پی گیا۔ ویٹر نے جو شاید اسی انتظار میں تھا کافی مشین کا ہینڈل چھوڑ کر الماری میں سے بوتل نکالی اور گلاس پھر سے لبالب بھر دیا۔ بوتل الماری میں واپس رکھ کر وہ پھر کافی بنانے میں مشغول ہو گیا۔

"میں تو ہر ہفتے فرانس کا چکر لگا آتا ہوں" سکاٹ نے گھونٹ بھر کر جھومتے ہوئے کہا۔

"آپ کی وہاں رشتہ داری ہے کیا؟" سنان نے یونہی پوچھ لیا۔

"رشتہ داری؟" سکاٹ نے ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا" سکاٹ لینڈ کے باشندوں کی رشتہ داری صرف سکاچ وہسکی سے ہوتی ہے۔"

زیادہ پی گیا ہے کم بخت۔ سنان نے اندازہ لگایا اور خاموش کھڑا رہا۔

"دراصل رات کا سٹیمر صبح تک فرانس پہنچ جاتا ہے میں وہاں سارا دن کسی قہوہ خانے میں بیٹھ کر بوردو اور کونی ایک ضلعوں میں اگائے جانے والے انگوروں کی

شراب سے حظ اٹھاتا ہوں اور دوسری شب واپس انگلستان آ جاتا ہوں۔ سٹیمر کا دو طرفہ کرایہ اسی کرسی پر بیٹھ کر سستی شراب پی کر ہی پورا کر لیتا ہوں۔"

"بہت خوب" سنان نے طنزیہ انداز میں داد دی "اور جناب نے سیدھی سادی پتلون کی بجائے یہ لڑکیوں کا لباس سکرٹ کیوں پہن رکھا ہے؟"

"لڑکیوں کا لباس؟" سکاٹ نے اپنے چار خانے والے رنگ دار اونی سکرٹ کی طرف دیکھ کر حیرانی سے کہا۔

"سکرٹ لڑکیاں ہی تو پہنتی ہیں"

"ہو ہو ـــ نہیں نہیں" سکاٹ نے پھر ایک زور دار قہقہہ بلند کیا "یہ تو سکاٹ لینڈ کے جری مردوں کا روایتی لباس کلٹ ہے۔ ہمارا قومی ہیرو روب رائے بھی یہی پہنا کرتا تھا۔"

"یہ روب رائے سکاٹ لینڈ کا تھا کیا؟"

"سو فی صد سکاٹ۔"

"نام سے تو ہندو لگتا ہے" سنان نے بناوٹی حیرت سے کہا۔

"تمہاری معلومات نہایت ناقص ہیں" سکاٹ نے گلاس پھر خالی کر دیا اور اپنے کلٹ کو گھٹنوں پر پھیلاتے ہوئے کہنے لگا "ویسے یہ لباس ہے بڑے کام کی چیز صرف تیز ہوا چلے تو مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے۔"

"تو آپ لوگ اسے پہنتے ہی کیوں ہیں؟"

"میں تو صرف اس لیے پہنتا ہوں کہ فرانسیسی عورتیں اسے بے حد پسند کرتی ہیں۔ فدا ہو جاتی ہیں بس!" سکاٹ نے اپنا بدبودار منہ سنان کے پاس لا کر بڑے رازدارانہ لہجے میں بتایا اور پھر مسکرا کر کہنے لگا "ویسے فرانسیسی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا"

"کافی سر!" ویٹر نے سفید جھاگ سے بھرپور کافی کی پیالی سنان کے آگے رکھ دی۔

سنان نے کافی کے پیسے ادا کر دیئے۔ پستہ قد سکاٹ جس کی ذی ہوشی کی عمراب تر ہونے کو تھی اس قابل نہ تھا کہ اس کی رفاقت میں بقیہ سفر خوش گوار طریقے سے کر سکے۔ چنانچہ سنان نے کافی کی پیالی کاؤنٹر سے اٹھالی اور پیچھے مڑا' اسے کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں بیٹھ کر وہ اطمینان سے کافی پی سکے اور ہو سکے تو بقیہ سفر کے دوران میں تھوڑا بہت اونگھ بھی لے۔ قہوہ خانے کی تمام میزیں پُر تھیں۔

"کیوں نہ واپس عرشے پر ہی چلا جائے" سنان نے سوچا "وہاں خنکی کے باوجود سکون تو ہو گا" اور برساتی دوبارہ پہن کر قہوہ خانے دروازے سے باہر نکل گیا۔

○○○

سنان اوپر عرشے پر آیا تو وہاں اب بھی ویرانی کا راج تھا۔ البتہ طوفان کی شدت میں کمی واقع ہو چکی تھی اور سٹیمر نہایت پرسکون انداز میں فرانس کے ساحل کی جانب بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ سٹیمر کے گرد بنے ہوئے آہنی جنگلے کے اوپر بندھے ہوئے رسے پر دو بلب جھول رہے تھے جن کی مدھم روشنی عرشے کے بھیگے ہوئے تختوں پر چمک رہی تھی۔ کیبن کی دیوار کے ساتھ خالی آرام کرسیوں کی ایک قطار تھی۔ سنان وہیں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ جیب سے سگرٹوں کا پیکٹ نکالا اور ایک سگرٹ سلگا کر منہ میں دبا لیا۔ اس نے بہ مشکل ایک دو کش ہی لگائے ہوں گے کہ بظاہر پرسکون سمندر میں سے ایک تند موج اٹھی اور سٹیمر کے ساتھ آ ٹکرائی' سمندر کا نمکین پانی اس کے پورے چہرے کو بھگو گیا۔ سگرٹ بجھ گیا۔ سنان زیر لب بڑبڑایا اور پھر گیلے سگرٹ کو عرشے پر پھینک کر کافی پینے میں مشغول ہو گیا۔ اس نے ایک چسکی لگا کر رسوں سے جھولتے ہوئے قمقموں سے پرے دیکھنے کی کوشش کی۔ وہاں صرف لہروں کا شور اور مکمل تاریکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ وہ عرشے پر اکیلا نہیں بلکہ ساتھ والی کرسی پر ایک اور مسافر موسم کی سختیوں سے بے نیاز ٹانگیں پھیلائے سو رہا ہے۔ اس نے سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو ایک بھاری سرخ کوٹ سے ڈھک رکھا تھا۔ ایک دم سٹیمر کا گھگھیایا ہوا بھونپو زور سے بجا۔

"اوہ کتنی سردی ہے۔ ہو ہو۔"

یہ سریلی اور ٹھٹھرتی ہوئی آواز ساتھ والی کرسی پر پڑے سرخ کوٹ میں سے آئی

تھی۔ سنان نے بوکھلا کر کافی کی پیالی عرشے پر رکھ دی۔

"ہو ہو" سرخ کوٹ اب باقاعدہ ٹھٹھر رہا تھا۔

جواب تو دینا چاہیے۔ سنان نے سوچا۔

"آپ کو کس بھلے مانس نے اس سردی میں عرشے پر سونے کا مشورہ دیا تھا"

اس نے اپنا منہ کوٹ کے اس بٹن کے پاس لے جا کر زور سے کہا جس کے آس پاس سریلی آواز کے کان ہو سکتے تھے۔

"اوہ" کوٹ ایک دم اچھل پڑا۔

کالر کے سرے پر دو خوفزدہ آنکھیں جھانکنے لگیں "تم کون ہو؟"

سرخ کوٹ نے یہ سوال ایسے ہی پوچھا تھا جیسے عامل معمول کے درمیان مکالموں میں "تم کون" پوچھا جاتا ہے۔

"مسافر" سنان نے "مامول" کی بحر میں جواب دیا۔

مدھم روشنی میں وہ صرف اتنا دیکھ سکا کہ عامل لڑکی ہے اور بال لڑکوں کی طرز پر چھوٹے چھوٹے کٹے ہوئے ہیں۔ خوبصورت بھی ہے۔

آنکھیں جو خوف سے پھیلی ہوئی تھیں اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں۔ کافی بڑی بڑی تھیں۔

"نیچے قہوہ خانے میں جگہ نہ تھی اس لیے یہاں آ کر سو رہی۔ میرا تو وہاں دم گھٹ رہا تھا۔" سرخ کوٹ نے آہستہ سے کہا۔

سنان اب اس انتظار میں تھا کہ سرخ کوٹ آنکھوں سے نیچے ڈھلکے اور وہ اس کے بقیہ خدوخال دیکھ سکے۔ آنکھیں اب آہستہ آہستہ نیند کے بوجھ سے بند ہو رہی تھیں۔

"آہم" سنان نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا "اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اپنی برساتی دے سکتا ہوں۔ سرخ کوٹ پر پھیلا لیجیے پھوار سے بچاؤ ہو گا۔"

"اونہوں" سرخ کوٹ نے صاف انکار کر دیا اور پھر اونگھنے لگا۔

سنان کو نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر یہ لڑکی سو گئی تو صبح تک یونہی گم سم ہو کر بیٹھا رہنا پڑے گا۔ گفتگو جاری رہنی چاہیے۔

"کیا آج واقعی بے حد سردی ہے؟" اس نے بات کو طول دیتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں صرف مشغلے کے طور پر ٹھٹھر رہی ہوں؟" کوٹ نے رکھائی سے جواب دیا۔

سنان نے منہ بنا لیا۔ عجیب لڑکی ہے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔

یورپ میں کالی آنکھیں، کالے بال اور مشرقی خدوخال لڑکیوں کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جن مشرقی لڑکوں کی شکل و صورت کے بارے میں ان کے والدین کو بھی کوئی خوش فہمی نہیں ہوتی وہ بھی یورپ میں جا کر لڑکیوں سے "ہینڈسم سٹرینجر" یعنی خوش شکل اجنبی کا خطاب پا جاتے ہیں۔ ادھر سنان تو ویسے ہی مشرقی وجاہت کا بھرپور نمونہ تھا۔ بڑی بڑی کالی بھور آنکھیں، یکدم اداس اور پل بھر میں مسکرا دینے والی، ستواں ناک، چوڑا ماتھا اور متناسب جسم۔ اگرچہ یورپ میں سنان نے ان مردانہ صفات سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا مگر اس سرخ کوٹ نے اس لڑکی نے اس کی انا کو ٹھیس لگائی تھی۔ بھلا سیدھے منہ بات کیوں نہیں کرتی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی اور بڑے تحمل سے پوچھا۔

"آپ انگریز ہیں کیا؟"

"تم کو افریقی لگتی ہوں کیا؟" سرخ کوٹ نے اونگھتے ہوئے پھر جھاڑ پلا دی اور پھر نہ جانے کیا سوچ کر جمائی لیتے ہوئے پوچھا "فرانس جا رہے ہو؟" چہرے پر بلا کا بھولپن تھا۔

"اور نہیں تو کیا یہ سٹیمر افریقہ جا رہا ہے؟" اب سنان کی باری تھی "ظاہر ہے اس سٹیمر پر سوار تمام مسافر فرانس ہی تو جا رہے ہیں۔"

لڑکی نے قہر بھری نظروں سے سنان کی طرف دیکھا اور پھر ایک لمبی "اونہہ" کر

کے اپنا کوٹ آنکھوں پر کھینچ کر خاموشی سے آرام کرسی پر لیٹ گئی۔

سنان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے فرش پر رکھی کافی کی پیالی اٹھا کر منہ سے لگالی۔ کافی بالکل یخ ہو چکی تھی۔ اس نے بہ مشکل ایک گھونٹ نگلا اور پیالی دوبارہ فرش پر رکھ کر انگلیاں چٹخانے لگا۔ اب کیا کیا جائے؟

ساتھ والی کرسی پر لیٹا سرخ کوٹ بالکل بے حس و حرکت تھا۔

اسے احساس ہوا کہ اس کا رویہ نہایت غیر معقول اور انتہائی غیر دوستانہ تھا۔ زیادتی بہرحال اس کی اپنی تھی۔ بھلا مزے سے سوتی ہوئی ایک خوبصورت لڑکی کے کان میں اس طرح تان لگا دینا کہاں کی شرافت ہے۔

معذرت کرنی چاہیے۔ سنان نے فیصلہ کیا۔

"ہیلو!" اس نے کوٹ کے کالر سے مخاطب ہو کر سرگوشی کی۔

کوٹ ساکن پڑا رہا۔

"میں نے کہا۔ ہیلو!" سنان نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"اوہ! کیا مصیبت ہے سونے بھی دو گے یا نہیں" کوٹ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

وہ نہایت برہم نظر آ رہی تھی۔

"میں دراصل آپ سے ـــــ میرا مطلب ہے کہ مجھے بے حد افسوس ہے میں نے آپ کو خواہ مخواہ ڈرا دیا" سنان کے لہجے میں معذرت تھی۔

"ایک بار نہیں بلکہ دو مرتبہ" لڑکی نے دونوں مٹھیاں بھینچ کر ننھے بچوں کی مانند اپنی آنکھیں ملیں۔

"آپ فرانس جا رہی ہیں؟" سنان کے منہ سے بے اختیار وہی جملہ نکل گیا جس پر اس سے قبل ہنگامہ ہو چکا تھا۔

"اور نہیں تو کیا یہ سٹیمر افریقہ جا رہا ہے؟ ظاہر ہے اس سٹیمر پر سوار تمام مسافر ـــــ" اس نے انگلیاں نچا کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور خود بخود مسکرانے لگی۔

اس وقت سنان کا جی چاہا کہ کاش اس کے پاس بھی کوئی سرخ کوٹ ہوتا تاکہ وہ جواباً ایک لمبی "اونہہ" کر کے اسے اوڑھ کر وہیں کرسی پر لمبا پڑ جاتا۔

"میں صرف معذرت کرنا چاہتا تھا" سنان اپنی خفت مٹانے کی خاطر جیب سے سگرٹ نکال کر سلگانے کی کوشش کرنے لگا۔ سمندر سے اب بھی ہلکی ہلکی پھوار ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی اس لیے سگرٹ نہ چل سکا۔

"اور کچھ؟" لڑکی نے کوٹ کا کالر آنکھوں سے سرکا کر نیچے کر لیا۔ واقعی وہ خوبصورت تھی۔

"کچھ نہیں" سنان نے جھلا کر سگرٹ پھینک دیا "اب آپ سو سکتی ہیں میں ہرگز مخل نہیں ہوں گا۔"

"تقریباً ایک گھنٹے تک ہمیں فرانس کے ساحل کی پہلی جھلک دکھائی دینے لگے گی" لڑکی نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اپنی چوکور جناتی ڈائل والی گھڑی پر ڈالتے ہوئے کہا "اب سو کر کیا کروں گی۔"

سنان خاموش بیٹھا رہا۔

"کیا تم پہلی مرتبہ فرانس جا رہے ہو؟" اس نے گردن کو ہلکا سا خم دے کر سنان کی جانب دیکھا اور جواب کا انتظار کئے بغیر بڑی معصومیت سے کہنے لگی "میں تو ہر سال جاتی ہوں۔"

"آپ بھی اس بوڑھے سکاٹ کی طرح ہر ہفتے کیوں نہیں چلی جاتیں؟" سنان نے یونہی ہانک لگائی۔

"کون سے بوڑھے سکاٹ کی طرح؟"

"اپنا یار ہے۔ نیچے قہوہ خانے میں بیٹھا وہسکی پی رہا ہے۔"

لڑکی کی آنکھیں اب کے حیرت سے پھیل گئیں۔

"بہرحال آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ ہر سال فرانس جاتی ہیں" سنان کا موڈ خاصا بہتر ہو چکا تھا۔

"ہاں بالکل" لڑکی پھر گویا ہوئی "وہ اس لیے کہ میرا باپ انگریز ہے اور ماں فرانسیسی تھی۔"

"تھی؟"

"ہاں مر چکی ہے"

"حسرت ان غنچوں پہ ـــــ"

آنکھیں اور زیادہ پھیل گئیں کیوں کہ فقرہ اردو میں ادا ہوا تھا۔

"عجیب عجیب باتیں کرتے ہو" لڑکی نے سر جھٹک کر کہا۔

"میں نے اپنی زبان میں افسوس کا اظہار کیا تھا" سنان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"بہرحال آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ کی والدہ محترمہ وفات پا چکی ہیں۔ یہ اندوہناک سانحہ کب ہوا تھا؟"

"تب میں بہت چھوٹی تھی۔ مجھے تو اس کی شکل بھی یاد نہیں۔"

"لیکن ہر سال فرانس جانے سے اس کا تعلق؟"

"ابھی بتاتی ہوں۔" اس نے بالکل بچوں کی طرح خوش ہو کر پھر کہنا شروع کیا۔

"میری خالہ پیرس میں رہتی ہیں۔ ڈیڈی ڈیئر مجھے گرمیوں میں ان کے پاس بھیج دیتے ہیں اور میں وہاں کرسمس تک رہتی ہوں۔"

"یعنی ۲۵ دسمبر تک" سنان نے لقمہ دیا۔

"تمہارے ہاں کرسمس کیا جون میں ہوتی ہے؟"

"ہمارے ہاں کرسمس سرے سے ہوتی ہی نہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے حیرت سے کہا "۲۵ دسمبر کا دن تو ہر ملک میں آتا ہے۔"

"ہاں، لیکن کرسمس ہر ملک میں نہیں ہوتی۔ ہم مسلمان ہیں اور کرسمس نہیں مناتے۔"

"عجیب بات ہے" اس نے ایک مرتبہ پھر سر جھٹکا "میرا خیال تھا کہ کرسمس تمام

ملکوں میں منائی جاتی ہے۔"

"ہاں تو آپ کہہ رہی تھیں ـــــ"

"ہر مرتبہ بیچ میں ٹوک دیتے ہو۔ پوری بات ہی نہیں سنتے۔"

"جی" سنان نے سر جھکا لیا "اب نہیں ٹوکوں گا۔"

"جانے میں کیا کہہ رہی تھی ـــ" لڑکی نے منہ بنا کر کہا۔

"آپ کا باپ انگریز ہے۔ ماں فرانسیسی تھی۔ مر چکی ہے۔ خالہ پیرس میں ـــ کرسمس ـــ"

"ہاں ہاں ـــ تو میں کرسمس تک پیرس میں رہتی ہوں اور پھر ـــ پھر واپس نوٹنگھم چلی جاتی ہوں۔ ویسے پیرس میں انگلستان کی نسبت سردی کا موسم قدرے گوارا ہوتا ہے۔ مجھے سردی بالکل پسند نہیں۔"

سنان اب اس لڑکی معصوم باتوں میں بے حد دلچسپی لے رہا تھا۔ بے پناہ بے ساختگی تھی ان میں۔

"کہتے ہیں ہر انسان کے ـــ ہر تہذیب یافتہ انسان کے دو ملک ہوتے ہیں۔ ایک اس کا اپنا اور دوسرا فرانس ۔ آپ پر یہ روایت سو فی صد صادق آتی ہے۔" سنان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فرانس کی بجائے پیرس کہنا چاہیے۔ پیرس بے حد حسین شہر ہے۔ خاص طور پر دریائے سین اور اس کے خاموش کنارے جہاں میں ہمیشہ شام ڈھلے سیر کو نکل جاتی ہوں اور رات گئے تک اکیلی گھومتی رہتی ہوں۔"

"اکیلی؟"

"ہاں بالکل اکیلی!"

سنان سوچنے لگا کہ پیرس جیسے شہر میں اتنی حسین لڑکی کو لوگ اکیلے کیسے گھومنے دیتے ہیں۔

صبح کاذب کے آثار نمایاں ہو رہے تھے اور جنگلے کے اوپر رسے سے لٹکتے ہوئے

قمقموں کی روشنی اب ماندہ پڑتی جا رہی تھی۔ سٹیمر کے گرد پھیلا ہوا سمندر جو پچھلی شب ایک مہیب عفریت کی مانند چنگھاڑ رہا تھا اب ایک وسیع سرمئی صحرا کی مانند خاموش اور پرسکون لیٹا ہوا تھا۔ ہوا بھی تھم چکی تھی۔ دور افق پر ایک ہلکی سی لکیر ابھری۔

"فرانس" لڑکی نے لکیر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سنان کو بتایا۔

"ہاں فرانس—— جس کی سرحدیں ہسپانیہ کو چھوتی ہیں—— ہسپانیہ میں اندلس نام کا ایک صوبہ ہے جہاں قرطبہ' شیلیہ اور غرناطہ جیسے پرفسوں شہروں کے ایوان اور محراب میرے انتظار میں ہیں۔"

ہسپانیہ دیکھنے کے بعد تم کہاں جاؤ گے؟"

"گھر"

"اور گھر کہاں ہے؟"

سنان ہنس دیا۔ "میں اپنا تعارف تو کروانا بھول ہی گیا۔ میں پاکستانی ہوں اور ایک قدیم شہر لاہور کا رہنے والا ہوں۔"

"کیا انگلستان میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آئے تھے؟"

"میں کہیں بھی کسی غرض سے نہیں جاتا۔ لوگوں کے نزدیک بے مقصد آوارہ گردی جسے میں سیاحت کا نام دیتا ہوں۔ میں سیاح ہوں"

"سیاحوں کے نام بھی تو ہوا کرتے ہیں۔"

سنان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "مجھے سنان کہتے ہیں۔"

"اور میرا نام پاسکل ہے۔" لڑکی نے اپنا ننھا منا ہاتھ آگے کر دیا۔ سنان کے بھاری اور گرم ہاتھ نے اس کی ساری خنکی جذب کر لی۔

"میں نے اپنا ہاتھ ملانے کے لیے آگے کیا تھا تھامنے کے لیے نہیں۔"

"اوہ! سوری" سنان نے جلدی سے ہاتھ چھوڑ دیا۔

"تم کتنے خوش قسمت ہو جو آزادی سے گھوم پھر سکتے ہو" پاسکل کہہ رہی تھی۔

"اس میں خوش قسمتی سے زیادہ جنون کا ہاتھ ہے۔ سیاحت کا جنون جو فصل گل آتے ہی عود کر آتا ہے۔ دوستوں کی رائے میں ہر دوسرے تیسرے سال میرا دماغ الٹ جاتا ہے اور میرے ذہن میں سنہری وادیاں اور جھلمل جھلمل کرتی جھیلیں ابھرنے لگتی ہیں۔ پھر مجھ سے نچلا نہیں بیٹھا جاتا اور میں چند تاریخ کی کتابیں اور مختصر سا سامان کاندھے پر رکھ کر اپنے شوق کی تکمیل کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہوں۔"

"کاش میں بھی تمہاری طرح سامان کاندھے پر رکھ' پاسپورٹ جیب میں ڈال مزے سے دنیا کی سیاحت پر نکل سکوں" پاسکل نے اداس ہو کر کہا۔

"انتظار کس بات کا ہے یا کس کا ہے؟"

"انتظار ایک شہزادے کا ہے جو میرے بدن میں چبھی ہوئی سوئیاں نکال کر مجھے ازلی نیند سے بیدار کر دے"

سنان کے پلے کچھ نہ پڑا۔

"میرے لیے تو یہ ایک دیوانے کا خواب ہے" وہ بے حد آزردہ نظر آ رہی تھی۔ سنان نے پہلی مرتبہ اسے غور سے دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں گہرے نیلے رنگ کی تھیں اور ستواں ناک سرے پر قدرے اوپر کو اٹھی ہوئی۔ سرخ و سپید گول چہرے پر چھوٹے کٹے ہوئے بال بے حد بھلے لگ رہے تھے۔ پچھلی شب کو تاریکی میں وہ اسے اچھی طرح نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ یقیناً بے حد حسین تھی۔

سنان نے سوچا اگر اس لڑکی کو مردانہ کپڑے پہنا دیے جائیں تو ایک نہایت حسین و جمیل ہپی لڑکا بن سکتی ہے۔

"صوبیدار دل نواز خان کی بتائی ہوئی دو باتوں میں سے ایک تو پیرس کے بارے میں درست ثابت ہو گئی ہے—— اب دیکھیں دوسری کا کیا بنتا ہے!" سنان نے اس کی آنکھوں کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پاسکل نے سنان کی طرف یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ پھر عجیب عجیب باتیں کر رہے ہو۔

"ہمارے گاؤں میں ایک ریٹائرڈ صوبیدار اس نام کا گزرا ہے۔" سنان نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "وہ دوسری جنگ عظیم میں فرانس کے محاذ پر لڑا تھا۔ ہم بچپن میں گاؤں سے باہر اس کے ڈیرے پر چلے جاتے اور اس سے پیرس کے بارے میں کہانیاں سننے کی فرمائش کرتے۔ وہ ہمیشہ دو باتوں کا ذکر کرتا کہ بیٹا پیرس کی تمام عورتوں کی آنکھیں نیلی ہوتی ہیں اور وہاں سڑکیں شیشے کی بنی ہوتی ہیں۔"

پاسکل قدرے جھینپ گئی۔ "کم از کم دوسری بات تو غلط ہے۔ شیشے کی بجائے پیرس کی اکثر سڑکیں کھردرے پتھروں سے بنی ہوئی ہیں۔"

"تمہیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ پہلی بات درست ہے؟"

پاسکل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ سنان کو مشرقی حیا کا یہ انداز مغرب میں دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی۔ ورنہ کوپن ہیگن کے تِوالی باغ میں تو ایک لڑکی نے اسے کھلے بندوں باہوں میں جکڑ کر "خوبصورت گڈے" کا خطاب دے ڈالا تھا۔ بے شرم کہیں کی لوگوں نے بڑی مشکل سے چھڑایا۔

"مجھے بھی بچپن میں بتایا گیا تھا کہ پاکستان میں یا تو راجے مہاراجے ہوتے ہیں یا فقیر، مڈل کلاس سرے سے ناپید ہے۔ دونوں میں سے کوئی بات درست ثابت نہیں ہوئی۔" پاسکل نے ہنس کر کہا۔

سنان اور پاسکل وہاں بیٹھے خاصی دیر تک یونہی باتیں کرتے رہے۔ وہ اسے پیرس اور اس کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے جنگلوں اور خوبصورت قصبوں کے بارے میں بتاتی رہی اور سنان اسے اپنے طویل سفر کے دوران میں پیش آنے والے دلچسپ واقعات سناتا رہا۔ کس طرح افغانستان کے وسیع صحراؤں میں وہ ایک حادثے سے دوچار ہوا اور اسے کئی روز ایک ویران کاروان سرائے میں گزارنے پڑے۔ برف پوش کوہ آرارات کا ذکر آیا جس کی چوٹی پر ایک روایت کے مطابق حضرت نوح کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی۔ استنبول سے چند میل دور شہزادوں کے جزیرے میں ایک عجیب و غریب یونانی لڑکی سے ملاقات، سوئٹزرلینڈ کے بلند پہاڑوں میں ایک آسیب زدہ قصبے میں قیام

سویڈن کی ایک جھیل کے کنارے چاندنی رات میں ایک بارہ سنگھے سے مڈبھیڑ، اور پھر بلیک فارسٹ جرمنی کی وہ چھوٹی سی ندی جہاں سے رومانوی دریائے ڈینیوب کا آغاز ہوتا ہے۔

پاسکل ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے اس کی تمام باتیں بے حد دلچسپی سے سنتی رہی۔ ہر اجنبی اور دور دراز کے ملک کے نام پر اس کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھتا۔ سنان جو طبعاً خاموشی پسند واقع ہوا تھا آج بے حد باتیں کر رہا تھا۔ ایک قصہ ختم ہوتا تو پاسکل منہ کھولے اس انتظار میں ہوتی کہ اب کسی اور انجانی جگہ کا تذکرہ چھڑے گا۔ آخر میں سنان اسے عمر خیام کے شہر نیشاپور کے قدیم قہوہ خانوں میں کہی گئی لوک حکائتیں سنانے لگا یہاں تک کہ ڈنکرک کے فرانسیسی شہر کی عمارتیں دکھائی دینے لگیں۔ ان دونوں کے گرد تمام آرام کرسیاں اب مسافروں سے پُر ہو چکی تھیں۔ وہ ایک دوسرے کی باتوں میں اتنے مگن رہے کہ انہیں احساس تک نہ ہوا کہ کب صبح ہوئی اور پھر کب قہوہ خانے میں بیٹھے ہوئے تمام مسافر اوپر عرشے پر آ گئے۔ اکثر لوگ جنگلے کے ساتھ لگ کر ڈنکرک کے شہر اور بندرگاہ کو دیکھ رہے تھے جو نزدیک سے نزدیک تر ہوتا جا رہا تھا۔ سنان اور پاسکل وہیں بیٹھے رہے۔

سنان کو خیال آیا کہ ابھی یہ سٹیمر بندرگاہ میں داخل ہو جائے گا اور یہ خوبصورت لڑکی یورپی لوگوں کی روایتی سردمہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہہ کر چل دے گی کہ رفاقت کا شکریہ۔ خدا حافظ۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایسا ہو۔

بندرگاہ میں داخلے پر سٹیمر کا بھونپو زور زور سے بجنا شروع ہو گیا۔ جنگلے کے گرد کھڑے اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے مسافروں نے اپنا اپنا سامان اٹھایا اور اس کونے کی طرف چل دیے جہاں بندرگاہ کو اترنے والی سیڑھی نصب تھی۔ سنان نے پاسکل کی جانب دیکھا۔ وہ بڑے سکون سے اپنے سرخ کوٹ کے ایک بٹن سے کھیلنے میں مصروف تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے ڈنکرک نہیں اترنا بلکہ یہ سٹیمر اسے کہیں اور لے جائے گا۔

سنان نے جیب سے کنگھی نکالی اپنے نم آلود بال درست کئے اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام شب کی بیٹھک نے اس کے جسم کو بری طرح اکڑا دیا تھا۔ اس نے اپنی سفید برساتی اتار کر بازو پر ڈال لی اور پاسکل کی جانب دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے اسی طرح اپنے بٹن سے کھیل رہی تھی۔

"پاسکل!"

پاسکل نے اپنی پلکیں اوپر اٹھا دیں۔ سنان کو یوں لگا جیسے اس کی آنکھیں بالکل ایک آئینے کی مانند شفاف ہیں اور جن میں فرانس کے سمندر کی نیلاہٹ کا عکس جھلک رہا ہے۔

"کیا یہیں بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے؟"

پاسکل خاموش رہی۔

"آپ کی اطلاع کے لیے یہ سٹیمر اب واپس انگلستان ہی جائے گا افریقہ وغیرہ نہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ آپ چپکے سے یہاں سے اٹھیں اور بندرگاہ پر اتر جائیں۔"

"تم جا کر گاڑی میں بیٹھو میں خود آ جاؤں گی"

سنان نے پاسکل کی طرف غور سے دیکھا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور وہ بے حد اداس نظر آ رہی تھی۔ سنان کو حیرت ہوئی کہ اس لڑکی کے چہرے کے تاثرات پل بھر میں کس طرح بدل جاتے ہیں۔ معصومیت اور ہنسی کی جگہ پژمردگی اور اداسی تھی۔ بادل نخواستہ سنان نے اپنا سامان اٹھایا اور بندرگاہ کو اترنے والی سیڑھی کی طرف بڑھا۔ اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے یہ لڑکی گاڑی کے کسی اور ڈبے میں سوار ہو جائے یا سرے سے سوار ہی نہ ہو اور وہ اسے ہمیشہ کے لیے کھو دے۔ اس خیال نے اسے بے حد اداس کر دیا اور وہ فوراً واپس اسی جگہ آ گیا جہاں پاسکل ابھی تک نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

"پاسکل!"

پاسکل نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی نیلاہٹ میں نمی تھی۔

"میں تمہارا سوٹ کیس اٹھا لیتا ہوں۔"

پاسکل مسکرا دی مگر اس کی مسکراہٹ میں شوخی کی بجائے اداسی کا پہلو تھا۔

"ڈیڈی ڈیئر نے میرا سامان لنڈن سے بک کروا دیا تھا۔ میرے پاس سوائے اس سرخ کوٹ اور ہینڈ بیگ کے اور کچھ نہیں۔"

سنان وہیں کھڑا رہا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ لڑکی اس کے ساتھ چلنے میں جھجک کیوں محسوس کر رہی ہے۔

"اچھا تو پھر کم از کم گاڑی تک تو میرے ساتھ چلو۔" سنان نے نہایت نرمی سے درخواست کی۔ "میں پہلی مرتبہ فرانس کی سرزمین پر قدم رکھ رہا ہوں اور مجھے راہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"ایک سیاح کو راہنمائی کی ضرورت کیسے پیش آ گئی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کبھی کبھار ایک تجربہ کار سیاح بھی کسی ایسے دوراہے پر آ کھڑا ہوتا ہے جہاں سے منزل کی سمت کا تعین کرنا بے حد دشوار ہو جاتا ہے۔"

پاسکل ہنس دی۔ اپنا سرخ کوٹ بازو پر رکھا اور بالکل ناک کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے بڑی خود اعتمادی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"محترمہ پہلے آپ۔" سنان نے شولری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھک کر کہا۔ وہ بے حد مسرور نظر آ رہا تھا۔

"شکریہ" پاسکل نے اپنی نیلی آنکھیں ایک لمحہ کے لیے سنان پر جما دیں۔ سنان اسی طرح جھکا ہوا اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ وہ قدرے جھجکی اور پھر بندرگاہ کو اترتی ہوئی سیڑھیوں کی جانب رخ کر کے چلنا شروع کر دیا۔ سنان سیدھا ہو کر اس کے پیچھے چلنے کو تھا۔۔۔ مگر چل نہ سکا۔۔۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سانس رک گیا ہو۔ اس کے قدم عرشے کی گیلی لکڑی پر میخوں سے ٹھونک دیے گئے ہوں۔ وہ جو

کچھ دیکھ رہا تھا وہ قدرت کا ایک بھیانک مذاق تھا۔ خالق اپنے تخلیقی عمل میں کہیں چوک گیا تھا۔ وہ چل نہیں رہی تھی بلکہ چلنے کی اذیت ناک کوشش میں مصروف تھی۔ لڑکھڑاتی ٹھوکریں کھاتی پاسکل! وہ لنگڑی تھی۔

بے بسی اور غصے کے جذبات سے سنان کا دماغ دہکنے لگا اور اس نے اپنے سینے میں اس بے بس لڑکی کے لیے بے پناہ ہمدردی اور رحم کی ایک ایسی لہر دوڑتی ہوئی محسوس کی جس نے اس کے سارے جسم کو سن کر کے رکھ دیا۔ وہ اسی آرام کرسی کے پاس بے حس و حرکت کھڑا ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا۔ پاسکل ایک ہاتھ اپنی ران پر سختی سے دبائے بے حد تکلیف دہ انداز میں لنگڑاتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ سیڑھی کے قریب پہنچ کر وہ لحظہ بھر کے لیے رکی اور پھر آہستہ سے پیچھے مڑ کر سنان کی جانب دیکھا۔

"کیا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے؟" اس کے باریک ہونٹوں پر حزن آمیز تبسم کھیل رہا تھا۔

سنان نے بے یقینی کے عالم میں ایک مرتبہ سر کو جھٹکا اور اسی طرح گم سم تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

پاسکل کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"مجھے معلوم ہے" اس نے کہنا شروع کیا۔ "تمہارے دل میں اس وقت میرے لیے رحم اور ہمدردی کے جذبات موجزن ہیں۔"

"ہوں۔" سنان ایک دم اس بھیانک خواب سے بیدار ہو گیا۔ "نہیں ایسا تو نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"مجھے جھوٹ پسند نہیں۔۔۔ سب لوگ مجھ پر ترس کھاتے ہیں۔ میں ہمیشہ سے رحم کے جذبات کی بھکاری بن جاتی ہوں۔ تم دوسروں سے مختلف نہیں ہو۔"

وہ خاموش کھڑا اس کے اداس چہرے اور پلکوں پر لرزتے آنسوؤں کو دیکھتا رہا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا۔۔۔ ڈیڈی ڈیر مجھے بے حد چاہتے ہیں۔ میری سولہویں

سالگرہ پر انہوں نے مجھے ایک تیز رفتار سپورٹس کار تحفے میں دی۔ سترہویں سالگرہ آنے سے پہلے ہی ایک خزاں رسیدہ شب کو نوٹنگھم کے شیروڈ جنگل میں میرا حادثہ ہو گیا۔"

"مجھے بے حد افسوس ہے۔" سنان اور کچھ نہ کہہ سکا۔ اسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ انگریزی زبان میں ہمدردی اور افسوس کے جذبات کا اظہار کس قدر مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "میں اب عادی ہو چکی ہوں"

"کیا تم دونوں کا واپس انگلستان جانے کا ارادہ ہے؟" بندرگاہ پر کھڑے سٹیمر کے کپتان نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر زور سے کہا۔ "تمہارے سوا تمام مسافر اتر چکے ہیں۔"

سنان نے سرخ کوٹ اس کے بازو سے اٹھا لیا اور دونوں آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے نیچے اتر گئے۔

کسٹم سے فارغ ہو کر وہ بندرگاہ کے پہلو میں واقع ڈنکرک کے ریلوے سٹیشن پر آ گئے جہاں پیرس جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی۔

وہ دونوں ایک ہی ڈبے میں سوار ہو گئے۔

○○○

آٹھ مسافروں کے چھوٹے سے ڈبے میں ان دونوں کے علاوہ صرف تین راہبائیں سوار تھیں جو ہاتھوں میں تسبیحیں تھامے آنکھیں بند کیے عبادت میں مگن تھیں۔

سفر کے دوران میں سارا عرصہ پاسکل خاموش بیٹھی کھڑکی سے باہر تکتی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے ڈبے میں سوار دوسرے مسافروں اور سنان کی موجودگی کا احساس تک نہیں اور وہ اکیلی خلا میں سفر کر رہی ہے۔

سنان کو معلوم تھا کہ ہر سال انہی راہوں سے گزرنے والی اس بے بس لڑکی کو ڈبے سے باہر گزرتے ہوئے فرانس کے دیہی مناظر سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ان سرسبز کھیتوں اور وسیع چراگاہوں کے دامن میں پھیلی ہوئی اجلی اجلی دھند کو اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ دیکھ چکی تھی۔ یہ گھنے جنگل اور چمکیلی ندیاں اس کے لیے اجنبی نہ تھے۔ اس کی نیلی آنکھیں جنہیں دیکھ کر سنان کو ایران کا نیلا آسمان یاد آگیا تھا کسی اور جہان میں تھیں۔

سنان اس کے حسن میں حزن و ملال کے روگ کو جان گیا تھا۔ اسے اب احساس ہوا کہ وہ اتنی خوبصورت ہوتے ہوئے بھی پیرس کی پرفسوں شامیں دریائے سین کے کناروں پر اکیلی ہی کیوں گزار دیتی ہے۔ سیاحت اور جہاں گردی اس کے لیے دیوانے کا خواب کیوں تھی—— وہ اپاہج تھی—— وہ سٹیمر پر اس آرام کرسی سے اٹھنے میں جھجک کیوں رہی تھی—— خالق اپنے تخلیقی عمل میں نہیں چوکا تھا بلکہ انسانی ساختہ ایک لوہے کے ڈھیر نے مکمل تخلیق کا حسن داغدار کر دیا تھا۔

پچھلے چھ ماہ کی جہاں گردی کے دوران میں سنان کو کسی ملک میں بھی کسی ایسی لڑکی سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا تھا جسے ایک مرتبہ پھر ملنے کی ہوک اس کے دل سے اتنی شدت سے اٹھی ہو۔ وہ اس لڑکی کو دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ وہ کسی قیمت پر بھی گاڑی کے اس سفر کے اختتام پر "رفاقت کا شکریہ ' خداحافظ" جیسے کھوکھلے الفاظ ادا کر کے اس سے ہمیشہ کے لیے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ سنان چاہتا تھا کہ پاسکل کی اداس نیلی آنکھیں پھر سے مسکرانے لگیں۔

"پاسکل!" اس نے کھڑکی کا شیشہ بجا کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"ہوں۔" اس کی نیلگوں آنکھیں کانچ کی گولیوں کی طرح بے جان تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔

"تم اگر پسند کرو تو پیرس پہنچنے پر میں تمہیں گھر تک چھوڑ آؤں گا۔" سنان نے مسکراتے ہوئے پیش کش کی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔"

"لیکن مجھے خوشی ہو گی——"

"میں نے کہا نا اس کی ضرورت نہیں۔ میری خالہ مجھے سٹیشن پر لینے آ رہی ہیں۔" وہ بدستور باہر دیکھتی رہی۔

"پاسکل" سنان نے ایک مرتبہ پھر کھڑکی کا شیشہ کھٹکھٹایا۔ "کیا تم اس سفر کے خاتمے پر آج شام مجھے کہیں مل سکتی ہو؟"

اس نے ایک دم پلٹ کر سنان کی جانب یوں دیکھا جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔ "وہ کس لیے؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم شام کو دریائے سین کے کنارے اب اکیلی نہ گھومو۔ میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔"

پاسکل نے ہنسنا شروع کر دیا مگر اس کی ہنسی سنان کو بے حد ڈراؤنی لگی۔

"میں جانتی ہوں میرا چہرہ بے حد دل کش ہے۔" وہ کہنے لگی۔ "مگر اس کا کیا کیا

جائے کہ اس چہرے کا حسن کسی نیم تاریک قہوہ خانے کے کونے میں پڑی ہوئی کرسی پر صرف بیٹھے رہنے کی حد تک ہی محدود ہے۔ اٹھ کر چلنے کی تکلیف وہ کوشش اسی دل کش چہرے کو انتہائی بدصورت بنا دیتی ہے—— اور انسان ساری زندگی ایک کونے میں بیٹھے تو گزار نہیں سکتا۔"

"ان باتوں کا زندگی کے حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں۔" سنان نے جذباتی ہو کر کہا۔

"تم مجھے زندگی کے حقائق کے بارے میں بتا رہے ہو؟" اس نے دکھ سے کہا۔ جس طرح ایک ہی زمین پر جب ایک لکیر سرحد کی صورت میں کھنچ جاتی ہے تو اس طرح وجود میں آنے والے دو ملکوں کے لیے سچائی کے پیمانے بھی ایک دوسرے سے بالکل الٹ ہو جاتے ہیں اسی طرح زندگی کے حقائق بھی ہر انسان کے لیے مختلف ہوتے ہیں۔ تمہارے جیسے سیاح کے لیے زندگی کے حقائق ہیں —— اجنبی دیسوں کی پکار پر گھر سے نکل کھڑے ہونا—— سنہری وادیوں کے خواب جو بعد میں حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں اور ایک لاابالی اور ہنگامہ خیز زندگی—— اور میرے جیسی اپاہج اور لاچار لڑکی کے لیے—— آرام دہ کرسیوں اور صوفوں پر بیٹھ کر فیشن کے رسالے پڑھنا، کتابوں کی ورق گردانی کرنا۔ پہروں اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھے باہر تکتے رہنا۔ لوگوں کے جذبات کو اپنے دل کی چھلنی میں چھان کر یہ دیکھنا کہ رحم کے جذبات کے علاوہ کوئی چھوٹا موٹا ذرہ شاید محبت کا بھی ہو—— اور پھر—— نرم بستر پر ڈیڈی یا خالہ کے تھپکنے سے ایسے سو جانا جیسے میں بیس بائیس برس کی نوجوان لڑکی نہیں بلکہ ایک ایسی چھوٹی سی بچی ہوں جو غبارہ گم ہو جانے پر بے حد غمگین ہو اور سو نہ سکتی ہو۔"

"ان بے رحم حقائق کو اگر نظرانداز کر کے ایک خوشگوار زندگی گزارنے کی کوشش کر لی جائے تو کیا حرج ہے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے کوشش نہیں کی؟" پاسکل نے سر جھٹک کر کہا "پہلے پہل میرے جاننے والے لڑکے لڑکیاں میری تیمارداری کرنے آتے رہے۔"

"پاسکل تم جلد ہی اچھی ہو جاؤ گی۔ پھر ہم سب رابن ہڈ کے قلعہ کی سیر کو جائیں گے۔ جینی کی سالگرہ پر ہم سب تمہیں Get Well کا کیک پیش کریں گے۔" پھر وقت گزر تا گیا اور میں اچھی نہ ہوئی۔ مہینوں بعد میری کوئی سہیلی ادھر آ نکلتی "اوہ سوری پاسکل" وہ کہتی۔ "دراصل مصروفیت ہی اس قدر ہو گئی ہے کہ میں تمہیں دیکھنے نہ آ سکی۔ کل ہم لوگ پکنک پر چلے گئے۔ کاش تم بھی ہمارے ساتھ جا سکتیں۔ بڑا مزا آیا۔" ایک دو مرتبہ مجھے پارٹیوں پر بھی مدعو کیا گیا۔ میں ایک کونے میں بیٹھی دوسرے لوگوں کی طرف حسرت بھری نظروں سے تکتی رہتی۔ لڑکے میرے پاس آ کر بڑی شائستگی سے میرا حال دریافت کرتے اور پھر میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی کسی لڑکی کو لے کر رقص کرنے لگتے۔ تم شاید ایک مشرقی ہونے کی حیثیت سے اس کا احساس نہ کر سکو کہ ایک مغربی لڑکی کے لیے اس طرح الگ تھلگ ہو جانا کتنا بڑا سانحہ ہے۔ پھر میں نے کہیں بھی آنا جانا چھوڑ دیا اور اپنے کمرے میں قید ہو کر رہ گئی۔ میری اسی تنہائی کو دور کرنے کے لیے ڈیڈی مجھے ہر سال چند ماہ کے لیے خالہ کے ہاں پیرس بھیج دیتے ہیں۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نوٹنگھم میں میرے کمرے کی کھڑکی سے شیرووڈ جنگل کے چند درخت دکھائی دیتے ہیں اور پیرس میں اسی قسم کی ایک کھڑکی سے فٹ پاتھ کا ایک حصہ اور شاہ بلوط کے درخت نظر آتے ہیں۔ جگہ بدل جاتی ہے مگر تنہائی نہیں جاتی۔"

سنان خاموشی سے اس کی محرومیت کی داستان سنتا رہا۔ وہ اب پہلے سے کہیں زیادہ اس لڑکی کو دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔

ڈبے میں بیٹھی ہوئی راہباؤں کے سنجیدہ چہرے اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ عبادت میں اتنی زیادہ مگن نہ تھیں کہ پاسکل کی باتیں ان کے کانوں میں نہ پڑتیں۔ پاسکل خاموش ہوئی تو ان تینوں نے بیک وقت نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں "بیٹی ہمیں بھی تم سے ہمدردی ہے۔"

"میں اب بھی یہی کہوں گا کہ میری دلی خواہش یہی ہے کہ ہم دونوں پیرس میں ضرور

ملیں۔" سنان نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد آہستہ سے کہا۔

"سوچ لو" پاسکل نے میز پر کہنیاں رکھ کر اپنا چہرہ ہتھیلیوں پر جماتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں سنان پر لگی تھیں۔ "میں جب تمہارے ساتھ چلوں گی تو بوڑھی عورتیں آپس میں کُھسر پُھسر کریں گی۔ لڑکیاں کہیں گی ایسے قبول صورت مشرقی نوجوان کو پورے پیرس میں ایک اپاج لڑکی پسند آئی—— اور فرانسیسی مرد جن کے لیے عورت کی خوبصورتی کے پیمانے کولہوں سے اوپر نہیں جاتے تمہاری عقل پر ماتم کریں گے—— تضحیک ہو گی تمہاری!"

"تم مجھے ان سطحی دلائل سے قائل نہیں کر سکتیں۔" سنان نرمی سے بولا۔

"تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں؟ کیا کوئی بھی لڑکی کسی لڑکے کو اپنی بدصورتی کے بارے میں قائل کرنا چاہتی ہے؟"

"تو پھر کیا وجہ ہے کہ تم مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتیں؟"

"میں نے کہا نا تضحیک ہو گی تمہاری۔"

"ایک ایسے ماحول میں جہاں میں مکمل طور پر اجنبی ہوں گا میری کیا تضحیک ہو سکتی ہے؟ میں نے تو پچھلی شب تمہاری آنکھیں دیکھنے کے بعد ہی فیصلہ کر لیا تھا میں تمہیں دوبارہ ملنے کے لیے کہوں گا۔"

"جب میں آج صبح آرام کرسی سے اٹھ کر عرشے پر لنگڑاتی ہوئی چلی جا رہی تھی تب کیا تم نے اپنا ارادہ بدل نہیں دیا تھا؟"

"بالکل نہیں۔ بلکہ تمہاری بے بسی نے میرے اس ارادے کو اور تقویت بخشی تھی۔"

"بے بسی؟" پاسکل بھڑک اٹھی۔ "بس میں اس لفظ سے خائف ہوں۔ بے بسی' رحم یہ جذبات تو لوگ جانوروں کے لیے بھی محسوس کرتے ہیں۔ مجھے ان کی چاہت نہیں۔ لوگ پہلے پہل میرے حسین چہرے کو دیکھ مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر بیٹھتے ہیں مگر بعد میں جب وہ چہرہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو انہیں صرف

میرا اپاج پن یاد رہتا ہے اور وہ مجھ سے نہ ملنے کے لیے حیلے بہانے تلاش کرنے لگتے ہیں۔"

سنان سوچ میں پڑ گیا۔ اسے خیال آیا کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکی اسے ذاتی طور پر سرے سے پسند ہی نہ کرتی ہو اور پچھلی شب کی خوشگوار رفاقت کے مدنظر اس کی دل شکنی سے اعتراض کر رہی ہو۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" سنان نے افسردہ ہو کر کہا۔ "تم اگر ذاتی طور پر مجھے پسند نہیں کرتیں تو میں تمہیں مجبور تو نہیں کر سکتا۔"

"بالکل نہیں۔" اس کے لہجے کی بے اختیاری سنان کے لیے حیران کن تھی۔

"پسند! میرا مطلب ہے ضرور—— میں تمہیں ملنا چاہتی ہوں—— ضرور——"

اس نے بچوں کی طرح بار بار اس طرح سر کو جنبش دی جیسے وہ اپنے جذبات کو پوری طرح بیان کرنے سے قاصر ہو۔

سنان کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ نشست سے ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ جیب سے سگرٹ نکال کر سلگایا اور مسکرانے لگا۔

"میں پیرس میں اجنبی ہوں۔ تم کوئی سی جگہ منتخب کر کے کاغذ کے ٹکڑے پر نام لکھ دو میں پہنچ جاؤں گا۔"

پاسکل بدستور مسکرائے چلی جا رہی تھی اور سر بھی ہلا رہی تھی۔

"یہ کیا میکانکی کھلونوں کی طرح سرہلاتی جا رہی ہو۔ میں نے جگہ کے بارے میں دریافت کیا ہے۔"

"اوہ" پاسکل ایک دم ہنس دی۔ "خالہ بھی ہمیشہ یہی کہتی ہیں کہ میری یہ عادت بالکل بچوں جیسی ہے۔"

"تمہاری بہت سی عادتیں بچوں جیسی ہیں بہرحال پہلے یہ بتاؤ کہ تم مجھے کہاں ملنا پسند کرو گی؟"

"دریائے سین کے کنارے"

"کون سے کنارے پر دائیں یا بائیں؟"

"نہیں؟ سین کے کنارے نہیں۔ دریائے سین تو میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔"

"تو پھر؟"

"پھر—— ہاں بولی وارڈ سان ژرمین کے قہوہ خانہ "امن" میں۔"

"مجھے لکھ کر دے دو۔"

"نہیں! یہ بھی نہیں۔" اس نے پھر ارادہ بدل دیا۔ "اس قہوہ خانہ میں کبھی بھی جگہ نہیں ملتی ہمیشہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔"

"میرا خیال ہے میں تمہیں سرے سے گھر ہی نہ جانے دوں۔ سٹیشن سے سیدھے دریائے سین پر چلے چلیں گے۔"

"نہیں نہیں" پاسکل نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "خالہ سٹیشن پر آ رہی ہیں اور وہ ذرا پرانے خیالات کی ہیں۔ برا منائیں گی۔"

گاڑی ایک قصباتی سٹیشن پر کھڑی ہوئی اور ان کی ہم سفر تینوں راہبائیں اترنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بیٹی۔" ان میں سے ایک راہبہ نے بڑے پیار سے پاسکل کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "آئفل ٹاور کے نیچے ملنے میں کیا قباحت ہے؟"

"خداوند یسوع تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔" باقی دو راہباؤں نے ڈبے سے باہر جاتے ہوئے انہیں دعا دی۔

گاڑی دوبارہ چلی تو پاسکل بے اختیار ہنس دی۔

"اس راہبہ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ آئفل ٹاور لڑکوں کو ملنے کے لیے بہترین جگہ ہے؟"

"وہ بے چاری پیدا ہوتے ہی راہبہ تو نہیں بن گئی تھی نا؟ درمیانی وقفے میں شاید کوئی دل شکن واردات قلب ہوئی اور اسے مجبوراً راہبانیت اختیار کرنی پڑی۔"

"بہرحال مجھے آئفل ٹاور کا بالکل خیال نہ آتا اگر یہ محترمہ اس کا مشورہ نہ دیتیں۔ مناسب جگہ ہے۔"

"بس تو پھر طے ہو گیا۔ ہماری گاڑی پورے پانچ بجے پیرس پہنچے گی۔" سنان نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "اور میں آج شب پورے سات بجے دریائے سین کے کنارے آئفل ٹاور تلے تمہارا انتظار کروں گا۔"

"میں پونے سات بجے ہی پہنچ جاؤں گی۔" اس نے شوخی سے کہا "اور ہاں' میں آج شام کیا پہن کر آؤں؟"

"کوئی لباس"

"لیکن کس رنگ کا؟ تمہیں کون سا رنگ پسند ہے؟"

"مجھ جو رنگ پسند ہے وہ تمہاری آنکھوں میں ہے۔"

"یعنی تمہیں بھورا رنگ پسند ہے" پاسکل کا چہرہ شرارت سے دمک رہا تھا۔

"کمال ہے۔" سنان نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کل شب تو نیلی تھیں—— آج ان کا رنگ بھورا ہو گیا ہے۔ میں کلر بلائنڈ تو نہیں ہو گیا۔ ایک مرتبہ پھر دیکھ لوں؟"

"دیکھ لو۔" پاسکل نے اپنی لامبی پلکیں اوپر اٹھا دیں۔

سنان قدرے گھبرا گیا۔ لڑکیوں کے معاملے میں وہ بے حد ناتجربہ کار تھا اور اس طرح کے روایتی پیار کے انداز اسے بالکل پسند نہ تھے اس نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔ سنان نے ایک نظر پاسکل پر ڈالی جو آنکھیں کھولے اس کی جانب پٹ پٹ دیکھ رہی تھی اور آہستہ سے کہنے لگا۔ "بس دیکھ لیں۔"

"پھر؟"

"کون سا رنگ ہے۔"

"اچھی طرح دیکھ نہیں پایا"

"کیا؟"

"تمہاری آنکھوں کا رنگ۔ میرا مقصد تمہاری آنکھوں میں جھانکنا تھا۔ میں نے

اتنی کالی بھور آنکھیں آج تک کسی کی نہیں دیکھیں۔"

"تقریباً تمام پاکستانی لڑکوں کی آنکھیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔" سنان نے جھینپ کر کہا۔

"جھوٹ۔" پاسکل نے مچل کر کہا۔ "نوٹنگھم کی آدھی آبادی پاکستانیوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے کسی کی بھی آنکھیں تمہاری ایسی نہیں۔"

"تم وہاں ان کی آنکھوں میں جھانکتی رہتی ہو؟"

"نہیں ایسا تو نہیں۔ ڈیڈی ڈیئر کبھی کبھی مجھے شام کے کھانے کے لیے کسی پاکستانی ریستوران میں لے جاتے ہیں۔ وہاں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ویٹر پاکستانی ہوتے ہیں ناں!"

"پاکستان کے بارے میں ریستورانوں کے علاوہ اور تمہاری کیا معلومات ہیں؟"

"میں نے رڈیارڈ کپلنگ کی کتاب "Kim" پڑھی ہے جس کا آغاز اس فقرے سے ہوتا ہے کہ کم لاہور عجائب گھر کے سامنے بڑی توپ زمزمہ پر بیٹھا تھا۔"

"اور کچھ؟"

"اور یہ کہ کپلنگ لاہور کی بادشاہی مسجد کے مینار پر بیٹھ کر خوبصورت نظمیں تخلیق کیا کرتا تھا۔"

"کپلنگ کو فرانس سے بھی اتنی ہی محبت تھی جتنی میرے شہر لاہور سے۔"

"وہ کیسے؟"

"اس نے کہا تھا کہ ہر وہ شخص جو انسانیت کا ہمدرد ہے فرانس سے محبت کرتا ہے۔"

"لاہور اور فرانس۔۔۔" پاسکل مسکرانے لگی۔

سنان نے اسے بتایا کہ اس اخبار کا دفتر اس کے گھر کے پہلو میں واقع ہے جہاں پر کسی زمانے میں کپلنگ کام کرتا تھا۔ اس دفتر کے ایک چوکیدار کا محبوب مشغلہ غیر ملکی سیاحوں کے ہاتھوں وہ واحد میز فروخت کرنا ہے جس پر بیٹھ کر کپلنگ نے اپنے

لازوال ناول تصنیف کیے۔ اب تک وہ چوکیدار ایسی بیس میزیں فروخت کر چکا ہے۔

"ہمارے ہاں بھی نپولین کی ڈائری سینکڑوں بار فروخت ہو چکی ہے" پاسکل نے بتایا۔

"یعنی پاکستان کے بارے میں تمہاری معلومات پاکستانی ویٹروں اور ناول "کم" تک محدود ہیں۔"

"اس کے علاوہ " اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچنا شروع کر دیا۔ "ہاں! میں نے شالیمار باغ کے بارے میں ایک نظم پڑھی ہے۔۔۔ اور اور۔۔۔ میرے پاس نوٹنگھم میں ایک پاکستانی دستکاری کی دکان سے خریدا ہوا ایک زیور بھی موجود ہے۔"

"پاکستانی زیور؟"

"ہاں! کانوں میں ڈالتے ہیں۔ دکاندار کہہ رہا تھا کہ سبھی پاکستانی عورتوں کے کانوں میں پیدائشی طور پر سوراخ ہوتے ہیں جن میں ایئر رنگ لٹکا لیے جاتے ہیں؟"

"وہ دکاندار تمہیں مشرق کے جادو سے مسحور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سوراخ پیدائشی طور پر نہیں ہوتے بعد میں چھیدے جاتے ہیں۔"

"تمہاری زبان میں ان ایئر رنگز کو کیا کہتے ہیں؟"

"جھمکے"

"جھم۔۔۔ کے؟ بہت خوبصورت نام ہے۔ میں آج شام پہن کر آؤں گی۔۔۔ چاندی کے ہیں۔"

سنان اس کی معصومیت پر مسکرا دیا۔ وہ یقیناً ان جھمکوں میں خوبصورت لگے گی۔

"پورے سات بجے آئفل ٹاور تلے۔" سنان نے ایک مرتبہ پھر دہرایا۔

"پونے سات بجے۔" پاسکل شرارت سے ہنس دی اور بچوں کی طرح پھر سر ہلانے لگی۔

○○○

گاڑی وقت مقررہ سے دس منٹ قبل ہی پیرس کے سینٹ لازار سٹیشن کے گندے پلیٹ فارم پر پہنچ گئی۔

وہ دونوں ڈبے سے باہر نکلے تو سامنے پاسکل کی فربہ مگر خوش شکل خالہ کھڑی تھیں جو اسے دیکھتے ہی "پاسکل مئواشیری" کہہ کر لپٹ گئیں۔ سنان کو چونکہ اس سے پہلے فرانسیسی خالاؤں سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اس لیے وہ یہ خطرہ مول لیے بغیر اپنا سامان اٹھا کر سٹیشن سے باہر آگیا۔۔ سامنے کی عمارت میں "دفتر معلومات" تھا۔ وہ اندر چلا گیا۔ ریسپشن پر ایک کالے بالوں والی پستہ قد فرانسیسی لڑکی درجن بھر سیاحوں کو پیرس میں قیام کے لیے ہوٹل اور قابل دید مقامات کے بارے میں معلومات فراہم کر رہی تھی۔

سنان کا طریقہ سفر عام سیاحوں سے بے حد مختلف تھا۔ اس نے کبھی بھی منزل کا تعین نہ کیا تھا۔ ایک گاڑی پر سوار ہوئے۔ راستے میں کوئی خوبصورت قصبہ یا گاؤں دکھائی دیا تو وہیں اتر گئے۔ کسی دوسرے سیاح نے خبر دی کہ فلاں جگہ آج کل جشن ہو رہا ہے تو وہاں پہنچ گئے۔ راہ چلتے کسی نے کار میں لفٹ دے دی تو اس کے ساتھ ہو لیے چاہے اس کی منزل کوئی بھی ہو۔ اس طرح سفر کرنے میں جہاں نت نئے لوگوں اور انجانے شہروں کو دیکھنے کا موقعہ ملتا وہاں کئی صعوبتیں بھی اٹھانی پڑتیں۔ مثلاً کسی ایسی جگہ رات ہو گئی جہاں شب بسری کا مناسب انتظام نہ ہوا اور رات فٹ پاتھ پر کاٹنی پڑی۔ کسی نے آبادی سے کوسوں دور کسی ویرانے میں اتار دیا۔ ان مصیبتوں کے پیش نظر اس نے ایک چھوٹا سا خیمہ اور کھانے پکانے کا مختصر سامان خرید لیا تھا۔ جہاں

ہوٹل میں جگہ نہ ملی وہاں "کیمپنگ گراؤنڈ" میں چلے گئے اور اپنا چھوٹا سا گھر تیار کر لیا۔ "کیمپنگ گراؤنڈز" یورپ کے ہر شہر اور قصبے میں موجود ہیں اور وہاں ہر قسم کی آسائشیں مہیا کی جاتی ہیں۔ سنان کا ارادہ تھا کہ پیرس میں کیمپنگ کی بجائے ہوٹل میں ہی ٹھہرا جائے چنانچہ اس نے کاؤنٹر کے پیچھے لڑکی سے اس بارے میں دریافت کیا۔

"آپ کو زیادہ سے زیادہ کتنے کرائے کا ہوٹل درکار ہے؟" لڑکی نے میز پر پنسل بجاتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کوئی دس فرانک روزانہ کا۔"

لڑکی کے ہاتھ سے پنسل گرتے گرتے بچی۔

"دس فرانک؟ ناممکن۔ ہاں البتہ تیس فرانک میں شاید" لڑکی نے سنان کی طرف ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اے فقیر تم پیرس میں ہو اور یہاں ہوٹل ہوتے ہیں دھرم شالے نہیں۔

"یہ تو بہت زیادہ کرایہ ہے۔" سنان نے اپنے بڑھے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھیر کر سر ہلایا۔

"وہ تو ہے۔" لڑکی نے بے چینی سے سنان کے پیچھے جمع سیاحوں کے ہجوم کی طرف دیکھتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا۔

کیمپنگ گراؤنڈ میں ہی چلا جائے وہاں خیمہ لگانے کا کرایہ صرف دو فرانک یومیہ ہو گا۔ سنان نے فیصلہ کیا۔

"تو پھر پیرس میں کیمپنگ گراؤنڈ کا پتہ دے دیجئے میرے پاس خیمہ بھی ہے۔"

لڑکی نے فوراً میز کی دراز سے پیرس کا تفصیلی نقشہ نکالا اور ایک نکتے پر سرخ پنسل سے نشان لگا کر سنان کو تھما دیا۔ "بوئے ڈی بولون کیمپنگ" ٹرام سڑک کے اس پار ملے گی۔ نیولی کے پل پر اتر جانا وہاں سے قریب ہی ہے۔"

سنان نے نقشہ جیب میں ڈالا اور لڑکی کا شکریہ ادا کر کے ٹرام سٹیشن پر چلا گیا

تھوڑی دیر بعد ایک دقیانوسی قسم کی ٹرام وہاں آ کر رکی۔ سنان نے نقشہ جیب سے نکال کر کنڈکٹر کے سامنے کر دیا "کیمپنگ" کنڈکٹر نے "ودئی" کا نعرہ لگایا اور سنان کو سامان سمیت ٹرام کے اندر کھینچ لیا۔ ٹرام کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اس لیے اس نے سامان دروازے کے پاس ہی رکھ دیا اور خود بھی وہیں کھڑا ہو گیا۔ یہ پیرس میں رش کے اوقات تھے۔ لوگ اپنے دفتروں' کارخانوں اور کاروباری اداروں میں کام سے فارغ ہو کر گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ "نیولی" کا پل آیا تو کنڈکٹر نے اسے اتار دیا۔

سنان کچھ دیر تو ٹرام سٹیشن پر کھڑے ہو کر کیمپنگ کو جانے والی سڑک کا تعین کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر وہاں تو کئی سڑکیں تھیں۔ وہ سڑک پار کر کے چوک میں کھڑے نیلی وردی میں ملبوس فرانسیسی ٹریفک پولیس کے سپاہی کے پاس چلا گیا اور اس کو نقشہ دکھا کر کیمپنگ کو جانے والی سڑک کے بارے میں استفسار کیا۔ سپاہی نے جو اب تک منہ میں گھسیڑی ہوئی سیٹی لگاتار بجا رہا تھا۔ سیٹی جیب میں رکھی۔ اپنی ٹوپی درست کی اور نقشہ ہاتھ میں لے کر اسے بے حد غور سے دیکھنے لگا۔

"آہا کیمپنگ۔" سپاہی نے سنان کے کندھے پر دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

"بالکل کیمپنگ۔" سنان نے جواباً سپاہی کے کندھے پر دھپ لگاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

سپاہی فوراً سنجیدہ ہو گیا اور اسے راستے کے بارے میں بتانے لگا۔ گفتگو فرانسیسی زبان میں ہو رہی تھی اور سنان چونکہ کالج میں فرانسیسی کے پہلے پیریڈ کے بعد ہی "ٹیبل" جیسے سیدھے سادے لفظ کی ادائیگی "لا تابلو" وغیرہ نہ کر سکا تھا اس لیے یہاں بھی سپاہی نے جو کچھ کہا اس کے پلے نہ پڑا۔ اور وہ ہدایتیں سننے کی بجائے اس کے تیزی سے چلتے ہوئے ہاتھوں کے اشارے سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ خاصی دیر کی خوشگوار گپ شپ کے بعد یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ کیمپنگ نیولی کے پل کے ساتھ دریائے سین کے کنارے کنارے جاتی ہوئی سڑک کے آخر میں واقع ہے۔ فاصلے کا تعین پھر بھی نہ ہو سکا۔

سنان نے سپاہی کا شکریہ ادا کیا اور دریائے سین کے اونچے کنارے کے ساتھ بنے ہوئے چوڑے فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔

یہ "بوئے ڈی بولون" تھا جس کا شمار شہر کے خوبصورت ترین علاقوں میں ہوتا ہے۔ پیرس کی یہ مشہور زمانہ بستی دریائے سین کے خاموش پانیوں کے پہلو بہ پہلو میلوں تک چلی جاتی ہے۔ نیچے دریا کی جانب جھانکئے تو کنارے پر چھوٹے چھوٹے مکان نظر آتے ہیں جن کے خوبصورت باغیچے پانی کی سطح تک چلے گئے ہیں۔ ان مکانوں کے مالک پیرس کے امیر ترین افراد ہیں جو صرف تعطیلات کے دوران میں شہر کے ہنگاموں سے دور یہاں پر آ بستے ہیں۔ کئی جگہوں پر کنارے کے ساتھ گھاس کے ہرے بھرے قطعات تھے جن کے آگے رہائشی کشتیاں یعنی ہاؤس بوٹ تیر رہے تھے۔ سنان نے اپنے قدم تیز کر دیئے۔ وہ جلد از جلد کیمپنگ تک پہنچ جانا چاہتا تھا تاکہ اپنا خیمہ نصب کر کے فوراً آئفل ٹاور کی طرف چل دے جہاں پاسکل نے اسے سات بجے ملنا تھا۔

فٹ پاتھ کے پہلو میں ایک سفید آہنی پھاٹک نظر آیا تو سنان نیچے اترتی ہوئی پتھر کی سیڑھیوں کے آخر میں واقع ایک خوبصورت رہائشی مکان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے رک گیا۔ جونہی اس نے پھاٹک پر ہاتھ رکھا مکان کے صدر دروازے کے سامنے کھڑا ایک خونخوار کتا غرایا اور ایک ہی جست میں پھاٹک تک آ پہنچا۔ سنان فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ کتا پھاٹک کی آہنی سلاخوں میں اپنی تھوتھنی گھسیڑے سنان تک پہنچنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ سنان نے ایک جھرجھری سی لی اور آگے بڑھ گیا۔ چونکہ ان مکانوں کے مالک یہاں صرف عارضی طور پر رہائش پذیر ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنی غیر موجودگی میں چوکیدار کا کام ایسے کتوں کے سپرد کر جاتے ہیں۔

مکانوں اور ہاؤس بوٹوں کا سلسلہ ختم ہوا تو دریا کے کنارے ایک وسیع اور سرسبز سیرگاہ دکھائی دی جہاں شاہ بلوط اور بید کے درختوں کی چھاؤں میں چند بوڑھے مچھلی کے شکار میں مشغول تھے۔ ہر طرف مکمل سکون تھا۔ سنان نے سوچا کہ اگر ہو سکا تو

پیرس میں قیام کے دوران میں وہ ضرور کچھ وقت نکال کر اس پرسکون فضا میں چند لمحے گزارے گا۔

بائیں بازو پر پیرس کے متمول لوگوں کے سفید براق مکانوں کی قطاریں تھیں جو نازک فرانسیسی طرز تعمیر کے دل کش نمونے تھے۔ خوبصورت آہنی جنگلوں کی بالکونیاں خوشنما کنگرے اور شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیاں بے حد دیدہ زیب لگ رہی تھیں۔

پورے دو میل پیدل چلنے کے بعد جب سنان کیمپنگ گراؤنڈ کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا۔ کیمپنگ کیا تھی دریا کے کنارے پورا شہر آباد تھا۔ ایک وسیع سپر سٹور جہاں سوئی سے لے کر موٹر سائیکل تک دستیاب تھے۔ ریستوران، قہوہ خانے، باورچی خانے، کپڑے دھونے کے کمرے، صاف ستھرے غسل خانے اور پوری گراؤنڈ میں پھیلی ہوئی کشادہ سڑکیں جن کے ساتھ ساتھ مختلف سائزوں کے ہزاروں خیمے نصب تھے۔ کارواں بھی نظر آ رہے تھے جنہیں چلتا پھرتا گھر کہنا مناسب ہو گا۔ انہیں کار کے پیچھے باندھ کر سیاحت پر نکلئے جہاں رات ہوئی سڑک کے کنارے کھڑا کر کے گھر جیسا آرام پایئے۔ کیمپنگ کے درمیان میں لوہے کے ایک بلند ڈنڈے پر فرانس کا سہ رنگا پرچم لہرا رہا تھا۔ سنان دفتر میں اپنا نام پتہ وغیرہ درج کروانے کے لیے داخل ہوا تو وہاں بے شمار سیاح جمع تھے۔ سنان کی باری آئی تو اس نے منیجر سے اپنا خیمہ لگانے کے لیے جگہ کے بارے میں پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ہمارے پاس بالکل جگہ نہیں۔" منیجر نے رجسٹر پر سے نظریں اٹھائے بغیر ٹکا سا جواب دیا۔

"مجھے سٹیشن پر آپ کی کیمپنگ کا پتہ ——"

"ہاں ہاں۔" اس نے بات کاٹ کر کہا۔ "خواہ مخواہ بھیج دیتے ہیں۔"

"لیکن میرا خیمہ تو نہایت چھوٹا سا ہے۔ کسی کونے کھدرے میں فٹ ہو جائے گا۔" سنان نے گھبرا کر کہا۔

منیجر خاموشی سے رجسٹر پر جھکا خانہ پری میں مصروف رہا۔

"دیکھیے میں نے آج شام سات بجے ایک خاتون سے ملنا ہے۔ اگر میں رہائش کی تلاش میں واپس شہر گیا تو یقیناً دیر ہو جائے گی۔ چھ بجنے والے ہیں۔"

"ہا" منیجر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "خاتون کو ملنے جانا ہے ہوں! جانے ہماری موجودہ نسل کو کیا ہو گیا ہے لڑکیوں کے چکروں میں ہی پڑے رہتے ہیں!"

"لیکن یہ عام لڑکی تو نہیں ——" سنان نے کہا۔ "مجھے ہر صورت ——"

"میں نے کہہ دیا نا —— کوئی جگہ نہیں۔" منیجر نے رجسٹر سے سر اٹھا کر کہا۔

"موسیو! تم جیسے نوجوان کو پیرس جیسے شہر میں لڑکیوں کی کمی نہیں ہو گی۔ یہ نہیں اور سہی۔"

"پلیز۔" سنان نے آخری بار التجا کی۔

"دیکھو۔" منیجر نے خوشدلی سے کہا۔ "میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ تم گراؤنڈ کی چار دیواری کے باہر خیمہ لگا لو میں معترض نہیں ہوں گا۔ کل صبح شاید جگہ نکل آئے —— پھر تم اندر خیمہ نصب کر لینا۔"

سنان مایوس ہو کر دفتر سے باہر آ گیا۔ گراؤنڈ کے باہر خیمہ لگانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ وہ خیمہ لگا کر اپنا سارا سامان اس میں رکھ کر شہر جائے اور اس کی غیر حاضری میں کوئی فاقہ زدہ سیاح مزے سے سب کچھ سمیٹ کر چمپت ہو جائے! باہر نکلتے وقت منیجر نے اسے بتایا تھا کہ اگرچہ پیرس پر سیاحوں کی بے پناہ یلغار کی بنا پر تمام ہوٹل بھرے پڑے ہیں مگر شہر کے قدیم علاقے مومارت میں اگر تلاش کی جائے تو شاید کسی پرائیویٹ ہوٹل یا گھر میں جگہ مل جائے۔ عام حالات میں شاید وہ اتنا بد دل نہ ہوتا مگر اسے رہ رہ کر اس بات کا خیال آ رہا تھا کہ اسے کہیں آئفل ٹاور تک پہنچنے میں دیر نہ ہو جائے۔ بہرحال اس نے ہمت نہ ہاری اور ایک مرتبہ پھر اپنا سامان اٹھا کر واپس نیولی کے پل کی جانب چل دیا۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلنے پایا تھا کے ایک کار اس کے پہلو میں آ رکی۔ کار میں دو سیاح لڑکیاں اور ایک ہپی لڑکا سوار تھے۔

"تم اگر شہر جانا چاہتے ہو تو ہم بھی ادھر ہی جا رہے ہیں۔" ایک لڑکی نے شیشہ

سرکا کر سنان سے کہا۔ اسے یاد آیا کہ یہ تینوں سیاح بھی کیمپنگ کے دفتر میں جگہ کی تلاش میں آئے تھے اور اب وہاں سے مایوس واپس لوٹ رہے تھے۔

"بہت بہت شکریہ" سنان نے فوراً دعوت قبول کر لی اور پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

"تم شہر میں کس جگہ اترنا پسند کرو گے؟" ڈرائیور کی نشست پر بیٹھے لڑکے نے دریافت کیا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ مومارت کے علاقے میں شاید رہائش کا بندوبست ہو سکے"

"ٹھیک ہے۔" اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے سر ہلایا۔ "ہم اس کیمپنگ گراؤنڈ میں آنے سے پہلے دو اور کیمپنگ گراؤنڈز میں بھی ہو آئے ہیں۔ وہاں بھی جگہ نہ تھی پورا پیرس سیاحوں سے بھرا پڑا ہے۔ ہم تینوں نے تو فیصلہ کیا ہے کہ پیرس کی بجائے نزدیکی شہر وارسیلز میں رات بسر کر لیں۔"

"تم اگر چاہو تو ہمارے ساتھ چل سکتے ہو۔" اگلی نشست پر بیٹھی لڑکی نے مڑ کر کہا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ "مومارت کا علاقہ قدرے خطرناک ہے۔"

پہلے تو سنان کا جی چاہا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کے ساتھ وارسیلز ہی چلا جائے مگر ساتھ ہی اسے پاسکل کے کہے ہوئے الفاظ یاد آ گئے۔ "لوگ پہلے پہل میرے حسین چہرے کو دیکھ کر مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر بیٹھتے ہیں اور بعد میں جب۔۔۔"

"شکریہ۔۔۔ لیکن مجھے پیرس میں از حد ضروری کام ہیں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" لڑکی نے کندھے سکیڑ کر کہا اور پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

انہوں نے اسے مومارت کا علاقہ شروع ہوتے ہی ایک چوک میں اتار دیا۔ پیرس کا یہ حصہ تنگ و تاریک گلیوں اور قدیم مکانوں پر مشتمل تھا۔ جگہ جگہ غلاظت کے ڈھیر پڑے تھے۔ تمام گلیاں پتھر کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے بنی تھیں اور اکثر مکان بے

حد شکستہ حالت میں تھے۔ سنان کافی دیر ان گلیوں میں گھومتا رہا مگر اسے کہیں بھی کسی ہوٹل کا بورڈ نظر نہ آیا۔ ایک چھوٹے سے قہوہ خانہ کے باہر فٹ پاتھ پر لگی ہوئی کرسیوں پر چند بوڑھے فرانسیسی اور غیر ملکی مصور سرخ شراب پینے میں مشغول تھے۔ قہوہ خانے کا نام "پگال" تھا۔ سنان اندر چلا گیا۔ قہوہ خانے کا مالک ایک سفید جھاڑن سے کاؤنٹر کی سطح صاف کر رہا تھا۔ سنان نے اپنا سامان ایک کونے میں رکھا اور کاؤنٹر کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ کر اسے کافی بنانے کے لیے کہا۔ مالک نے کافی مشین کا ہینڈل گھمایا اور گرم گرم کافی کی پیالی سنان کے آگے رکھ دی۔ سنان نے پیالی اٹھائی پھونک مار کر کافی کی اوپر آئی ہوئی گاڑھی جھاگ ایک طرف کی اور پھر کافی کی ایک چسکی لگا کر پیالی کاؤنٹر پر رکھ دی۔

"موسیو۔" سنان نے اشاروں سے اپنا مدعا بیان کرنے کی کوشش کی۔ "ہوٹل سونے کے لیے؟"

مالک نے جھاڑن کندھے پر رکھا اور ہاتھ پھیلا کر کہنے لگا۔ "نو انگلیس" یعنی مجھے انگریزی نہیں آتی جانے کیا کہہ رہے ہو۔

"نو ان گلیس" سنان نے چڑ کر اس کی نقل اتاری اور پھر چپکے سے کافی پینے لگا۔

اب کیا کیا جائے؟ اس نے سوچا۔ یہی ہو سکتا ہے کہ اگر رہائش کے لیے کوئی جگہ نہ ملے تو وہ سامان سمیت ہی پاسکل سے ملنے چلا جائے اور پھر رات سین کے کسی خوبصورت پل تلے بسر کر کے دوسری صبح پھر تلاش شروع کی جائے۔ وہ انہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ اس کے کندھے پر کسی نے آہستہ سے ہاتھ رکھ دیا۔

"ہیلو!" ایک لرزتی ہوئی آواز آئی۔

وہ پیچھے مڑا تو اس کے سامنے سیاہ لباس میں ملبوس ایک ضعیف عورت کھڑی تھی۔

"ہوتل موسیو؟" بڑھیا نے اپنا گنجا سر ہلا کر دریافت کیا۔

وہ شاید کہیں آس پاس ہی بیٹھی اس کی گفتگو سن رہی تھی۔ بڑھیا کے ہاتھ میں

ایک آہنی پنجرہ لٹک رہا تھا جس میں بند ایک گنجا سا بدصورت طوطا سنان سے نظر ملاتے ہی ٹیں ٹیں کرنے لگا۔ بڑھیا نے پنجرہ فرش پر رکھا اور اسے کھول کر طوطے کے گنجے سر پر ایک چپت لگائی۔ طوطا فوراً خاموش ہو گیا اس کام سے فارغ ہو کر بڑھیا پھر سنان سے مخاطب ہوئی۔

"ہوتل موسیو؟"

"ہاں بالکل ہوتل بڑی اماں۔" سنان نے خوش ہو کر کہا اور پھر طوطے کی طرف دیکھ کر آنکھیں جھپکائیں۔ طوطا پھر ٹیں ٹیں کرنے لگا۔ بڑھیا نے قہر آلود نظروں سے سنان کی جانب دیکھا اور ایک مرتبہ پھر چپت لگانے کا فریضہ سرانجام دیا۔ اس نے پنجرہ اٹھا کر سنان کو سر کے اشارے سے پیچھے آنے کو کہا اور قہوہ خانے سے باہر نکل گئی۔ سنان نے جلدی سے کافی کی قیمت ادا کی اور اپنا سامان اٹھا کر بڑھیا کے پیچھے چل دیا۔

بڑھیا بے حد آہستہ آہستہ ہاتھ میں پنجرہ لٹکائے اس کے آگے آگے چلی جا رہی تھی۔ ایک دکان کے باہر اس نے سنان کو وہیں کھڑے رہنے کا اشارہ کیا۔ اندر جا کر ڈبل روٹی اور مکھن وغیرہ خریدا اور باہر آ کر پھر اسی سست رفتاری سے سنان کے آگے آگے چلنے لگی۔ سنان کو اب بے حد کوفت ہو رہی تھی کہ یہ سفید بالوں والی مائی جانے اسے کسی ہوٹل کی طرف لے جا رہی ہے یا یوں ہی پیرس کے گلی کوچوں کی سیر کروا رہی ہے۔

"بڑی اماں ہوٹل ہے بھی یا نہیں۔" تنگ آ کر سنان نے بڑھیا سے پوچھا۔

"ہوتل۔ ہوتل۔" بڑھیا نے اپنا بگلا سر پھر ہلایا اور اسی سست روی سے آگے چلنے لگی۔ ایک دو مرتبہ سنان نے جان بوجھ کر طوطے کو اپنی بڑی بڑی آنکھیں دکھائیں اور وہ حسب معمول ٹیں ٹیں پر اتر آیا۔ بڑھیا نے بڑے اطمینان سے اپنی پرانی ترکیب آزمائی اور طوطا پھر خاموش ہو گیا۔

ایک جگہ پتھر کی کئی سیڑھیاں اتر کر وہ ایک تنگ گلی میں مڑ گئے۔ بڑھیا ایک نہایت بوسیدہ مکان کے سامنے جا کر رک گئی جو کسی صورت بھی ہوٹل معلوم نہ ہوتا

تھا۔ جگہ جگہ پلاسٹر اکھڑا ہوا تھا اور دیواروں کا رنگ ماند پڑ چکا تھا۔

"ہوتل۔" بڑھیا نے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی اپنا پوپلا منہ کھول کر مسکرا دی۔

بڑھیا نے آگے بڑھ کر مکان کا دروازہ کھولا تو اس کے ساتھ بندھی ہوئی گھنٹی دو مرتبہ ٹن ٹن بجی۔ سنان نے اپنا سامان فرش پر رکھ دیا اور مکان کا جائزہ لیا۔ یہ ایک نہایت ہی پرانی وضع کی عمارت تھی۔ اندر آنے والے دروازے کے سامنے سے ہی اوپر والی منزل تک لکڑی کی سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ فرش پر ایک پھٹا ہوا غالیچہ پڑا تھا جس پر نقش تمام پھولوں کا رنگ اب زرد پڑ چکا تھا۔ پورا مکان بالکل غیر آباد لگتا تھا۔ یکدم دائیں ہاتھ کے کمرے کا دروازہ کھلا اور درمیانی عمر کی ایک خوش شکل عورت کمر کے گرد ایپرن باندھے باہر نکلی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے لیکن ہونٹوں پر جمی لپ سٹک بالکل تازہ تھی۔ اس نے بڑھیا سے فرانسیسی زبان میں کچھ کہا اور پھر اس نے سنان کی جانب دیکھا۔

"ہوتل۔" بڑھیا نے اس عورت سے سرہلا کر کہا اور پھر سنان کی طرف اشارہ کیا۔

"آہا۔ ہوتیل۔" عورت نے مسکرا کر اپنا میلا کچیلا ہاتھ سنان کے آگے کر دیا۔ سنان نے ہاتھ چھو کر چھوڑ دیا۔ بے حد گرم تھا۔ شاید باورچی خانے میں کام کر رہی تھی۔

"کیا آپ انگریزی بول سکتی ہیں؟"

"تھوڑی تھوڑی" عورت نے ہنس کر جواب دیا۔

"تو پھر مجھے رہائش کے لیے ایک کمرہ چاہیے۔ ابھی۔۔۔"

عورت نے بڑھیا کے کان میں کچھ کھسر پھسر کی اور پھر بڑی دل نواز مسکراہٹ کے ساتھ سنان کی طرف دیکھا۔

"بیس فرانک ہوں گے۔"

"بیس فرانک؟ بہت زیادہ ہیں۔" سنان نے یونہی کہہ دیا حالانکہ وہ آج کی شب گزارنے کے لیے اس سے دگنی رقم بھی ادا کرنے کو تیار تھا۔

"بیس فرانک ایک ہفتے کے لیے زیادہ ہیں؟" عورت نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک ہفتے کے لیے؟" سنان نے خوش ہو کر کہا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کرایہ ایک دن کا تھا۔"بہت خوب۔ ہیں تو زیادہ بہرحال مجھے کرایہ منظور ہے" اس نے اپنا سامان اٹھا لیا۔

"کون سا کمرہ؟"

"دس فرانک پیشگی۔" عورت نے کاروباری انداز میں کہا اور دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ کر سنان کو تکنے لگی۔ اس نے فوراً مطلوبہ رقم ادا کر دی۔

بڑھیا نے جو اس عورت کی ماں تھی طوطے کا پنجرہ ہال کے ایک کونے میں رکھا اور ایک بڑا سا برش اٹھا کر سیڑھیاں صاف کرنے لگی۔

عورت نے دس فرانک اپنے بلاؤز میں اڑس لیے اور سنان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ سیڑھیوں پر گرد کی تہیں جمی تھیں اور ویسے بھی مخدوش حالت میں تھیں۔ سنان نہایت احتیاط سے قدم رکھتا اس کے پیچھے ہو لیا۔ تیسری منزل پر عورت ایک کالے رنگ کے بڑے دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔

"کم بخت اندر ہی ہے۔ جان بوجھ کر جواب نہیں دے رہا۔" عورت نے مڑ کر سنان کو کہا۔ سنان اس معمے کو حل نہ کر سکا کہ اندر کون کم بخت ہے اور کیوں جواب نہیں دے رہا۔

تھوڑی دیر بعد عورت نے دروازہ خوب زور زور سے پیٹا۔ خاصی دیر بعد دروازہ ذرا سا کھلا اور اس کے پیچھے ایک آنکھ دکھائی دی۔ عورت نے ایک دم کواڑ کو دھکیل کر پورا دروازہ کھول دیا۔ ان کے سامنے صرف ایک نیکر میں ملبوس ایک لمبا تڑنگا حیرت زدہ نوجوان کھڑا تھا۔ اس کی لمبی داڑھی اس کے چوڑے سینے پر جنگلی گھاس کی

طرح بکھری پڑی تھی۔ تنگ کمرے میں تصویر کشی کے تمام لوازمات بکھرے پڑے تھے۔ رنگوں کے ڈبے، خالی کینوس، برش، مٹی کے تیل کی بوتلیں وغیرہ۔

"پال ابھی اور اسی وقت میرا کمرہ خالی کر دو۔ نیا کرایہ دار آگیا ہے۔"

"لیکن میڈم ژی ابھی تک میری بیوی لوئیس قہوہ خانے میں کام ختم کر کے واپس بھی نہیں لوٹی۔"

"تمہاری بیوی؟" میڈم ژی نے مصنوعی حیرت سے منہ پر ہتھیلی رکھتے ہوئے کہا اور پھر سنان سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ "ہر مہینے بدلتا ہے۔ بیوی وغیرہ کوئی نہیں۔ داشتہ ہے۔"

"میں معاشرے کے گھسے پٹے اقدار پر یقین نہیں رکھتا۔ لوئیس اور میں ذہنی طور پر ایک دوسرے کے اتنے قریب ہیں کہ جسمانی قربت بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔" نیکر میں ملبوس مصور پال نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"اور شاید انہی گھسے پٹے اقدار پر بے یقینی کی وجہ سے تم نے پچھلے تین ماہ سے کمرے کا کرایہ ادا نہیں کیا۔۔۔ ہوں؟" میڈم ژی گرجی۔

"لوئیس کو اس ہفتے تنخواہ ملے گی تو ضرور ادا کر دوں گا۔" پال نے وہیں کھڑے کھڑے التجا کی۔

"ضرور ادا کر دوں گا۔۔۔" میڈم ژی نے منہ بگاڑ کر اس کی نقل اتاری اور دوبارہ سنان سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ "عورت کی کمائی کھاتا ہے کم بخت" اور پھر ایک دم چیخی "ابھی۔۔۔ اور اسی وقت۔۔۔ کمرہ خالی کر دو ورنہ میں پولیس کو اطلاع کر دوں گی۔"

سنان اس ناخوشگوار صورت حال کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر میڈم ژی سے کہا۔

"مہربانی کر کے آپ اس مصور کو کمرے سے باہر نکالنے کی زحمت گوارا نہ کریں میں رہائش کے لیے کوئی اور جگہ ڈھونڈ لیتا ہوں۔"

"تم نے جو دس فرانک پیشگی ادا کیے ہیں۔ وہ واپس نہیں دوں گی۔"

سنان نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور بغیر کچھ کہے سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگا۔

"اے مسٹر!"

سنان نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مصور بمعہ اپنی اکلوتی نیکر اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

"آپ خواہ مخواہ اپنے دس فرانک ضائع نہ کریں۔ میں ہی چلا جاتا ہوں۔ یہ شائیلاک کی بچی ویسے بھی مجھے باہر نکالنے پر تلی ہوئی ہے۔"

سنان کچھ دیر خاموش کھڑا سوچتا رہا۔

"لیکن تم آج شب جاؤ گے کہاں؟"

"اپنی پچھلی بیوی —— آہم میرا مطلب ہے دوست لڑکی کے ہاں جا کر سو رہوں گا۔"

"اور جو محترمہ قہوہ خانے میں کام کر کے واپس نہیں لوٹیں ان کا کیا ہو گا؟"

"اس کو تم رکھ لینا۔"

"رکھ —— آہم ——" سنان کا سانس وہیں رک گیا۔ "لیکن ——"

"ہاں ہاں کیا قباحت ہے۔ لوئیس نہایت خوش شکل لڑکی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ——"

"مگر کیا؟"

"میں تو —— شادی شدہ ہوں۔" سنان نے جان چھڑانے کی غرض سے یونہی کہہ دیا۔

"اس سے بھی فرق نہیں پڑتا۔ سنا ہے ادھر مشرق میں عام آدمیوں کے ہاں بھی درجن بھر تو ضرور ہوتی ہیں۔"

"کیا ہوتی ہیں درجن بھر؟" سنان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بیویاں اور کیا۔" پال نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

سنان ہنسنے لگا۔ "نہیں دوست ایسا میرے لیے کم از کم ناممکن ہے۔ بہرحال پیش کش کا شکریہ۔"

"خیر ——" مصور نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی اپنا سامان اٹھا لیتا ہوں اور لوئیس کو جا کر اطلاع کر دوں گا کہ آج کے بعد چھٹی ——"

میڈم ژی اس دوران میں کمرے کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ان دونوں کی گفتگو بڑی دلچسپی سے سنتی رہی۔

سنان اور پال دونوں اوپر کمرے میں آ گئے اور مصور نے اپنا مختصر اثاثہ ایک بوری میں بند کر کے کندھے پر اٹھا لیا۔

"اچھا دوست اب پھر ملاقات ہو گی۔" اس نے مسکرا کر سنان سے کہا۔

"کہاں؟" سنان نے دریافت کیا۔ وہ اس مصور کی انفرادیت پسندی سے بے حد متاثر ہوا تھا۔

"یہیں مومارت کے کسی قہوہ خانے میں۔" یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ صرف نیکر میں ملبوس کندھے پر بوری اٹھائے ہوئے یہ باریش مصور اسے بے حد اچھا لگا۔

"ارے او پال کے بچے۔" میڈم ژی نے سیڑھی کا ڈنڈا پکڑ کر زور سے اسے آواز دی۔ "اور وہ تین ماہ کا کرایہ ——"

پال نے ہال میں جا کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر آنکھ میچ کر مسکرا دیا۔

"بدمعاش کہیں کا۔" میڈم ژی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کمرے کے کونے میں ایک پرانا آہنی پلنگ پڑا تھا۔ پھٹے ہوئے گدے میں سے لٹکتے ہوئے متعدد سپرنگ اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ پلنگ یا تو اپنی لمبی عمر پوری کر چکا ہے اور یا پھر اس کے ساتھ کچھ زیادتیاں ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک کھٹارا قسم کی الماری تھی جس کا ایک کواڑ غائب تھا اور اندر بیئر اور وائن کی خالی بوتلیں اوندھی پڑی تھیں۔ کمرے میں پانی کا نل اور ایک ٹوٹا ہوا منہ ہاتھ دھونے کا چینی کا بنا ہوا برتن

بھی تھا۔ سنان نے نل کی ٹونٹی گھمائی تو سوائے شوں شوں کی آواز کے اور کچھ برآمد نہ ہوا۔

"یہ پال کا بچہ غسل خانے میں جانے کی بجائے یہیں کمرے میں نہا لیا کرتا تھا اس لیے میں نے نیچے سے پانی ہی بند کر دیا تھا۔ ابھی کھولے دیتی ہوں"

میڈم ژی نے معذرت بھرے لہجے میں کہا۔

کمرے کی ایک ہی کھڑکی تھی جو گلی جانب کھلتی تھی۔ گلی کے اس پار مومارت کا قدیم علاقہ نہایت دل کش لگ رہا تھا۔ پرانی طرز کے تنگ مکان جن کی بالکونیوں پر مکینوں نے پھولوں کے گملے سجا رکھے تھے۔ ان سب سے پرے سیکرے کر کے مشہور کلیسا کے خوبصورت مشرقی طرز کے گنبد ڈوبتے سورج کی ہلکی شعاعوں میں چمک رہے تھے۔

سنان کھڑکی سے مڑا تو میڈم ژی ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔

"بڑا اچھا کمرہ ہے۔" سنان چلتا ہوا دروازے تک آگیا۔ وہ چاہتا تھا کہ میڈم ژی اب یہاں سے چلی جائے تاکہ وہ جلدی سے تیار ہو کر پاسکل کو ملنے چلا جائے۔

"بہت بہت شکریہ"

میڈم نے ایک اچٹتی سی نگاہ سنان پر ڈالی اور پھر مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اور ہاں" اس نے سیڑھیوں کے پاس جا کر کہا۔ "رکھ لیتے۔ لڑکی بری نہیں۔"

"کون سی لڑکی؟" سنان نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"وہی لوئیس ——— پال کی داشتہ ———"

سنان نے جواب دینا مناسب نہ جانا اور ہنس کر دروازہ بند کر لیا۔

اس نے گھڑی پر وقت دیکھا تو سات بجنے کو تھے اور اسے یہ بھی علم نہ تھا کہ شہر کے اس حصے سے آئفل ٹاور تک کا فاصلہ کتنا ہے اور وہاں پہنچنے کے لیے کتنا وقت درکار ہے۔ بہرحال منہ ہاتھ دھونے کا تردد کیے بغیر اس نے جلدی سے کپڑے بدلے

اور اپنا کمرہ مقفل کر کے سیڑھیوں پر آگیا۔

"ہیلو۔"

سنان ٹھٹک گیا۔

اس کے ساتھ والے کمرے کے دروازے کا کواڑ ذرا سا کھلا تھا اور ایک کالے بالوں اور کالی آنکھوں والی خوبصورت لڑکی بیچ میں سے جھانک رہی تھی۔

"ہیلو۔" سنان نے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ لا کر جواب دیا اور جلدی سے نیچے اتر گیا۔ جانے کون تھی۔

نیچے ہال میں آیا تو میڈم ژی کونے میں رکھے ایک پرانے صوفے پر بیٹھی سگرٹ کے کش لگا رہی تھی۔ اس کے سامنے تپائی پر ایک بوتل اور سرخ شراب سے بھرا ہوا گلاس دھرا تھا۔ یہ شاید سنان کے پیشگی کرائے کا کرشمہ تھا۔

"میڈم ژی! کیا آپ مجھے بتا سکیں گی کہ آئفل ٹاور جانے کے لیے کون سا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے؟"

"تمہیں نہ بتاؤں گی تو اور کس کو بتاؤں گی۔" میڈم ژی نے جس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے ایک دلنواز مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا کر کہا۔

سنان اس وقت اس قسم کی بے مقصد باتیں سننے کے موڈ میں نہ تھا۔ وہ باہر نکلنے لگا تو میڈم ژی ہنسنے لگی۔

"گھبرا گئے؟ دائیں ہاتھ پر چوک، میں "میٹرو" یعنی زیر زمین ریلوے کا سٹیشن ہے۔ وہاں سے آئفل ٹاور کے لیے گاڑی مل جائے گی۔"

؟شکریہ" سنان نے قدرے جھک کر کہا۔ "اور ہاں" اسے ایک دم خیال آگیا۔ "میرے ساتھ والے کمرے میں کون رہتا ہے؟"

"چلو اسے ہی رکھ لو۔" میڈم ژی نے لہرا کر کہا۔

"کسے؟" سنان نے جھلا کر پوچھا۔

"اسی فرانکو الجیرین لڑکی کو جو تمہارے ساتھ والے کمرے میں رہتی ہے۔"

سنان بڑبڑاتا ہوا مکان سے باہر آگیا۔
واقعی موہارت بے حد "خطرناک" علاقہ تھا۔

ooo

سنان میڈم ژی کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہوا چوک تک آگیا۔ "میٹرو" کے بورڈ کے پہلو میں اترتی ہوئی سیڑھیاں طے کر کے وہ ایک طویل زمنی راستے کے دروازے پر آگیا جس کے آخر میں سٹیشن کا پلیٹ فارم تھا۔ سنان تیزی سے چلتا ہوا جب اس زمنی راستے کے آخیر میں داخلے کے دروازے پر پہنچا تو وہاں کھڑے چیکر نے اس سے ٹکٹ طلب کیا۔۔۔

"ٹکٹ پلیٹ فارم پر نہیں ملتے کیا؟" سنان نے پریشان ہو کر چیکر سے پوچھا۔

"نہیں" چیکر جو دوسرے مسافروں کے ٹکٹ دیکھنے میں بہت مصروف تھا جلدی سے کہنے لگا "اس زمنی راستے کے شروع میں جہاں سے تم آئے ہو ٹکٹ کی خودکار مشینیں نصب ہیں۔"

سنان نے پیچھے مڑ کر فرلانگ بھر لمبے راستے کو ایک نظر دیکھا اور پھر چیکر سے کہنے لگا۔

"آپ ٹکٹ کی رقم مجھ سے یہیں سے لیں اور کسی طرح ایک ٹکٹ عنایت کر دیجئے مجھے کہیں جلدی میں پہنچنا ہے۔"

"ان سب لوگوں نے بھی کہیں نہ کہیں جلدی میں پہنچنا ہے۔ ٹکٹ صرف راستے کے شروع میں نصب شدہ مشینوں پر ہی مل سکتے ہیں۔" چیکر نے رکھائی سے کہا اور دوسرے مسافروں کے ٹکٹ دیکھنے لگا۔

سنان اس چیکر اور فرانسیسی ریلوے سسٹم کو کوستا اور بھاگتا ہوا واپس پہنچا مشین میں سکہ ڈال کر ٹکٹ حاصل کیا اور پھر ہانپتا ہوا' واپس آیا۔ اس بھاگ دوڑ میں پندرہ

منٹ ضائع ہو گئے۔ اسی وقت پلیٹ فارم پر ایک گاڑی داخل ہوئی تو سنان اس میں فوراً سوار ہو گیا۔ گاڑی حرکت میں آئی تو ساتھ والے مسافر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ گاڑی آئفل ٹاور کے بالکل مخالف سمت میں جا رہی ہے۔ سنان بے چینی اور لاچارگی کے عالم میں اپنے ہونٹ کاٹتا اگلے سٹیشن پر اتر گیا۔ عجلت کی وجہ سے وہ بوکھلا سا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون سے پلیٹ فارم پر جائے اور کس گاڑی پر سوار ہو۔ زبان کی ناواقفیت کی بنا پر وہ کسی سے اپنا مدعا بھی بیان نہ کر سکتا تھا۔ بالآخر ڈیوٹی سے فارغ ایک کنڈکٹر نے اس کی مشکل حل کی۔ اور درست سمت جاتی ہوئی ایک گاڑی پر سوار کر دیا۔ کنڈکٹر کی ہدایت کے مطابق اس نے کنکورو کے سٹیشن سے گاڑی بدلی اور پھر آئفل ٹاور کے سٹیشن پر اتر گیا۔

سنان سٹیشن سے باہر آیا تو آٹھ بج رہے تھے۔ دریائے سین کے کنارے مشہور زمانہ آئفل ٹاور ایک جناتی پرندے کی مانند زمین میں اپنے آہنی پنجے گاڑھے آسمان کی وسعتوں کو چھو رہا تھا۔ ٹاور کے خول کے نیچے سیاحوں کے ٹھٹھ لگے تھے۔ فوٹوگرافر' آئس کریم بیچنے والے' تصویری پوسٹ کارڈوں اور سوونیئر کے کھوکھے قہوہ خانے غرض کہ خوب رونق تھی۔

سنان کو یہ دیکھ کر بیحد حیرت ہوئی کہ آئفل ٹاور جو دور سے ایک عام مینار نظر آتا تھا حجم میں اتنا بڑا تھا کہ اس کے چار پایوں تلے ہزاروں افراد بخوبی سما سکتے تھے اور ان میں ایک دھان پان سی لڑکی کی تلاش خاصا دشوار امر تھا۔ سنان سیاحوں کے ہجوم کو چیرتا ہوا ہر ایک کو یاس و امید کی نظروں سے دیکھتا اور پھر آگے بڑھ جاتا۔ پاسکل وہاں نہیں تھی۔ اسے اس بات کا مکمل یقین تھا کہ وہ ضرور پورے سات بجے وہاں پہنچی ہو گی۔ اور اسے وہاں نہ پا کر مایوس لوٹ گئی ہو گی۔ وہ ضرور یہی سمجھتی ہو گی کہ سنان کی دلچسپی بھی اور لوگوں کی طرح وقتی طور پر تھی اور بعد میں صورت حال کا احساس کرتے ہوئے اس نے اسے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اس خیال نے اسے بیحد غمگین کر دیا۔ اسے اب پیرس اور اس کی پرفسوں شام سے بالکل دلچسپی نہ رہی تھی۔

وہ ٹاور کے سامنے والے پل پر کھڑا رہا۔ اس موہوم امید میں کہ شاید پاسکل کو ہی وہاں پہنچنے میں تاخیر ہو گئی ہو مگر رات گئے تک پاسکل نہ آئی۔ وہ یقیناً سات بجے ہی آئی ہو گی سنان نے اداس ہو کر سوچا بلکہ پونے سات بجے جیسا کہ اس نے ہنس کر وعدہ کیا تھا۔

بارہ بجے کے قریب جب آئفل ٹاور اور اس کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے وسیع باغ سیاحوں سے خالی ہونا شروع ہو گئے اور دریائے سین کے کنارے اکا دکا جوڑوں کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا تو وہ بوجھل قدموں سے چلتا ہوا واپس سٹیشن پر آگیا اور وہاں سے گاڑی پر سوار ہو کر مومارت میں اپنے مکان پر آ گیا۔

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے کپڑے اتارے۔ سامان میں سے اپنی سفری رضائی نکال کر پلنگ پر بچھائی اور اس میں گھس کر چپکے سے لیٹ گیا۔ نیند اس سے کوسوں دور تھی' پہلے اس نے سوچا کہ کیوں نہ کل صبح ہی پہلی گاڑی سے ہسپانیہ روانہ ہو جائے اگرچہ وہ پیرس میں پہلی مرتبہ آیا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ جتنے روز بھی یہاں رہے گا پاسکل کی یاد اس کے ذہن پر سوار رہے گی اور وہ پیرس جیسے حسین شہر میں بھی خوش نہ رہ سکے گا۔ پھر ایک موہوم سی امید نے جنم لیا' ہو سکتا ہے کہ اس شہر کے گلی کوچوں میں کسی روز پاسکل اسے راہ چلتے ہی مل جائے۔ وہ کہتی تھی کہ میں ہر شام دریائے سین کے کنارے اکیلی گھومنے جاتی ہوں' اس نے فیصلہ کیا کہ وہ چند روز کے لیے پیرس میں ضرور ٹھہرے گا اور ہر شام دریائے سین کے کنارے پاسکل کو تلاش کرے گا' وہ انہی خیالوں میں غلطاں تھا کہ اسے نیند نے آ لیا۔

رات کے پچھلے پہر ساتھ والے کمرے سے ایک دم تیز موسیقی کی بھرپور آواز آئی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ موسیقی کے ساتھ کسی مرد کے قہقہوں کی آواز بھی آ رہی تھی۔ جانے یہ لڑکی اب تک سوئی کیوں نہیں؟ سنان نے سوچا۔ اس نے رضائی سے سر نکال کر باہر دیکھا تو اس کا چھوٹا سا کمرہ چاندنی میں نہایا ہوا تھا۔ وہ پچھلی شب سونے سے قبل کھڑکی بند کرنا بھول گیا تھا۔ اس نے سفری رضائی اپنے گرد اچھی طرح

لپیٹ لی اور پلنگ سے اٹھ کر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا۔ اس کے سامنے پیرس کا حسین ش چاندنی میں نہایا ہوا تھا' مومارت کے قدیم مگر خوش نظر مکان اور ان سے پرے بکھر کر کے سفید گنبد بھی چاندنی میں چمک رہے تھے۔ ہر سو ایک سحرانگیز سکوت طاری تھ جس میں صرف ساتھ والے کمرے سے بجنے والی تیز موسیقی مخل ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد تیز موسیقی ختم ہو گئی' ایک لمحہ کے لیے سکوت مکمل ہو گیا اور پھر آہستہ سے ستار کی اداس اور درد بھری تانیں فضا میں گونجنے لگیں۔

یورپ میں آج کل جہاں مشرقی عادات و اطوار کو اپنایا جا رہا ہے وہاں مشرقی موسیقی بالخصوص ستار بھی بیحد مقبول ہو رہی ہے۔ موسیقی کے رسیا لڑکے اور لڑکیوں کے پاس مشرقی موسیقی کے ریکارڈ ضرور ہوتے ہیں۔ اگرچہ ساتھ والے کمرے میں بجنے والا ریکارڈ کسی منجھے ہوئے موسیقار کا نہ تھا تاہم وطن سے دور پیرس جیسے شہر میں اس چاندنی رات میں ستار کی دلاویز دھنوں نے سنان پر رقت طاری کر دی۔ تمام شب اس کے دل کے عمیق کونوں میں جو اداسی کروٹیں بدل رہی تھی۔ ستار کی دلنشیں سروں نے اسے اور بھی گہرا کر دیا۔ دل میں ایک دریچہ کھلا اور ایک من موہنی صورت نے جھانکا ـــــ اور پھر اس سے پرے دریچے کھلتے گئے اور ہر ایک میں سے پاسکل جھانکنے لگی اس کی نیلی آنکھوں میں گھمبیر اداسی تھی اور وہ سنان سے مخاطب تھی۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ تم نہیں آؤ گے۔ تم سے پہلے بھی اور لوگوں نے مجھ سے جھوٹے وعدے کیے۔ میں نے کہا تھا نا میں ہمیشہ صرف رحم اور ہمدردی کے جذبات کی بھکاری بن جاتی ہوں۔ مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں میرا کشکول ان سے بھر چکا ہے مجھے محبت کی تلاش تھی جو مجھے کبھی نہ مل سکی۔ میں آج بھی دریائے سین کے کنارے اکیلی گھومتی رہی ـــــ اکیلی ـــــ اکیلی"

○○○

پیرس کا شمار یورپ کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ ازمنہ قدیم میں جب یہ علاقہ چند دلدلوں اور جزیروں پر مشتمل تھا سیلٹ نسل کے لوگ یہاں آباد ہوئے۔ پیرس کا اولین حوالہ جولیس سیزر کی ایک کتاب میں ملتا ہے وہ لکھتا ہے کہ یہاں پر پارسی نامی قبیلہ آباد تھا جس کے نام پر بعد میں اس نو آباد قصبے کو پیرس کہا جانے لگا۔ وحشی ہنوں کا سردار اٹیلا ۳۰۷ء میں اس شہر پر حملہ آور ہوا۔ اس کے بعد شارلیمان کا دور آیا جو خلیفہ ہارون الرشید کا ہم عصر تھا اور جو اندلس فتح کرنے کے شوق میں کوہ پیرانیز کے اس پار جا کر مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی فوج کی گت بنوا کر ٹھنڈا ٹھنڈا واپس آ گیا۔ اس کے بعد کی تاریخ گڈمڈ ہو جاتی ہے۔ لوئی اور فلپ نام کے درجنوں بادشاہ آئے جن کا سیریل نمبر ہمیشہ ذہن سے اتر جاتا ہے آخر میں عظیم نپولین کا درود ہوا۔ اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

سنان دوسری صبح دیر تک سوتا رہا۔ اس کے ذہن میں آج کے لیے کوئی واضح پروگرام موجود نہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تمام دن اس تاریخی شہر کے گلی کوچوں میں بے مقصد گھومتے ہوئے گزار دے اور شام کو دریائے سین کے کنارے پاسکل کی تلاش کرے۔

پانی کے نل میں آج پانی بھی موجود تھا۔ میڈم ژی نے حسب وعدہ نیچے سے پانی کی منقطع سپلائی بحال کر دی تھی۔ شیو بنانے اور کپڑے بدلنے سے فارغ ہو کر سنان نے کیمرہ کندھے پر لٹکایا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے ساتھ والے دروازے کے پاس رکا ـــــ اندر بالکل خاموشی تھی ـــــ اور پھر سیڑھیوں سے نیچے اتر

گیا- ہال میں میڈم ژی یا اس کی بوڑھی ماں میں سے کوئی بھی موجود نہ تھا البتہ وہ گنجا طوطا مزے سے پنجرے میں بیٹھا آنکھیں جھپکا رہا تھا اور حسب سابق سنان کو دیکھتے ہی ٹیں ٹیں کرنے لگا- سنان نے چوروں کی طرح ادھر ادھر دیکھا اور پھر چپکے سے پنجرے کا دروازہ کھول کر طوطے کے گنجے سر پر ایک دھپ لگا دی طوطے نے ایک لمبی ٹیں کی اور پھر خاموش ہو گیا- سنان اپنے اس کارنامے پر بیحد مسرور ہوا اور ہاتھ ملتا ہوا مکان سے باہر نکل آیا-

وہ خاصی دیر یونہی بے مقصد گھومتا رہا- ایک گلی میں اس کی نظر اس قہوہ خانہ پر پڑی جہاں اس کی ملاقات طوطے والی بڑی اماں کے ساتھ ہوئی تھی-

"آج شام یہاں آ کر کافی پی جائے گی" سنان نے اپنے آپ سے کہا اور آگے بڑھ گیا پاسکل سے نہ ملنے کا غم پیرس کی حسین اور چمکتی ہوئی صبح نے قدرے ماند کر دیا تھا اور وہ ایک تجربہ کار سیاح کی مانند ہر شے' ہر عمارت اور شہر کے مکینوں کو بہ نظر غور دیکھتا چلا جا رہا تھا- "شہر کا یہ حصہ خاصا پسماندہ دکھائی دیتا ہے اکثر بالکونیوں کی حالت مخدوش ہے- چند مکان گرنے کو ہیں- گلیاں کھردرے پتھر کی ہیں (جانے وہ صوبیدار دلنواز نے شیشے کی سڑکیں کہاں دیکھی تھیں؟) لوگ انگریزوں کی نسبت قدرے فربہ' چھوٹے قد کے اور سیاہ بالوں والے ہیں' اتنے صاف ستھرے بھی نہیں البتہ انگریزوں کے مقابلے میں زندگی سے بیزار دکھائی نہیں دیتے بلکہ ضرورت سے زیادہ مسرور ہیں-" وہ یونہی تانکتا جھانکتا سیکرے کر کے کلیسا تک آ گیا جس کے خوبصورت گنبد اس کے کمرے سے دکھائی دیتے تھے- وہ صدر دروازے سے اندر داخل ہو گیا-

کلیسا بیحد تاریک اور خنک تھا- سامنے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے درجنوں مجسموں کے نیچے سینکڑوں لامبی اور نازک موم بتیاں جھلملا رہی تھیں- چند لوگ جن میں اکثریت بوڑھی عورتوں کی تھی لکڑی کے سخت بنچوں پر گھٹنے ٹیکے عبادت میں مصروف تھے- سنان کو خیال آیا کہ اگر اس عمارت میں روشنی کا انتظام قدرے بہتر ہو

جائے تو طرز تعمیر کی باریکیاں اجاگر ہو سکتی تھیں- سنان بھی ستانے کی خاطر ایک بنچ پر بیٹھ کر یونہی جلتی ہوئی موم بتیوں کو گھورتا رہا- اس سے کچھ دور سیاہ لباس میں ملبوس ایک بوڑھی عورت عبادت کر رہی تھی عورت سنان کو دیکھ کر مسکرا دی- یہ طوطے والی بڑی اماں تھیں- سنان کو خفت سی محسوس ہونے لگی- وہ اس بڑی اماں کے چہیتے طوطے کو چپت لگا کر آیا تھا- وہ جواباً مسکرا دیا اور پھر بنچ سے اٹھ کر جلدی سے باہر آ گیا- باہر کی تیز دھوپ نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں-

کلیسا کے عین سامنے چوڑی اور خوبصورت سیڑھیاں نیچے بازار تک اترتی تھیں ان سیڑھیوں پر بیحد رونق تھی- فرانسیسی بوڑھے جو پائپ منہ میں اڑسے اخبار پڑھنے میں مگن تھے یا دھوپ میں اونگھ رہے تھے- بوڑھی عورتیں' بے شمار ننھے منے بچے' کچھ بچہ گاڑیوں میں کلبلاتے ہوئے اور ان سے عمر میں بڑے سیڑھیوں کے ساتھ باغیچے میں "کیڑی کاڑا" قسم کا کوئی کھیل کھیلتے ہوئے- سنان نے وہاں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی کمی بری طرح محسوس کی پھر اسے یاد آیا کہ پیرس کے باشندوں کی اکثریت موسم گرما میں ساحلی مقامات کی جانب کوچ کر جاتی ہے اور بقول ایک گائیڈ بک کے وہاں صرف نکمے آوارہ گرد' قلاش مصور' غیر ملکی سیاح اور آوارہ کتے ہی رہ جاتے ہیں- یہاں پر کتے تو نظر نہیں آ رہے تھے البتہ مصوروں کی بہتات تھی جو ایزل سامنے رکھے ارد گرد کے شور سے لاتعلق سیکرے کر کے خوبصورت گنبدوں کو کینوس پر منتقل کر رہے تھے- سنان بھی وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گیا اور پیرس کی زندگی کے ان دلچسپ پہلوؤں سے لطف اندوز ہونے لگا-

ابھی وہ وہاں کچھ دیر ہی بیٹھا ہو گا کہ ایک نوجوان مصور اس کے پاس آ کھڑا ہوا مصور کے گلے میں مختلف قسم کی درجنوں مالائیں تسبیحیں اور مندروں میں بجائی جانے والی ایک بڑی گھنٹی لٹک رہی تھی- مصور نے گھنٹی اٹھا کر سنان کے کان کے پاس لے جا کر زور زور سے بجائی اور مسکرانے لگا-

"صبح بخیر"

سنان بھی مسکرا دیا۔

مصور اس کے ساتھ ہی سیڑھیوں پر براجمان ہو گیا اور بغل میں دابی ہوئی متعدد تصویروں میں سے ایک نکال کر سنان کے گھٹنوں پر پھیلا دی۔ سنان تصویر کو دیکھ کر بےحد حیران ہوا۔ یہ اس کی اپنی ہی لگ رہی تھی۔

"آپ نے شاید مجھے دیکھا نہیں۔ میں پچھلے دس منٹ سے آپ کی تصویر کشی میں مصروف تھا" مصور نے نہایت ادب سے کہا۔

"خوب ہے" سنان نے کہا۔ تصویر واقعی عمدہ بنی تھی۔

"میری طرف سے یہ بطور تحفہ قبول فرمائیے" مصور نے کھڑے ہو کر جھک کر اور گلے میں بندھی گھنٹی ہلا دی۔ ٹن ٹناٹن۔

سنان اس بے جا خلوص کے مظاہرے سے بےحد متاثر ہوا۔

"نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بہرحال آپ کا شکریہ۔"

"شکریے کی کوئی بات نہیں۔ آپ کے مشرقی خدوخال اتنے دلفریب ہیں کہ میرے اندر تخلیقی جذبات کا ایک سمندر اُبل پڑا اور مجھے آپ کی تصویر بناتے ہی بنی۔"

سنان سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ گویا وہ واقعی خوش شکل تھا۔

اس نے مصور کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا اور تصویر قبول کر لی۔ اسے تو ہمیشہ سے ہی تخلیقی جذبات کی سرپرستی کا خیال رہتا تھا۔

"میں بےحد ممنون ہوں۔" سنان اس کے احسان تلے دبا جا رہا تھا۔

مصور نے جواباً صرف گھنٹی بجا دینے پر اکتفا کیا۔ ٹن ٹناٹن اور وہیں کھڑا رہا۔ سنان کچھ عرصہ تو اس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا مگر جب اس کے جبڑے دکھنے شروع ہو گئے تو وہ سنجیدہ ہو گیا۔ آخر یہ مصور یہاں سے جاتا کیوں نہیں؟

"میں نے کہا کہ میں بےحد ممنون ہوں۔" سنان نے ایک مرتبہ پھر مسکرانے کی کوشش کی۔ مصور نے بھی ایک مرتبہ پھر وہیں کھڑے کھڑے گلے میں بندھی گھنٹی بجا

دی ٹن ٹناٹن۔

سنان جھلا گیا۔ آخر یہ حضرت چاہتے کیا ہیں؟

اس نے اپنی تصویر سیڑھیوں پر رکھ دی اور جیب سے سگریٹوں کا پیکٹ نکالا۔ بہترین طریقہ یہی ہے کہ اسے نظرانداز کیا جائے خود بخود چلا جائے گا۔ سنان پیکٹ میں سے سگرٹ نکالنے لگا تو مصور نے جھک کر اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ایک سگرٹ اٹھا لیا۔ سنان خون کے گھونٹ پی کے رہ گیا۔ اپنا سگرٹ سلگانے لگا تو مصور نے بھی منہ میں دابا ہوا سگرٹ آگے کر دیا۔ سنان کو طوعاً" کرہاً" سلگانا پڑا۔ سگرٹ سلگا کر مصور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اور گلے میں لٹکتی ہوئی گھنٹی بجا دی۔ ٹن ٹناٹن

"آخر اب تم چاہتے کیا ہو؟ سنان نے تنگ آ کر پوچھا۔

"بیس فرانک"

"بیس ۔۔۔ وہ کس بات کے؟"

"تین فرانک کا کینوس اور ایک فرانک کے رنگ تصویر کشی میں صرف ہوئے اور سولہ فرانک میری اجرت۔"

سنان میں تخلیقی جذبے کی سرپرستی کے ارفع اعلیٰ جذبات فوراً سرد پڑ گئے۔

"ٹن ٹناٹن" مصور نے پھر گھنٹی بجائی اور کہنا شروع کیا "بیس فرانک کچھ زیادہ نہیں۔ ہو سکتا ہے آج سے چند سو برس بعد میں ایک بہت بڑے مصور کی حیثیت سے پہچان لیا جاؤں اور یہی تصویر آپ بیس ہزار فرانک میں فروخت کر دیں۔"

"چند برسوں بعد میں فروخت کر سکوں۔۔۔؟" سنان نے میں پر زور دیتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"چلئے آپ کی اولاد ہی سہی۔ اب لائیے نا بیس فرانک مجھے کسی اور سیاح کی تصویر بھی بنانی ہے۔"

سودا پندرہ میں طے ہو گیا اور سنان قیمت ادا کر کے فوراً ہی وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا مبادا کسی اور مصور کے دل میں اس کے مشرقی خدوخال دیکھ کر تخلیقی جذبات کا

سمندر ابل پڑے۔

کلیسا کے پاس ہی ٹرام سٹیشن بھی تھا۔ سنان اپنی پندرہ فرانک کی تصویر بغل میں دابے وہیں سے ایک ٹرام میں سوار ہو کر شہر کے مرکز میں اتر گیا جہاں سے نپولین کی تعمیر کردہ "فتح کی محراب" کھڑی تھی۔ محراب کے چاروں طرف نپولین کی مختلف جنگوں کے واقعات سنگ مرمر کے خوشنما مجسموں کی صورت میں ابھرے ہوئے تھے۔ اس محراب میں سے بارہ خوبصورت سڑکیں نکل کر پیرس کے سینے پر حیات آفرین شریانوں کی طرح پھیل گئی ہیں۔ انہی میں سے ایک مشہور زمانہ شانزے لیزے ہے جسے فرانسیسی دنیا کی خوبصورت ترین سڑک کا خطاب دیتے تھے۔ سنان اس میں تھوڑا سا ردوبدل کرنا چاہتا تھا۔ شانزے لیزے یقیناً دنیا کی دوسری خوبصورت ترین سڑک کہلانے کی مستحق تھی۔ لاہور کی مال روڈ کو اس پر فوقیت حاصل تھی۔

"شانز" جیسا کہ اس سڑک کو اہل پیرس پیار سے پکارتے ہیں ۱۶۱۶ء میں ماری ڈی میڈیکا کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق تعمیر ہوئی۔ سڑک کے دونوں طرف پیدل چلنے والوں کے لیے وسیع فٹ پاتھ ہیں جن کے گرد ہرے بھرے درختوں کی قطاریں دور تک چلی گئی ہیں۔ فٹ پاتھ کے پہلو میں پیرس کی بہترین فیشن کی دکانیں اور قہوہ خانے ہیں جہاں لوگ مشروب پینے کی خاطر کم اور فٹ پاتھ پر رواں فیشن پریڈ دیکھنے کے لیے زیادہ بیٹھتے ہیں۔ ایک میل سے زیادہ طویل یہ سڑک کانکورد چوک کے درجنوں عالیشان فواروں پر ختم ہوتی ہے جہاں انقلاب فرانس کے دوران میں گلوٹین گاڑھ کر تین ہزار کے لگ بھگ لوگوں کے سر قلم کر دیئے گئے تھے۔ ان میں لوئی شانز دھم کے علاوہ ملکہ ماری انتونیت (غریبوں کے پاس اگر روٹی نہیں تو وہ کیک کیوں نہیں کھاتے؟) دانتین اور کوردے بھی شامل تھے۔

سنان بھی ایک عام سیاح کی مانند ایک قہوہ خانے کے باہر بیٹھ کر کافی پینے لگا اور فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس مشغلے سے اکتا گیا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ دنیا کے بہترین عجائب گھر لوور میں جا کر مصوری کا

شاہکار مونا لیزا اور وینس کا خوبصورت مجسمہ دیکھا جائے۔ چنانچہ اس نے ویٹر سے کافی کا بل لانے کو کہا' بل کی آمد نے پیرس کی خوبصورتی میں زہر گھول دیا۔ پانچ فرانک کافی کے دو فرانک سروس چارج یعنی مبلغ چودہ روپے پاکستانی کافی پر اٹھ گئے۔

"فتح کی محراب" کے میٹرو سٹیشن سے وہ گاڑی میں سوار ہو کر لوور عجائب گھر کے سٹیشن پر اتر گیا۔ یہ سٹیشن یقیناً ماسکو کے زیر زمین سٹیشنوں کے ہم پلہ تھا جنہیں دنیا میں خوبصورت ترین مانا جاتا ہے۔ لوور سٹیشن کا وسیع پلیٹ فارم ہلکی روشنی سے منور تھا۔ دیواروں میں جا بجا اطالوی اور یونانی مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ چھت سے درجنوں بیش قیمت جھاڑ اور فانوس لٹک رہے تھے۔ وہ اس سٹیشن کی مسحور کن خوبصورتی میں کھویا ہوا تھا کہ پیچھے کھڑے ہوئے ایک مسافر نے اسے کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک پاکستانی حضرت جن کی صورت سے وہ قطعاً ناآشنا تھا کھڑے مسکرا رہے تھے۔

"آپ کا نام سنان ہی ہے نا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کسی زمانے میں لاہور کے نیشنل کالج آف آرٹس میں بڑی باقاعدگی سے آیا کرتے تھے!"

سنان کو یاد آیا کہ وہ اس کالج میں ایک دوست تنویر کے پاس اپنے گھر کا نقشہ بنوانے کی غرض سے جایا کرتا تھا۔ تنویر کو انہی دنوں لاہور کے چڑیا گھر کا نقشہ بنانے کا ٹھیکہ بھی مل گیا۔ چنانچہ جب سنان کے گھر کا نقشہ مکمل ہوا تو تنویر کی غیر حاضر دماغی کی وجہ سے باورچی خانے کی بجائے وہاں ریچھوں کے پنجرے کا نقشہ بن گیا اور سنان کا باورچی خانہ چڑیا گھر کے نقشے میں منتقل ہو گیا۔ اسی لیے تو شاید آج کل یہ کہا جا رہا ہے کہ لاہور کے چڑیا گھر میں جانوروں کو گھر کا سا ماحول میسر ہے۔ بہرحال سنان یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ ان حضرت کا نیشنل کالج آف آرٹس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو پہچان نہیں پایا" سنان نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"مجھے کماری کہتے ہیں" ان صاحب نے نہایت انکساری سے اپنا تعارف کروایا "ایک روز آرکی ٹیکچر کے لیکچرار تنویر صاحب کے کمرے میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی" "آہا کماری صاحب" سنان نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ پہچان وہ اب بھی نہیں پایا تھا۔

"بھئی بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر" کماری صاحب تو آپے سے باہر ہو رہے تھے "مدتوں بعد کسی آشنا صورت سے واسطہ پڑا ہے۔"

شاید یہ صاحب تنویر کے ہاں چڑیا گھر کی تعمیر نو کے ٹھیکے کے لیے آیا کرتے تھے۔ سنان کو یاد آگیا۔

"اور سنائیے کماری صاحب آپ کے چڑیا گھر کا کیا حال ہے؟" سنان نے سوشل ہونے کی کوشش کی۔"

"چڑیا گھر؟" کماری صاحب نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں چڑیا گھر___ بندروں اور ریچھوں کے پنجرے وغیرہ"

"بندروں؟___" کماری صاحب باقاعدہ ہنسنے لگے "آپ مجھے پہچان نہیں سکے میرا پیشہ تو مصوری ہے۔ پچھلے چند ماہ سے پاکستان کے ایک صنعتی ادارے کے توسط سے پیرس میں مقیم ہوں اور یہاں پاکستانی دستکاریوں کو فروغ دینے کے لیے کوشاں ہوں۔"

سنان بیحد شرمندہ ہوا اور بھرپور معذرت کی۔

"کیا آپ بھی یہ مصوری وغیرہ کے سلسلے میں پیرس آئے ہیں؟" کماری صاحب نے سنان کے بغل میں دابی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"اوہ یہ تصویر___" سنان نے ہنس کر کہا "پندرہ فرانک اٹھے ہیں اس پر" اور پھر اپنی سیاحت کے بارے میں بتایا۔

"اب کیا پروگرام ہے۔"

"لودر کے عجائب گھر میں جانے کا خیال تھا۔"

"چھوڑیے صاحب" کماری صاحب نے خوشدلی سے کہا "پچھلے پہر تو عجائب گھر سیاحوں سے ٹھسا پڑا ہوتا ہے، ہجوم کی وجہ سے آپ کو تصویروں کے فریم اور مجسموں کی ٹانگوں کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ صبح سویرے جا کر دیکھئے اور اس وقت میرے ساتھ چل کر میرے کمرے میں کافی کی ایک پیالی پیجئے۔"

کماری کی دعوت میں اتنا خلوص تھا کہ سنان انکار نہ کر سکا۔ "لودر بعد میں دیکھ لیں گے" اس نے سوچا اور کماری کے ساتھ چل دیا۔

کماری کے چھوٹے سے کمرے پر اچھے خاصے عجائب گھر کا گمان ہوتا تھا۔ پاکستانی دستکاریوں کے نمونے، مغل طرز مصوری کی لاتعداد تصاویر، پیرس کی تاریخی عمارتوں کے پنسل سکیچ، رنگوں کے ڈبے، خالی کینوس اور خالی بوتلیں۔

کماری نے سنان کو اپنی بنائی ہوئی تصاویر اور مٹی کی نقش شدہ اینٹیں دکھائیں جنہیں پیرس کے فن پرست حلقوں نے بے حد سراہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ایک کونے میں رکھے ایک سٹوو پر کافی تیار کی اور وہ دونوں وہیں قالین پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

"آخر پیرس میں ایسی کونسی کشش ہے کہ دنیا جہان کے مصور یہاں کھنچے چلے آتے ہیں۔ مجھے تو ابھی تک اس شہر میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی" سنان نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کماری سے پوچھا۔

"فن کے بارے میں یہاں کے لوگوں کا خوشگوار رویہ، حکومت کی طرف سے مراعات اور سرپرستی۔ یہاں کا ماحول اور پھر پیرس کی تاریخی عمارتیں جو کینوس پر منتقل ہو کر اور بھی دیدہ زیب ہو جاتی ہیں۔ مصور بھی ایک شاعر کی طرح ہوتا ہے۔ وہ چاہے اپنے فن کے ذریعے سے دو وقت کی روٹی کمانے میں ناکام ہو جائے مگر وہ داد ضرور چاہتا ہے۔ اہل پیرس اس معاملے میں وسیع القلب واقع ہوئے ہیں اور یہی چیز مصوروں کو یہاں کھینچ لاتی ہے۔

کافی ختم کرنے کے بعد کماری نے اسے پاکستانی موسیقی کے ریکارڈ سنوائے۔ اسی

دوران میں یکدم دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی ایک شوخ و شنگ قسم کی نوجوان فرانسیسی لڑکی مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے سنان کو ایک نظر دیکھا اور پھر کھاری سے مخاطب ہو کر فرانسیسی میں کچھ کہا۔ کھاری نے ہنستے ہوئے اسی زبان میں جواب دیا اور لڑکی اسی وقت باہر نکل گئی۔

"آپ نے بھی رکھی ہوئی ہے؟" سنان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کیا چیز؟"

"یہ لڑکی!"

"لاحول ولا ۔۔۔" کھاری صاحب باقاعدہ شرما گئے "آپ کو کیسے خیال آیا؟"

"میرا خیال تھا کہ پیرس میں رہنے والے تمام مصوروں کی بود و باش کا یہ لازمی حصہ ہے۔"

"نہیں صاحب یہ بیچاری تو مالک مکان کی لڑکی ہے، پوچھنے آئی تھی کہ تمہارے دوست دوپہر کا کھانا تو کھائیں گے نا۔"

دوپہر کے کھانے کے بعد پھر کافی چلی اور پھر شام تک پاکستان اور پیرس کے بارے میں گپ شپ ہوتی رہی۔ تقریباً چھ بجے کے قریب سنان کھاری صاحب کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد ٹرام کے ذریعے واپس مومارت آ گیا۔ اس نے ان سے پیرس سے روانگی سے قبل ملاقات کا وعدہ بھی کیا۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ دریائے سین کے کنارے پاسکل کی تلاش میں نکلنے سے قبل اپنا کیمرہ کمرے میں رکھ آئے اور شام کی خنکی کے پیش نظر کوئی اونی چیز بھی پہن لے۔

○○○

کلیسا سیکرے کر کی سیڑھیاں طے کر کے جب وہ بائیں ہاتھ پر ایک ڈھلوان گلی میں اترا تو اسے ایک مرتبہ پھر "قہوہ خانہ پگال" کا بورڈ نظر آیا۔ مومارت کی ٹیڑھی ترچھی اور اونچی نیچی گلیوں نے اسے تھکا دیا تھا۔ اسے پیاس بھی محسوس ہو رہی تھی۔ سنان قہوہ خانہ کے اندر چلا گیا اور اورنج سکواش کی ایک بوتل خرید کر کونے میں پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ نیم تاریک قہوہ خانے میں اسے بے حد سکون کا احساس ہوا۔ وہاں اس کے علاوہ اور کوئی گاہک موجود نہ تھا۔ مالک حسب معمول سفید جھاڑن سے کاؤنٹر کی سطح چمکانے میں مصروف تھا۔ ماحول میں تازہ کافی اور وائن کی ملی جلی مہک حیرت انگیز طور پر خوشگوار تھی۔

"موسیو! ہوٹل؟" قہوہ خانے کے مالک نے وہیں کھڑے کھڑے سنان سے پوچھا اسے شاید یاد آ گیا تھا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو اس روز ہوٹل کے بارے میں دریافت کرنے آیا تھا۔

"مل گیا" سنان نے سر ہلا کر خوش دلی سے کہا۔

"ترے بیان" مالک نے بھی سر ہلایا اور پھر الماری میں رکھے ہوئے شراب کے نازک اور پتلے گلاس نکال کر پونچھنے لگا۔

اتنے میں قہوہ خانہ کا دروازہ کھلا اور وہی مصور پال جسے میڈم ڈی نے کرایہ نہ ادا کرنے کی پاداش میں کمرے سے نکال دیا تھا اندر داخل ہوا۔ اس کی پشت چونکہ سنان کی جانب تھی اس لیے وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ پائے۔ پال سیدھا کاؤنٹر پر گیا اور مالک سے سرخ شراب کا ایک گلاس خرید کر وہیں سٹول پر بیٹھ کر چسکیاں لینے لگا۔

تقریباً آدھا گلاس شراب پی کر اس نے جیب سے ایک رنگ دار پنسل نکالی اور کاؤنٹر کی سطح پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچنے لگا۔ سنان نے اورنج جوس کا آخری گھونٹ بھرا اور میز سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ پال سے مل کر یہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ کل کمرے سے نکلنے پر اس نے رات کہاں گزاری تھی اور آج کل کہاں رہتا ہے۔

اسی اثناء میں جب قہوہ خانے کے مالک نے شراب کے گلاسوں کو جھاڑ پونچھ کر الماری میں رکھ کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو پال کو کاؤنٹر کی صاف اور چمکیلی سطح کو مشق مصوری بناتے دیکھ کر اس کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے بڑی درشتگی سے اسے کچھ کہا۔ پال اسی طرح بڑے سکون سے کاؤنٹر پر لکیریں کھینچتا رہا۔ مالک کچھ دیر تو وہاں کھڑا اسے اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا مگر جب نتائج خاطر خواہ برآمد نہ ہوئے تو اس نے پال کی جیکٹ پکڑ کر زور زور سے کھینچا۔ اس کے بعد حالات ایک دم بگڑ گئے اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کو دھما دھم پیٹ رہے تھے۔ مالک چونکہ بھاری تنوتوش کا مالک تھا اس لیے اس کا پلڑہ بھاری نظر آ رہا تھا۔ سنان تھوڑی دیر تو انہیں یوں گتھم گتھا ہوتے دیکھتا رہا اور پھر صلح صفائی کرانے کی غرض سے آگے بڑھا۔

"اے بھائی موسیو—— یہ لڑائی——"

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ان میں سے کسی ایک نے ایک زور دار گھونسہ اسے بھی جڑ دیا۔ سنان لڑکھڑاتا ہوا واپس اسی میز کے پاس آ پہنچا جہاں وہ اس سے پہلے اورنج جوس پی رہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ خالی بوتل اٹھا کر یونہی لڑھکا دے مگر پھر کچھ سوچ کر وہیں کرسی پر بیٹھ کر اپنا جبڑا سہلانے لگا۔ اس نے کاونٹر کی طرف دیکھا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پال اور قہوہ خانے کا مالک بڑی بے تکلفی سے بغل گیر ہو رہے تھے اور خوب قہقہے لگا رہے تھے۔ "فرانسیوں کی کھوپڑی ہی الٹی ہے" سنان نے غصے سے منہ پھلایا لیکن اس حرکت سے اس کے جبڑے میں شدت کا درد اٹھا اور وہ پھر چپکے بیٹھ گیا۔

"مکہ شاید زور سے لگا ہے" پال اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"زور سے ہی لگا ہے" سنان نے رکھائی سے جواب دیا۔

پیرس میں آج کا دن واقعی ہنگامہ خیز گزرا تھا۔ اب تک صرف مصوروں ہی سے ملاقات ہوتی رہی تھی۔ صبح ایک صاحب پندرہ فرانک ہتھیا کر لے گئے۔ دوپہر کو ایک مصور نے کافی پلائی اور کھانا کھلایا اور اب ایک اور مصور نے اس کے خوبصورت جبڑے کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

"پرائے پھڈے میں خواہ مخواہ ٹانگ نہیں اڑاتے" پال اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر بولا "قہوہ خانے کا مالک میرا دوست ہے۔ ہم اکثر کسی نہ کسی بات پر الجھتے رہتے ہیں۔ ویسے اب کی بار غلطی میری تھی جو اس کے صاف شفاف کاؤنٹر کا ستیاناس کر رہا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد جب جبڑے کا درد قدرے کم ہوا تو سنان کا موڈ بھی قدرے بحال ہو گیا۔

"کل جب تمہیں میڈم ڈی نے کمرے سے نکال دیا تھا تو اس کے بعد شب بسری میں خاصی دقت ہوئی ہو گی؟ اس نے پال سے پوچھا۔

"ہاں قدرے" پال نے لمبی داڑھی میں انگلیوں سے کنگھی کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اپنی پہلی—— دوست لڑکی کے پاس گیا تو وہاں پیشگی بکنگ ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ آج کل ایک انڈونیشین مصور رہتا ہے۔ بہرحال وہ رات تو فٹ پاتھ پر گزری اور دوسری صبح یہاں سے قریب ہی ایک اور جگہ رہائش کا بندوبست ہو گیا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔"

"کوئی بات نہیں—— بلکہ مجھے تو الٹا تمہارا شکر گزار ہونا چاہیے۔ تم نے مجھے تین ماہ کے کرائے سے نجات دلا دی۔"

وہ تمہاری پہلی بیوی—— جو قہوہ خانہ میں کام کرتی تھی۔ اس کا کیا ہوا؟" سنان جاننا چاہتا تھا۔

"اوہ لوئیس—— وہ بھی میرے ساتھ ہی ہے۔"

پال نے اسے بتایا کہ وہ جرمنی کے شہر ہیمبرگ کا رہنے والا ہے۔ ماں باپ جنگ عظیم کے بھینٹ چڑھ گئے اور وہ قصابوں کی دکانوں پر سئور کاٹتا۔ سٹیشنوں پر جھاڑو دیتا اور غسل خانوں کی صفائی کرتا جوان ہو گیا۔ اس دوران میں اسے مصوری کی لت پڑ گئی اور وہ پیرس آ گیا۔ یہاں وہ پچھلے کئی برسوں سے مقیم تھا۔ آمدن نہ ہونے کے برابر تھی۔

"تو پھر گزارا کیسے ہوتا ہے؟" سنان نے پوچھا

"نہیں ہوتا" پال نے سر ہلایا "کبھی کبھار کوئی تصویر بک جاتی ہے تو چند روز اچھی طرح کٹ جاتے ہیں کسی نیک دل اور فن پرست خاتون سے تعارف ہو جائے تو کچھ عرصہ ہر شام وہاں کم از کم کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے اور مجھے وہاں صرف مصوری کے بارے میں گفتگو کرنی پڑتی ہے۔ خاتون اگر فن پرستی چھوڑ کر شخصیت پرستی پر اتر آئے تو چار پیسے بھی مل جاتے ہیں یا پھر اور کچھ نہ ملا تو سیکرے کر کلیسا کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر کسی سیاح کی تصویر بنا کر چار پانچ فرانک زبردستی وصول کر لیے۔"

"چار پانچ فرانک؟" سنان کو اپنے پندرہ فرانک کا خیال آ گیا۔

"جو بھی مل جائے غنیمت ہوتا ہے۔ کئی تو صرف ایک فرانک پر ہی ٹرخا دیتے ہیں"

"ایک ــــ لیکن میں تو پندرہ فرانک دے کر چھوٹا تھا؟"

"ہا ہا ہا ــــ" پال نے بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا "گویا تم بھی پھنس گئے تھے؟ پیرس کے قلاش مصوروں کا یہ پسندیدہ طریقہ ہے۔ دس بارہ کینوس لے کر ان پر سیکرے کر کا پس منظر پہلے سے بنا لیا اور پھر چند لکیریں کھینچ کر کسی سیاح کو جا دبوچا۔ "آپ کے خدوخال نے میرے دل میں" ــــ

"ہاں ہاں باقی کا حصہ مجھے معلوم ہے ــــ" سنان نے پشیمان ہو کر کہا۔

اسے یاد آ گیا کہ وہ تصویر تو کماری کے کمرے میں ہی رہ گئی تھی کل سہی ــــ

"اگر تمہیں اور کہیں نہیں جانا تو میرے سٹوڈیو میں چلو۔ میرے پاس لمبی فرانسیسی ڈبل روٹی اور پنیر بھی ہے" پال نے میز سے اٹھتے ہوئے اسے دعوت دی۔ ابھی صرف سات بجے تھے۔ سنان نے سوچا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ اس دلچسپ شخصیت کے ساتھ گزارے گا اور بعد میں دریائے سین پر چلا جائے گا چنانچہ اس نے پال کے ساتھ سٹوڈیو جانے کی حامی بھر لی۔

پال کا سٹوڈیو یا وہ کمرہ جہاں وہ تصویریں بنانے کے ساتھ ساتھ سوتا بھی تھا قہوہ خانے سے کچھ فاصلے پر ایک نہایت بوسیدہ عمارت میں واقع تھا۔ حکومت کی طرف سے اس عمارت کو "خطرناک" قرار دے کر اسے مسمار کر دینے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اس اثنا میں چند قلاش مصوروں اور آوارہ گردوں نے وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ پال نے سنان کو بتایا کہ بلدیہ کے کارندے تقریباً ہر روز عمارت کو گرانے کے لیے آ دھمکتے ہیں مگر وہاں کے مکین منت سماجت کر کے چند روز کی مہلت لے لیتے ہیں۔ بہرحال یہاں پر کم از کم کرائے کی مصیبت نہ تھی۔

"سٹوڈیو" میں سوائے ان رنگوں کے ڈبوں اور چند بوتلوں کے اور کچھ نہ تھا جو کل تک سنان کے کمرے کی زینت تھے۔ کمرے میں پلنگ بھی نہ تھا۔

"تمہارا بستر کہاں ہیں؟"

"بستر؟" پال نے حسب معمول داڑھی کھجائی" میں اپنی جیکٹ میں ہی سو رہتا ہوں کافی گرم ہے" اس نے اپنی ہلکی سی جیکٹ کا کونا انگلیوں میں مسلتے ہوئے کہا۔

پال نے چند پرانے اخبار فرش پر پھیلا دیے "مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس بیٹھنے کے لیے کرسی وغیرہ نہیں ہے"

"کوئی بات نہیں" سنان زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا "یہ طریقہ سراسر مشرقی ہے۔" پال نے میلی جیکٹ کی ایک جیب میں سے اخبار کے کاغذ میں لپٹی ہوئی لمبی ڈبل روٹی نکالی اور دوسری میں سے پنیر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا' ڈبل روٹی درمیان میں سے توڑ کر اس نے آدھی سنان کو تھما دی اور پنیر فرش پر رکھ دیا۔ پال ابھی یہ پر تکلف

دسترخوان بچھانے کا تردد کر ہی رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ یکدم کھلا اور ایک چپٹے ناک والی خوبصورت لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

"پال ڈارلنگ آج مجھے تنخواہ مل ہی گئی" اس نے اندر آتے ہی پال کے لیے بال پیار سے کھینچے اور پھر اس کی داڑھی ایک طرف ہٹا کر اس کے لبوں پر بوسہ دیا۔

"یہ ہے میری بیوی—— آہم—— میرا مطلب ہے اس کا نام لوئیس ہے" پال نے تعارف کروایا "اور یہ ہے میرا دوست——" اور پھر قدرے رک کر سنان سے کہنے لگا "بھائی نام کیا ہے تمہارا اور کیا کرتے ہو؟"

سنان نے اپنا مکمل تعارف کروایا۔

"آپ میرے پہلے پاکستانی ہیں" لوئیس نے ان دونوں کے پاس فرش پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے یہ فقرہ ایسے ادا کیا جیسے وہ کسی نادرالوجود پرندے کی نسل سے تعلق رکھتا ہو جو پہلی مرتبہ قابو آیا ہو۔

"پنیر اور ڈبل روٹی؟" لوئیس نے فرش پر رکھے طعام کے انتظامات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے دہائی دی۔ "میں پچھلے دس روز سے پنیر اور ڈبل روٹی کھا رہی ہوں۔ آج مجھے تنخواہ ملی ہے اور ہم کسی قہوہ خانے میں جا کر مناسب قسم کا کھانا کھائیں گے مثلاً تلا ہوا مرغ اور اس کے ساتھ سرخ شراب"

"سرخ شراب؟ پال کی باچھیں کھل گئیں "سنان تم بھی آؤ"

"بہت بہت شکریہ پال لیکن میں آج سارا دن پیرس میں گھومتا رہا ہوں اور اب اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنا چاہتا ہوں" سنان نے فرش سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ملنے آؤ گے؟" پال نے اس کا ہاتھ دبا کر بیحد خلوص سے کہا۔

"ضرور۔ جب بھی وقت ملا"

سنان کمرے سے باہر نکلنے لگا تو پال نے ڈبل روٹی اور پنیر فرش سے اٹھا کر اس کی جیبوں میں ٹھونس دیا "کمرے میں جا کر کھا لینا۔ مزیدار ہے۔ لوئیس کو جانے کیوں پسند نہیں۔"

سنان نے اس کا دل رکھنے کے لیے دونوں چیزیں قبول کریں ورنہ اسے ڈبل روٹی اور پنیر سے کوئی خاص رغبت نہ تھی۔

پال اسے نیچے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ سنان باہر نکلنے لگا تو پال اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا "اور ہاں—— میڈم ڈی سے ذرا بچ کر رہنا۔"

"کیا مطلب؟" سنان وہیں کھڑا ہو گیا۔

"تمہارے جیسے لڑکوں کا تو آملیٹ بنا کر کھا جاتی ہیں موصوفہ" پال آنکھ میچ کر مسکرایا۔

"پال! تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟" اوپر سے لوئیس کی آواز آئی۔ جو شاید ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"میں نے تو صرف سنا ہے لوئیس ڈارلنگ" پال نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بلند آواز میں کہا اور پھر منہ سنان کے پاس لا کر آہستہ سے کہنے لگا۔ "مجھے نہ معلوم ہو گا تو اور کس کو ہو گا! بھلا تین ماہ کا کرایہ اس نے یونہی تو نہیں چھوڑ دیا تھا۔"

"وارننگ کا شکریہ" سنان نے پال سے ہاتھ ملایا اور باہر آگیا۔

○○○

مومارت کے گلی کوچوں میں خوب رونق تھی۔ اکثر لوگ اپنی بالکونیوں میں بیٹھے گلی کے پار اپنے ہمسایوں سے محو گفتگو تھے۔ سنان نے دیکھا کہ جیسے اندرون لاہور پردہ نشین عورتیں سارا دن کھڑکیوں میں بیٹھی خوانچہ فروشوں کا انتظار کرتی رہتی ہیں۔ ریوڑیوں والا آیا تو جھٹ ایک ٹوکری میں چونی رکھی اور رسی سے نیچے لٹکا دی۔ گھر بیٹھے سبزی اور پھل وغیرہ کی بھی خرید اسی طریق سے کی جاتی ہے۔ کچھ اسی طرح کا نظام یہاں پیرس میں بھی رائج تھا۔ ریوڑیوں کی بجائے ڈبل روٹی یا وائن خریدی جا رہی تھی۔

قہوہ خانوں کے برآمدوں میں بچھی ہوئی کرسیاں فٹ پاتھ پھلانگ کر سڑک تک آ پہنچی تھیں۔ ان پر بیٹھے ہوئے لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ قہوہ خانوں کے برآمدوں میں سجاوٹ کی خاطر بانس کے ساتھ بندھی ہوئی رسیوں کے ساتھ رنگ برنگے قمقمے لٹک رہے تھے۔ ہوا چلتی تو بلب جھولتے اور روشنیوں کا عکس بے فکر مصوروں، طالبعلموں اور جوان عورتوں کے چہروں پر پڑتا۔

ایک دم سنان کو خیال آیا جس مقصد کے لیے ایک روز سے زیادہ اس شہر میں ٹھہرا تھا وہ تو پورا ہی نہیں ہوا۔ ابھی تو اسے دریائے سین کے کنارے پاسکل کی تلاش میں نکلنا تھا۔ وہ سارا دن کی آوارہ گردی سے بیحد تھک چکا تھا اور دریائے سین وہاں سے کافی فاصلے پر تھا۔ اس موہوم امید پر وہ اس وقت اتنی دور جانے کے موڈ میں نہ تھا اس لیے اس نے وہاں جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنے مکان کی جانب چل دیا۔

مکان کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ ہال میں داخل ہوا تو دائیں ہاتھ کے کمرے سے ہلکی سی روشنی آ رہی تھی۔

"کون ہے؟" اندر سے میڈم ژی کی آواز آئی جس نے شاید دروازہ کھلنے کی آواز سن لی تھی۔

"میں ہوں آپ کا پاکستانی کرایہ دار میڈم ژی!" سنان نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور میڈم ژی نائیلون کے باریک نائٹ گاؤن میں ڈھکی ان ڈھکی باہر نکل آئی۔

اس کی سرخ آنکھوں سے ظاہر تھا سنان کے ادا کیے ہوئے پیشگی کرائے کی رقم کا "استعمال" ابھی تک جاری تھا۔ وہ ایک ہاتھ کولہے پر رکھ کر کواڑ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

"شب بخیر" سنان نے جلدی سے کہا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" میڈم ژی نے وہیں کھڑے کھڑے جھوم کر کہا "میرے کمرے میں آ جاؤ ذرا باتیں کریں گے۔ میں اکیلی بیٹھی بور ہو رہی تھی"

ادھ کھلے کواڑ سے تپائی پر رکھی شراب کی گدلی سبز بوتل اور ایک گلاس نظر آ رہا تھا۔

"شکریہ لیکن ـــــ میں بے حد تھک چکا ہوں اب آرام کرنا پسند کروں گا۔"

میرے کمرے میں بھی بے آرامی تو نہیں ہو گی" میڈم ژی نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

ہلکی روشنی میں اس کے چہروں کی جھریاں ماند پڑ گئی تھیں اور وہ خاصی قبول صورت نظر آ رہی تھی۔

"دراصل میں نے ابھی تک شام کا کھانا بھی نہیں کھایا اور یہ ـــــ" سنان نے جیکٹ کی جیب میں ٹھنسی ہوئی ڈبل روٹی کی طرف اشارہ کیا "پنیر کے ساتھ کھاؤں گا۔"

"ڈبل روٹی اور پنیر بھی کوئی کھانے کی چیز ہے تم اندر کمرے میں آجاؤ میں تمہیں آملیٹ بنا کر دوں گی۔ بالکل مفت"

آ—— آملیٹ؟" سنان گھبرا گیا۔ اسے پال کی وارننگ یاد آ گئی۔ تمہارے جیسے لڑکوں کا تو وہ آملیٹ بنا کر—— "جی بالکل نہیں—— نہیں—— میرا مطلب ہے بہت شکریہ—— مجھے یہ ڈبل روٹی اور پنیر پال نے دیا تھا۔"

"وہ بدمعاش تمہیں کہاں مل گیا؟" میڈم ڑی نے غصے سے کہا اور پھر کسی پرانی یاد نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا "پال اچھا لڑکا تھا—— تمہاری طرح نہ نہ کی گردان نہیں کرتا تھا—— مان جاتا تھا" اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا اور پھر آنکھیں بند کر کے گنگنانے لگی۔

سنان نے یہ موقع غنیمت جانا اور جلدی سے سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ اپنے کمرے کے دروازے کے پاس جا کر اس نے مڑ کر دیکھا تو میڈم ڑی وہیں دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے مسکرائے چلی جا رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے سے قبل اس کی نگاہیں غیر ارادی طور پر ساتھ والے کمرے کے دروازے پر اٹھ گئیں—— وہاں بالکل خاموشی تھی۔

سنان اپنے کمرے میں آیا اور کپڑے بدل کر بستر پر بیٹھ گیا۔ پال کی دی ہوئی ڈبل روٹی تو مزیدار تھی البتہ پنیر میں سے ایک زرد کیڑا برآمد ہوا۔ سونے سے پہلے اس نے نل سے جی بھر کر پانی پیا اور بستر پر لیٹ گیا۔

پیرس میں اس کا پہلا دن بیحد ہنگامہ خیز گزرا تھا۔ بیشمار دلچسپ لوگوں سے واسطہ پڑا اور اس مشہور زمانہ شہر کے کئی روپ نظروں کے سامنے آئے۔

"یہ میڈم ڑی بھی خوب ہیں" وہ دل ہی دل میں مسکرا دیا "بے چاری" اتنے میں سنان کے دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔

"کون ہے!" سنان نے لیٹے لیٹے زور سے پکارا۔

کوئی جواب نہ آیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر دستک ہوئی۔

سنان جو بڑے مزے سے سفری رضائی میں لپٹا ہوا تھا بڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے شبہ تھا کہ کہیں میڈم ڑی شراب کے دو چار گلاس اور چڑھانے کے بعد وہ آملیٹ والی دعوت دہرانے نہ آ گئی ہو۔

"کیا مصیبت ہے" سنان نے ایک لمبا سانس لیا اور دروازہ کھول دیا۔

دہلیز پر ساتھ والے کمرے والی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کے کھلے ہوئے کالے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

"میں نے تمہارے کمرے میں روشنی دیکھی تو چلی آئی۔ مخل ہونے کی معافی چاہتی ہوں"

"فرمایئے" سنان نے اباسی لیتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارے پاس سرخ شراب ہو گی۔"

"شراب؟" سنان نے منہ بنا لیا۔"

"ہاں انگوروں کی سرخ شراب۔ میں شام کو جلدی میں خریدنا بھول گئی۔ کل لوٹا دوں گی"

"میں شراب نہیں پیتا" سنان نے وہیں کھڑے کھڑے اکتاہٹ سے کہا۔

"کافی تو ہو گی؟ مجھے اس وقت کسی مشروب کی شدت سے طلب ہے" لڑکی کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔

سنان دروازے سے ہٹ کر پلنگ کے پاس آ گیا اور اس کے نیچے سے اپنا سفری تھیلا گھسیٹ کر باہر نکال لیا۔ تھیلے کی بیرونی جیب میں کھانے پکانے کا سامان تھا۔ اس نے کافی کا ڈبہ نکال کر لڑکی کے حوالے کر دیا۔

"بہت بہت شکریہ" وہ بیحد ممنون نظر آ رہی تھی "میں صرف ایک پیالی بنا کر ابھی واپس کیے دیتی ہوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں" سنان نے اخلاقاً مسکرا کر کہا "صبح واپس کر دیجیے گا" اور

دروازہ بند کر کے اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

ابھی وہ رضائی کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹنے بھی نہ پایا تھا کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔

"دروازہ کھلا ہے" سنان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب ضرور میڈم ڈی ہو گی۔ دروازہ کھلا تو پھر وہی لڑکی تھی۔ اس نے کافی کی دو پیالیاں اٹھا رکھی تھیں۔

"ایک تمہارے لیے" اس نے بستر کے قریب آ کر ایک پیالی سنان کو تھما دی اور وہیں کھڑی ہو گئی "تم مخل ہو تو ہو گے مگر کیا میں یہاں بیٹھ کر کافی پی لوں؟ میں اپنے کمرے میں اکیلی بور ہو رہی تھی اور یہ رہا تمہارا کافی کا ڈبہ۔"

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس گھر میں عورتوں کی اکثریت اپنے کمروں میں بیٹھی بور ہو رہی تھی۔ پہلے میڈم ڈی اور اب یہ محترمہ۔

"ہاں ہاں ضرور" سنان رضائی میں سے نکل کر بستر کے سرے پر بیٹھ گیا "کمرے میں تو کرسی ہے نہیں آپ پلنگ پر ہی بیٹھ جائیں۔"

"شکریہ" لڑکی نے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ سنان لاشعوری طور پر بالکل ہی کونے میں سمٹ گیا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں۔

"میرا نام جینی ہے" لڑکی نے اس کی طرف بڑی بے چارگی سے دیکھا۔

"مجھے سنان کہتے ہیں" اس نے جلدی سے کہا اور پھر سر جھکا کر کافی پینے لگا۔ اسے بے حد الجھن ہو رہی تھی۔ وہ سوشل بات چیت کے موڈ میں نہیں تھا اور اب سونا چاہتا تھا۔

"آپ کا خاوند ابھی کام سے نہیں لوٹا کیا؟" سنان نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اونگھتے ہوئے پوچھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ لڑکی کی موجودگی میں ہی وہ سو جائے۔

لڑکی ہنس دی "میں شادی شدہ نہیں ہوں۔"

پچھلی شب آپ کے کمرے میں موسیقی کی بڑی خوبصورت دھنیں بج رہی تھیں۔ شاید کسی مرد کی آواز بھی آ رہی تھی۔"

"ہاں— پچھلی شب —" لڑکی نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

سنان کی کافی ختم ہو چکی تھی مگر وہ پیالی دونوں ہاتھوں میں تھامے بستر کے سرے پر اکڑوں بیٹھا رہا۔ اب وہ کیسے غیر مہذب ہوئے بغیر اس لڑکی کو کمرے سے چلے جانے کو کہے۔ اس نے جان بوجھ کر ایک طویل جمائی لی۔

"خوبصورت دھنیں تھیں نا؟" لڑکی نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر سنان سے پوچھا۔

"ہوں" سنان نے چونک کر کہا۔

"تم کہہ رہے تھے کہ میرے کمرے میں پچھلی شب بڑی خوبصورت دھنیں بج رہی تھیں۔"

"ہاں— وہ— بالکل— ستار بہت اچھی تھی۔"

"میرے کمرے میں آ جاؤ دونوں بیٹھ کر موسیقی سنتے ہیں" لڑکی نے بڑے خلوص سے دعوت دی۔

"ہوں" سنان پھر چونک گیا۔

"میرے کمرے میں—"

"اچھا— میرا مطلب ہے پھر کبھی سہی" سنان نے بستر سے اٹھ کر پیالی لڑکی کو تھما دی "میں بے حد تھکا ہوا ہوں اور اب سونا پسند کروں گا امید ہے آپ برا نہیں مانیں گی۔"

"میں کسی بات کا برا نہیں مناتی" لڑکی نے بستر سے اٹھ کر دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا "اگر برا مناؤں تو کھاؤں کہاں سے؟"

سنان کو پہلے سے ہی اس لڑکی کے بارے میں موہوم سی بے چینی تھی مگر اب وہ اس فقرے سے سب کچھ جان گیا وہ ایک فرانسیسی محاورے کے مطابق "چنچل لڑکی" تھی۔ ایک "کاروباری" عورت۔

سنان کو اس سے پہلے اس قسم کی لڑکی سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا تھا اور وہ حیران ہو

رہا تھا کہ شکل و صورت کے لحاظ سے وہ نہایت عام سی لڑکی لگ رہی تھی۔ اس نے اس کے لیے اپنے دل میں ہمدردی سی محسوس کی۔ ایک چنچل لڑکی ہوتے ہوئے بھی اس کی باتوں میں بے پناہ خلوص اور چہرے پر معصومیت تھی۔ اس میڈم سے کہیں زیادہ جو شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے بھی شاید اس لڑکی سے زیادہ گھناؤنے کردار کی مالک تھی۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے اتنی نیند بھی نہیں آ رہی کہ ستار کی ایک دو دلکش دھنیں بھی نہ سکوں" سنان نے بجد دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

جینی وہیں رک گئی اور جھجک کر کہنے لگی "میں مخل نہیں ہونا چاہتی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں" سنان نے سلیپنگ سوٹ کے اوپر جیکٹ پہنتے ہوئے کہا "کافی پینے سے نیند بالکل غائب ہو گئی ہے۔ میں ستار کی دھنیں ضرور سننا پسند کروں گا۔"

جینی کا کمرہ سنان سے کہیں بہتر تھا۔ کھڑکی پر لیس کے باریک پردوں کو مخمل کے بھاری پردوں نے ڈھک رکھا تھا۔ کونے میں پڑا وسیع پلنگ اپنے متعدد گدوں اور شیل کی رضائی کی وجہ سے بجد آرام دہ دکھائی دے رہا تھا۔ پلنگ کے چاروں طرف سفید لیس کے پردے جھول رہے تھے۔ ایک کونے میں ایک بڑی ڈریسنگ ٹیبل پر دنیا جہان کا میک اپ کا سامنا بکھرا پڑا تھا۔ فرش پر ایک پرانا قالین تھا اور اس پر ایک آرام دہ اور نرم صوفہ سیٹ۔ کمرے کی مختلف خوشبوؤں میں خوراک کی بھی خوشبو تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنا کھانا پکانا بھی وہیں کرتی ہے۔ کھڑکی کے ساتھ تپائی پر شراب کی ایک خالی بوتل اور دو گلاس دھرے تھے۔ ان کے پیچھے ایک بجد خوبصورت گڑیا پڑی تھی، گڑیا کے لبوں پر لپ سٹک لگی تھی۔

جینی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بستر کی شکنیں درست کیں۔ کھڑکی کا پردہ آگے کھینچ دیا اور پھر بھاری صوفے پر رکھے گدے کو تھپتھپا کر وہیں واپس رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میرا کمرہ زیادہ آرام دہ نہیں——— پلیز بیٹھیے۔"

سنان صوفے پر بیٹھ گیا۔

جانے کیوں وہ بجد نروس محسوس کر رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے ہاں اس سے پہلے کبھی کوئی مہمان نہ آیا ہو۔

"بڑا اچھا کمرہ ہے" سنان نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔

جینی بڑی بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جیسے وہ کمرے کی سجاوٹ سے مطمئن نہ ہو۔

"آرام دہ بھی ہے۔" سنان نے پھر کہا۔

"میری آمدن اس سے بہتر کمرے میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی۔ بس گزارا ہے" جینی نے وہیں کھڑے کھڑے کہا اور مسکرانے لگی۔

"اوہ———" اس نے ایکدم منہ پر یوں ہتھیلی جمادی جیسے کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں کوئی مشروب پیش نہیں کر سکتی" اور پھر قدرے پشیمان ہو کر کہنے لگی "تم کہو تو تمہارے کمرے سے وہ کافی کا ڈبہ پھر اٹھا لاؤں اور تمہیں کافی بنا دوں؟"

سنان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا——— عجیب لڑکی ہے۔

جینی اسی بے قراری کے عالم میں دوڑتی ہوئی سنان کے کمرے میں سے کافی کا ڈبہ لے آئی اور ڈریسنگ ٹیبل کے نیچے سے ایک سٹوو نکال کر اسے جلایا اور کافی کے لیے پانی رکھ دیا۔

"علیحدہ باورچی خانے والا کمرہ بجد مہنگا ملتا ہے" جینی نے معذرت بھرے لہجے میں کہا "میں اپنا کھانا یہیں اس سٹوو پر ہی بنا لیتی ہوں۔"

کافی تیار ہو گئی تو اس نے ایک پیالی سنان کو دی اور خود اس کے پہلو میں ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

وہ اب بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"وہ خوبصورت دھنیں کیا ہوئیں؟" سنان نے کافی کی چسکی لیتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ—— میں تو بھول گئی تھی" اس نے جلدی سے اٹھ کر پلنگ کے نیچے ایک پرانا ریکارڈ پلیئر گھسیٹ کر باہر نکال لیا "میرے پاس جو ستار کا ریکارڈ ہے وہ ایک فرانسیسی موسیقار کا ہے۔"

فضا میں پچھلی شب والی دلکش دھن پھر گونجنے لگی۔

جینی نے سنان کو بتایا کہ وہ فرانس کے ساحلی شہر مارسیلز کی رہنے والی ہے۔ اس کی ماں فرانسیسی تھی اور باپ ایک الجزائری ملاح جو اس کی پیدائش کے فوراً بعد ان دونوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ اس کی ماں نے بندرگاہ کے ساتھ ایک شراب خانے میں ویٹرس کی حیثیت سے نوکری کر لی۔ وہ سارا دن شراب خانے کے ایک کونے میں بیٹھی اپنی ماں کو تکتی رہتی جو گاہکوں کو بھگتانے کے ساتھ ساتھ اس پر بھی نظر رکھتی اور جب بھی فرصت ملتی تو جلدی سے اسے چاکلیٹ یا دودھ کا گلاس تھما دیتی۔ جینی اس شراب خانے میں جوان ہوئی اور پھر ان پڑھ ہونے کی بنا پر چونکہ اسے اور کہیں نوکری نہ مل سکی تو اس نے بھی وہیں کام کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں اس کی ماں چل بسی اور وہ اپنا مختصر اثاثہ سمیٹ کر ایک نئے مستقبل کی تلاش میں پیرس چلی آئی۔

"پیرس میں مجھے نئے مستقبل کی بجائے صرف خوشگوار ماحول کی پیشکشیں ہوتی رہیں جن کی مدت کبھی بھی دو چار گھنٹوں سے بڑھنے نہ پائی" جینی کے لہجے میں تلخی تھی۔ "پہلے پہل تو میں نے شریفانہ زندگی گزارنے کی بھرپور کوشش کی لیکن مجھے اس میں بری طرح ناکامی ہوئی اور پھر آخرکار——" وہ خاموش ہو گئی۔

"اور پھر——" سنان کے لہجے میں بے پناہ ہمدردی تھی۔

"بس پھر کیا!—— میں بھوکی نہیں رہ سکتی۔ میں اس معاملے میں بیحد کمزور واقع ہوئی ہوں—— اب تو یہ پیشہ زندگی کا معمول بن چکا ہے" جینی کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تھی۔

سنان خاموش بیٹھا کافی پیتا رہا اور اس کی باتیں سنتا رہا۔

"پاسکل ہی اپاہج نہیں" وہ سوچ رہا تھا "اس دنیا میں اکثر لوگ اپاہج ہیں۔ معذوری جسمانی نہ بھی ہو تو کبھی مجبوری اور کبھی بھوک ان کو اپاہج کر دیتی ہے۔"

پھر جینی اپنے بچپن کی باتیں کرنے لگی۔ کس طرح چھٹی کے دن اس کی ماں اسے مارسیلز سے باہر پکنک پر لے جایا کرتی تھی۔ جنوبی فرانس کا خوشگوار موسم اور چمکیلے دن جو اب ایک خواب ہو کر رہ گئے تھے۔

جینی آہستہ آہستہ باتیں کرتی رہی اور وہ خاموشی سے سنتا رہا اور پھر جینی کی آواز مدھم ہوتی گئی—— بالکل مدھم—— جانے کب اسے گہری نیند نے آ لیا۔

○○○

سنان کی آنکھ کھلی تو وہ اسی صوفے پر دراز تھا جہاں پچھلی شب بیٹھ کر اس نے کافی پی تھی۔ ایک خوبصورت اور گرم کمبل اس کے گرد بڑی احتیاط سے لپٹا ہوا تھا اور اس کے سر کے نیچے ایک نرم تکیہ پڑا تھا۔

"ناشتہ؟"

اس نے آنکھیں ملیں اور سر اٹھا کر دیکھا۔ جینی اس کے عین اوپر ایک ٹرے اٹھائے کھڑی تھی۔

"ایک عدد نرم فرانسیسی بن، مکھن، جام اور گرم کافی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ایک مرتبہ پھر تمہارے ہی ڈبے میں کافی لے کر بنائی ہے۔"

سنان پہلے تو فیصلہ نہ کر پایا کہ وہ کہاں ہے اور یہ لڑکی کون ہے اور پھر یکدم اسی کے ذہن میں پچھلی شب کے تمام واقعات گھومنے لگے۔ اس نے جلدی سے کمبل اتار دیا اور صوفے سے اٹھ بیٹھا۔

"مجھے یہاں نہیں سونا چاہیے تھا" سنان نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے معذرت کی "تھکن کی وجہ سے غنودگی سی طاری ہو گئی تھی اور شاید اس طرح نیند نے آ لیا میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا" وہ بیحد ندامت محسوس کر رہا تھا۔ جانے یہ لڑکی کیا سوچتی ہو گی۔

"اگر جان بوجھ کر بھی ایسا کرتے تو کوئی فرق نہ پڑتا" جینی نے ٹرے تپائی پر رکھ دی اور بن پر مکھن اور جام لگا کر اس کے سامنے رکھ دیا "غلطی میری تھی جو اتنی دیر تک باتیں کرتی رہی"

"مجھے جگا دیا ہوتا" سنان نے قدرے بے رخی سے کہا۔

"پہلے ناشتہ" جینی کے لہجے میں بیحد نرماہٹ تھی۔

اس نے بھورے رنگ کا ایک نہایت خوبصورت اونی لباس پہن رکھا تھا اور وہ بالکل سکول کی ایک نو عمر طالبہ لگ رہی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے جینی کا شکریہ ادا کیا۔ ایک مرتبہ پھر وہاں سو جانے پر معذرت کی اور کمرے سے باہر آ گیا۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولنے سے قبل اس نے یونہی مڑ کر دیکھا جینی ابھی دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے مسکرا رہی تھی۔ سنان بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔" وہ مسکراتی رہی۔

"کچھ تو ہے۔"

"کیا آج بھی پیرس میں کل کی طرح اکیلے ہی گھومتے رہو گے؟"

"ہاں ـــــ کیوں؟"

"ایسے ہی پوچھا تھا۔"

"پھر بھی"

"اگر تمہیں گائیڈ کی ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔"

"اتنے خوبصورت گائڈ صرف پیرس میں ہی ملتے ہیں۔" سنان نے جینی کا مدعا جان لیا تھا۔

"اور بلا معاوضہ" جینی کھل اٹھی "میرا یہی لباس کام دے جائے گا یا کوئی اور پہن لوں؟"

سنان سوچ میں پڑ گیا۔ صرف دوستی اور رفاقت کی حد تک وہ صنف نازک سے میل جول کا قائل تھا مگر اس سے آگے جانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ سیاحت کے بھی چند اصول ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کم از کم سنان کے لیے یہ تھا کہ صرف

صنف نازک کی بندش سے اس کے پاؤں کسی ایک جگہ رکنے نہ پائیں۔ کہیں رک جانے سے تو سیاحت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا تھا۔ سفر کا مطلب ہے لگا تار حرکت اور جب قدم رکنے پر مائل ہوں تو ——— نہیں!

اس نے جینی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ اسے اس وقت دیکھ کر کوئی بھی اس کے "پیشے کا تعین نہیں کرسکتا تھا۔ ایک ایسا پیشہ جس کا نام لیتے ہی زبان رکنے لگتی ہے۔

جینی میں نے آج صبح لودر کا عجائب گھر دیکھنے جانا ہے۔ ظاہر ہے تم دقیانوسی تصویریں اور شکستہ مجسمے دیکھنا پسند نہیں کرو گی۔"

"ظاہر ہے——" جینی نے آہستہ سے کہا۔ اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔ سنان کے دل میں چھپے ہوئے چور نے پول کھول دیا "تم اگر پاسکل سے ملنا پسند کر سکتے ہو تو پھر جینی نے کیا قصور کیا ہے؟ یہی نا کہ تم ایک ایسی لڑکی کے ساتھ باہر نہیں جانا چاہتے جو سوسائٹی کی نظروں میں بیچ ہے۔"

" دیکھو جینی—— " سنان نے ارداہ بدل لیا "میں پچھلے پہر واپس آؤں گا اور پھر ہم دونوں باہر گھومنے چلیں گے۔"

" ہاں ضرور——— " جینی کا آزردہ چہرہ دمک اٹھا "میں آج "کام" سے بھی چھٹی کر لونگی۔" اگرچہ پیرس میں مختصر قیام کے دوران میں اسے بیشمار دلچسپ ہستیوں سے پالا پڑا تھا مگر جانے کیوں سنان اس شہر میں اکتاہٹ اور بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ اس بوسیدہ مکان میں برسوں سے مقیم ہے جینی اور میڈم ژی سے اس کی پرانی شناسائی ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ کم از کم آج تمام دن پیرس کی تاریخی عمارتوں اور مشہور مقامات دیکھنے میں گزارے گا۔ وطن واپس جا کر دوستوں کے سامنے اس کا حشر ظہور جیسا نہ ہو۔

اس کا ایک قریبی دوست ظہور امریکہ سے واپسی پر پیرس میں ایک روز قیام کرنے کے بعد جب وطن لوٹا تو یار دوستوں نے اس کی دعوت کی۔ فخر نے جو ان سب میں سے زیادہ پڑھا لکھا ور دنیا گھومے ہوئے تھا پوچھ لیا "یار ظہور پیرس میں کیا کیا دیکھا؟" اب ظہور جو رات کے کسی پہر پیرس پہنچا تھا اور صبح سویرے کراچی کی فلائٹ پر سوار ہو گیا تھا قدرے گھبرا گیا کہنے لگا "یار بہت کچھ دیکھا ہے۔ نہایت عمدہ شہر ہے۔ ہر طرف فرانسیسی ہی نظر آتے ہیں—— زبان بھی فرانسیسی ہی بولتے ہیں" فخر نے یونہی ہانک دی۔ "مسجد قرطبہ بھی دیکھی؟" ظہور نے فٹ جواب دیا "میں نے تو صبح کی نماز بھی وہیں پڑھی تھی" اسی طرح ایک اور دوست مصطفیٰ شکاگو سے واپسی پر اکثر ان خوبصورت دوپہروں کا ذکر کرتا جب وہ مہوشوں کے ہمراہ سمندر کے ساحل پر غسل کیا کرتا تھا یار لوگوں پر خوب رعب پڑتا۔ حالانکہ شکاگو کے ساتھ سرے سے سمندر ہے ہی نہیں بلکہ ایک وسیع جھیل ہے۔ بہرحال سنان اس قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ آج پیرس کے تاریخی مقامات دیکھنے کے بعد وہ کل ہسپانیہ چلا جائے گا۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ نیچے ہال میں آ گیا اور باہر جانے کو تیار تھا کہ میڈم ژی سے مٹھ بھیڑ ہو گئی۔ سنان اپنی قسمت کو کوستا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"رات بڑی دیر تک جینی کے کمرے میں موسیقی کی دھنیں بجتی رہیں۔ مشرقی موسیقی کی دھنیں" میڈم ژی نے بڑی معنی خیز مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کہا۔

"کون جینی؟" سنان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

میڈم ژی نے اندھیرے میں جو تیر پھینکا تھا وہ نشانے پر نہ بیٹھا چنانچہ اس نے بات بدلی اور زمانہ جوانی کی ایک بھولی بسری ادا تازہ کرنے کی کوشش میں لب سکیڑ کر کہنے لگی۔

"تم اس مکان میں رہنے والے تمام کرایہ داروں سے بالکل مختلف شخصیت کے حامل ہو۔"

"پاکستانی ہونے کی وجہ سے شاید!" سنان نے ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے پوچھا "نہیں نہیں" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"میرے نقش و نگار میں کوئی خامی ہے کیا؟" اس نے طنزیہ انداز میں اپنی ناک پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت ہی دل کش ہیں" میڈم ڈی نے اپنی چپٹی ناک سکیڑی۔

"پھر؟" سنان کے چہرے پر بیزاری تھی۔

"تم دو روز سے یہاں مقیم ہو۔ کل صبح سویرے اٹھ کر شہر چلے گئے تھے اور پھر سرشام واپس آکر سو رہے تھے۔ آج بھی اتنی سویرے تیار ہو کر باہر جا رہے ہو۔"

"اس میں کونسی عجیب بات ہے؟"

"تم پیرس میں ہو نوجوان" میڈم ڈی نے دونوں آنکھیں میچ کر چنچل بننے کی کوشش کی "تمہیں تو چاہئے کہ صرف سرشام ہی باہر نکلو۔ تمام شب کسی شوخ جگہ میں بسر کرو مثلاً مالن روژ' لیڈو' کریزی ہارس یا فالیز کی شبینہ کلب میں ـــــ اور پھر ـــــ صبح سویرے ایک چھوٹی سی موٹی سی عورت بغل میں دابے اپنے کمرے میں لوٹ آؤ"

چھوٹی سی موٹی سی عورت کی اصطلاح غالباً فرانسیسی سے مستعار لی گئی تھی۔

"میں ایسی رومانی مہم جوئی کے لیے موزوں نہیں ہوں" سنان نے جان چھڑانے کی غرض سے کہا اور پھر اس سے پیشتر کہ میڈم ڈی کوئی اور نادر مشورہ دیتی وہ مکان سے باہر آچکا تھا۔

آج پیرس کا آسمان گھنے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور بارش کے آثار تھے۔ خنکی بھی قدرے بڑھ گئی تھی۔ گلی میں خلاف معمول بہت کم لوگ تھے۔ قہوہ خانوں کے باہر فٹ پاتھ پر پڑی کرسیاں بھی خالی پڑی تھیں اور ان کے دروازوں پر خنکی اور متوقع بارش کے پیش نظر پردے ڈال دیئے گئے تھے۔ سنان نے اپنے بازو پر پڑی ہوئی سفید برساتی پہن لی اور کالر اوپر کر کے لوور کے عجائب گھر کی جانب پیدل ہی چل دیا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد جب وہ تولیریز کے وسیع اور خوبصورت باغ کے پہلو میں واقع لوور کی پر شکوہ عمارت کے صدر دروازے پر پہنچا تو وہاں کھڑے دربان نے اسے بتایا کہ

آج ہفتہ وار چھٹی ہے اس لیے عجائب گھر بند رہے گا۔ کل تشریف لائیے۔

"واقعی انگریز فرانسیسیوں کے بارے میں درست کہتے ہیں" سنان نے مایوس ہو کر سوچا "ان مینڈکوں جیسا کہ انگریز انہیں پکارتے ہیں' کی ہر بات الٹی ہوتی ہے۔ ان کی ڈبل روٹی واہیات حد تک لمبی ہوتی ہے۔ گز دو گز لمبائی معمولی بات ہے ملاقات پر ایک دوسرے کو نہایت بے شرمی سے گالوں پر چومتے ہیں (جنگ کے دوران میں جب فرانسیسی صدر نے چرچل کے گالوں پر چٹاخ چٹاخ بوسے رسید کیے تو انگریزوں کے چہرے کئی دنوں تک سرخ رہے)۔ "جنسی اختلاط" کا ذکر کرتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے۔ کھانے کے معاملے میں بھی بیحد خوش خوراک واقع ہوتے ہیں مینڈکوں کے ساتھ ساتھ گھوڑے بھی کھا جاتے ہیں اور پھر ـــــ جیسا کہ آج ثابت ہوا تھا اپنے عجائب گھر کسی مناسب دن مثلاً اتوار وغیرہ کی بجائے منگل کے روز بند کرتے ہیں۔"

"اب کیا کیا جائے؟" اس نے یونانی ستونوں کے لمبے برآمدے میں کھڑے ہو کر سوچا۔

بوندا باندی شروع ہو چکی تھی اور تولیریز کا باغ ہلکی پھوار میں بھیگ رہا تھا۔ پھولوں کے تختے اور شاہ بلوط کے درخت اور بھی نکھر آئے تھے۔

"دریائے سین کے کسی خوبصورت پل کے نیچے بیٹھ کر بارش کا نظارہ کیا جائے بارش تھمنے پر کوئی اور پروگرام بنایا جائے گا" اس نے فیصلہ کیا اور لوور کی عمارت سے نکل کر سامنے کنکورد کے وسیع و عریض چوک میں آگیا جہاں برہنہ عورتوں کے مجسموں پر آویزاں پانی کے تھالوں میں سے درجنوں فوارے ابل رہے تھے۔ چوک کی دوسری جانب دریائے سین کا سب سے خوبصورت پل "سکندر سوئم" تھا جس کے پہلو میں سے نیچے دریا کی سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ سنان نیچے اتر گیا۔

پل کے نیچے پہنچنے پر معلوم ہوا کہ وہاں بیٹھ کر بارش سے لطف اندوز ہونے کا لاجواب خیال اس سے پہلے اور لوگوں کے ذہن میں بھی آچکا تھا جو اب وہاں جمع تھے۔ مچھلی کے شکار پر آئے ہوئے بوڑھے فرانسیسی' نکمے آوارہ گرد ' امریکی سیاح

اور پھر پیرس کا ٹریڈ مارک یعنی ایک دوسرے کی باہوں میں لپٹے ہوئے دنیا و مافیہا سے بے خبر نوجوان جوڑے۔

جس سکون کی خاطر سنان آیا تھا وہ یہاں مفقود تھا۔ اس نے بے ترتیب ہجوم پر ایک نظر ڈالی اور پھر سیڑھیاں طے کر کے واپس سڑک پر آ گیا۔

دریا کے پار نپولین کا مقبرہ "آنوالید" نظر آ رہا تھا جہاں ایک عالی شان ہال کی دیواروں پر وہ تمام جھنڈے آویزاں ہیں جو نپولین نے اپنی عظیم جنگی کامیابیوں کے دوران میں مفتوح فوجوں سے چھینے تھے۔ کہتے ہیں نپولین کو ایسے جھنڈے اور پرچم جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ یہی شوق اسے کشاں کشاں ماسکو لے گیا۔ واپسی پر وہ ایک دو روسی جھنڈے بھی لے کر آیا مگر اس ہال میں آویزاں جھنڈوں سے دگنے روسیوں کے ہاتھوں گنوا بیٹھا۔ سنان نے سوچا کہ اور کچھ نہیں تو نپولین کی قبر کی زیارت ہی کر لی جائے۔ کم از کم وہاں بارش سے تو بچاؤ ہو گا۔

"آنوالید" جانے کے لیے سنان سکندر سوئم پل پر آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ پر پیرس کی دلکش عمارتوں سے پرے کلیسا سیکرے کر کے مشرقی گنبد نظر آ رہے تھے۔ وہ پیرس کے آسمان پر بکھرے ہوئے گھنے بادلوں میں سے چھنتی ہوئی پھوار میں بھیگتا' پیرس اور پیرس والوں کو صلواتیں سناتا چلا جا رہا تھا کہ کنکورد چوک کی جانب سے ایک تیز رفتار نیلی سپورٹس کار نکلی۔ چوک کے درمیان بلند فواروں سے ٹکراتے ٹکراتے بچی اور پھر سکندر سوئم پل کا رخ کر لیا۔ سنان جلدی سے فٹ پاتھ سے ہٹ کر پل کے جنگلے کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ نیلی کار سیدھی اس کے پاس آئی اور ایک دھچکے کے ساتھ ساکن ہو گئی۔ ڈرائیور نے کھڑکی کا شیشہ سرکایا۔ سنان کی جانب دیکھا اور پھر ہکلاتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی میں کہنے لگا۔

"پارلے ــــ وو ــــ فرانسے موسیو؟"

"وہ غالباً سنان کے مشرقی خدوخال کی وجہ سے اسے ان لاتعداد الجزائریوں میں سے ایک سمجھ رہا تھا جو پیرس میں آباد ہیں اور اسی لیے فرانسیسی میں گفتگو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"معاف کیجئے گا میں فرانسیسی سے نابلد ہوں" سنان نے انگریزی میں جواب دیا۔

"اوہ بوائے" ڈرائیور کا لہجہ امریکی تھا "خدا کا شکر ہے کہ تم انگریزی بول سکتے ہو میں پچھلے ایک گھنٹے سے کسی ایسے شخص کی تلاش میں تھا۔"

"فرمائیے" سنان جنگلے سے ہٹ کر کار کے پاس چلا آیا۔

"دراصل میں لوور عجائب گھر کا رستہ دریافت کرنا چاہتا ہوں ــــ وہ مونا لیزا والا ــــ" اس نے باچھیں کھلا کر مونا لیزا کی مشہور زمانہ مسکراہٹ کی بھدی نقل اتارتے ہوئے پوچھا۔

"کنکورد چوک کے جن فواروں سے آپ ٹکراتے ٹکراتے بچے ہیں ان کے دائیں ہاتھ پر چلے جائیں ــــ ویسے لوور میں آج ہفتہ وار تعطیل ہے ــــ میں وہیں سے ہو کر آیا ہوں۔"

"اوہ ڈیم" ڈرائیور نے مایوسی کے عالم میں اپنی ران پر ایک زوردار گھونسا رسید کیا اور زیر لب بڑبڑانے لگا "ہائے مونا لیزا کی مسکراہٹ ــــ"

پھوار اب تیز ہو چلی تھی۔

سنان وہاں کھڑے ہو کر بھیگنا نہیں چاہتا تھا اس لیے آگے چل دیا۔

امریکی نے بھی کار سٹارٹ کی اور سنان کے پیچھے پیچھے فٹ پاتھ کے ساتھ چلانے لگا۔

"اے بھائی ــــ تم ہندوستانی ہو؟" امریکی نے کار میں سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔

سنان جھلا کر کھڑا ہو گیا۔ امریکی نے بھی فوراً کار روک لی۔

"میں پاکستانی ہوں۔ سمجھے؟ پاکستانی!" یہ کہہ کر سنان پھر چلنے لگا۔

امریکی اب پھر اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔

"اے بھائی پاکستانی ــــ" امریکی نے دانت نکالتے ہوئے کہا "اگر تمہیں فرصت ہے تو میرے ساتھ کار میں بیٹھ جاؤ اور نپولین کے مقبرے تک میری راہنمائی کرو"

سنان کو فرصت ہی فرصت تھی۔ اگرچہ نپولین کے مقبرے کا گنبد بالکل سامنے دکھائی رہا تھا لیکن صرف بارش سے بچنے کی خاطر اس نے یہ دعوت قبول کر لی اور کار میں بیٹھ گیا۔

امریکی کا نام پیری تھا اور وہ جرمنی میں متعین امریکی فوج میں دو سال کی ڈیوٹی پوری کر کے وطن جانے سے قبل یورپ کی سیر پر نکلا ہوا تھا۔ اکثر امریکی سیاح کی طرح وہ بھی سات روز میں سات یورپی ملک دیکھ ڈالنا چاہتا تھا۔

"مجھے ہمیشہ سے ہی افریقہ کے بارے میں جاننے کا بیحد اشتیاق رہا ہے"

امریکی کہہ رہا تھا "ببر شیر۔ ہاتھی وغیرہ"

سنان کا موڈ خراب ہو گیا۔ اس کا گندمی مائل رنگ اتنا بھی گندمی نہ تھا کہ اس پر ایک حبشی ہونے کا گمان ہو۔

"کبھی افریقہ جانے کا اتفاق نہیں ہوا" سنان نے منہ بنا کر کہا۔

"ہائیں" امریکی نے حیران ہو کر منہ کھول دیا "یہ پاکستان وغیرہ ادھر نہیں ہے کیا؟؟"

"ہماری مغربی سرحدیں ایران اور افغانستان کو چھوتی ہیں" سنان نے وضاحت کرنا چاہی۔

"آہا—— ایف گانس ٹان—— کا نام میں نے سن رکھا ہے بلکہ میں تو وہاں کی جڑی بوٹیوں کا بیحد شیدائی ہوں۔"

"کس قسم کی جڑی بوٹیاں؟؟"

"چرس—— حشیش——" امریکی نے آنکھیں گھماتے ہوئے جواب دیا اور ساتھ ہی کار فٹ پاتھ کے ساتھ روک لی "ایک دم لگا لیں پھر نپولین سے بھی مل لیں گے۔"

سنان خاموشی سے امریکی کو دیکھتا رہا۔ شکل سے ہی کریک لگتا تھا۔

امریکی نے کار کے کمپارٹمنٹ میں سے ایک سرخ ہنڈیوں والا ایک لمبا پائپ نکالا

اور پھر کوٹ کی اندرونی جیب میں سے ایک چمڑے کی پوٹلی نکالی۔ پوٹلی میں کالے رنگ کے تمباکو سے ملتی جلتی کوئی چیز تھی جسے انگلیوں سے اچھی طرح مسل کر اس نے پائپ میں رکھا اور ماچس سے سلگائی۔ ایک انجانی اور ناگوار قسم کی بو کار میں پھیل گئی۔ سنان کو ہرات کا ہوٹل بہزاد یاد آ گیا جس کے کمروں میں اس قسم کی بو ہوا کرتی تھی، ہوٹل کے ہال میں ایک بورڈ پر سیاحوں کو متنبہ کیا گیا تھا "یہاں چرس پینا تقریباً منع ہی سمجھیں۔"

امریکی نے ایک لمبا کش لگایا اور ساتھ ہی اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیرنے لگے۔

"کم بخت چرسی ہے" سنان کو کراہت آ گئی۔

امریکی نے ایک اور کش لگایا اور پائپ کو دونوں ہاتھوں میں بیحد احتیاط سے ایسے پکڑا جیسے وہ کوئی نادر قسم کا کبوتر ہو جس کے اڑ جانے کا احتمال ہو اور سنان کی طرف بڑھا دیا۔

"ڈریگ لو گے؟؟"

یورپی چرسیوں کی زبان میں ڈریگ کا وہی مطلب ہوتا ہے جو پنجابی میں "یار سوٹالا" کا ہوتا ہے۔

"ڈریگ تو نہیں البتہ مہربانی کر کے مجھے یہیں ڈراپ کر دیجئے" سنان نے باہر نکلنے کی نیت سے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں یار" امریکی ایک دم گڑگڑانے لگا۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ میں اکیلا رہ جاؤں گا اور نپولین کا مزار نہیں دیکھ پاؤں گا—— ہائے نپولین" اور ساتھ ہی سنان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اوہو عجیب مصیبت ہے" سنان کو بیحد غصہ آ رہا تھا "میرا تو اس بدبو سے دم گھٹا جا رہا ہے۔"

"میں کار کی کھڑکیاں کھول دیتا ہوں—— دروازے کھول دیتا ہوں—— بانٹ

کھول دیتا ہوں۔ ہر چیز کھول دیتا ہوں" امریکی نے بیحد سست روی سے کار کی ایک کھڑکی کا شیشہ آہستہ آہستہ نیچے کر دیا اور باہر پھونکیں مارنے لگا جیسے کار میں جمع دھوئیں کو باہر نکال رہا ہو۔

"مجھے بیحد افسوس ہے—— بے حد—— ہو ہو" امریکی بڑبڑا رہا تھا۔

"لیکن میرا خیال تھا کہ تمام ایشائی چرس ضرور پیتے ہیں—— نپولین بھی پیتا تھا—— جوزفین بھی——" وہ رک رک کر بیحد آہستہ بات کر رہا تھا جیسے اسے بولنے میں وقت پیش آ رہی ہو۔

سنان اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ یہ مصیبت مول لے لی اس سے بہتر تھا کہ باہر بارش میں ہی کھڑا بھیگتا رہتا۔

"سب کچھ رنگین ہے۔ ایسے ایسے رنگ جو عام آدمیوں کو کبھی بھی دکھائی نہیں دیتے۔ میں ان زمانوں میں سیر کر رہا ہوں جب پیرس کی تاریخی عمارتیں تعمیر ہو رہی تھیں۔ فرانسیسی بادشاہ میرے حضور میں کھڑے ہیں۔ یہ موٹا آدمی چارلس ہے۔ وہ ہنری ہے۔ ادھر لوئی اونگھ رہا ہے اور وہ کونے میں جو ٹھگنا سا شخص کھڑا ہے وہ نپولین ہے—— ہائے نپولین" امریکی جھوم رہا تھا۔

اب اگر سنان چاہتا تو بڑی آسانی سے کار سے نکل کر اس چرسی چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا مگر ایک تو باہر ابھی تک بارش ہو رہی تھی اور دوسرے اسے اس امریکی پر ترس بھی آ رہا تھا۔ اس نے جیب سے سگرٹ نکال کر سلگانا چاہا۔

"میں جلا دیتا ہوں میرے دوست—— میں تو تمہارا خادم ہوں۔" امریکی نے کانپتے ہاتھوں سے ماچس میں سے دیا سلائی نکالی اور جلانے کی کوشش کرنے لگا۔ سنان کافی دیر تک سگرٹ انگلیوں میں لیے بیٹھا رہا مگر امریکی سے ماچس نہ جل سکی۔ سنان نے خود ہی سگرٹ جلا لیا۔

"جل گئی" امریکی نے ایک دم نعرہ لگایا۔ اس کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی دیا سلائی تھی "سگرٹ سلگا لو میرے دوست"

سنان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"شکریہ—— لیکن میں سگرٹ جلا چکا ہوں۔"

"ایک مرتبہ پھر جلا لو بلکہ دو مرتبہ' تین مرتبہ' چار——" اس نے باقاعدہ گردان شروع کر دی یہاں تک کہ جلتی ہوئی دیا سلائی اس کی انگلیوں میں پہنچ کر راکھ ہو گئی۔

"تمہاری انگلی تو نہیں جلی" سنان نے امریکی سے پوچھا جو اسی طرح جلی ہوئی دیا سلائی انگلیوں میں دبائے بیٹھا تھا۔

"انگلی—— کون سی انگلی—— میری کوئی انگلی نہیں ہے۔"

"کم از کم یہ دیا سلائی تو باہر پھینک دو" سنان نے جھلا کر کہا۔

"دیا سلائی باہر پھینک دوں تو تم سگرٹ کیسے جلاؤ گے——"

جلا لو میرے دوست——" اس نے دیا سلائی کا جلا ہوا ٹکڑا سنان کے آگے کر دیا۔ سنان نے جان چھڑانے کی غرض سے اپنا جلتا ہوا سگرٹ بجھی ہوئی دیا سلائی سے چھو لیا۔

"شکریہ! شکریہ!" امریکی نے کئی مرتبہ جھک جھک کر کہا اور پھر ایک مرتبہ اور جھکا تو وہیں ڈھیر ہو گیا اور اونگھنے لگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد اسے ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں جو ابھی تک سرخ تھیں اور سنان کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"بڑی اعلیٰ کوالٹی کی تھی—— اسی لیے نشہ زیادہ آ گیا تھا" اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا "مجھے پانچ منٹ کی مہلت دو میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا" اس کے لہجے میں معذرت تھی۔

"جہاں پچھلے پچاس منٹ وہاں پانچ منٹ اور سہی۔" سنان نے ایک اور سگرٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"سگرٹ کی راکھ مت جھاڑنا" امریکی نے مشورہ دیا۔

"وہ کیوں؟"

"اس سے نشہ کم ہو جاتا ہے۔"

"اس سگرٹ میں عام قسم کا تمباکو ہے چرس نہیں۔"

"ٹھیک کہتے ہو" امریکی نے سر ہلا کر تائید کی "ویسے چرس کے سگرٹ کی راکھ جھاڑنے سے یقیناً نشہ کم ہو جاتا ہے۔"

تھوڑی دیر میں امریکی بالکل نارمل ہو چکا تھا یا کم از کم وہ اس بات کا دعویٰ ضرور کر رہا تھا۔

اس نے سنان سے اپنے رویے کی بھرپور معذرت کی اور کار سٹارٹ کر دی۔ سنان کو خدشہ تھا کہ شاید چرس کے اثرات کی بنا پر وہ کار ٹھیک طرح نہ چلا سکے لیکن اس کے خدشات بے بنیاد ثابت ہوئے۔ امریکی بڑی اچھی کار چلا رہا تھا اور بالکل نارمل ہو چکا تھا۔

"دائیں ہاتھ پر نپولین کے مقبرے کو سڑک جاتی ہے" سنان نے آنوالید کے گنبد کی جانب اشارہ کر کے اسے بتایا۔

امریکی نے فوراً کار روک لی اور پھر جیب میں سے ایک ڈائری نکالی جس کے ایک صفحے پر کچھ اس قسم کی فہرست تھی۔

"شہرِ پیرس"

(۱) آئفل ٹاور (۲) نپولین کا مقبرہ (۳) نیویارک کے مجسمہ آزادی کا اصلی ماڈل'
(۴) امریکن ایکسپریس سے ڈاک کی وصولی (۵) دریائے سین
(۶) کلیسا نوٹرڈیم (۷) مالن روژ کا شبینہ کلب (۸) مونا لیزا
(۹) شانزے لیزے کے کسی قہوہ خانہ میں کافی پینا اور فرانسیسیوں کو گھورنا
نوٹ: اگر ہو سکے تو کسی فرانسیسی "چنچل" لڑکی کے ساتھ اٹھکیلیاں۔

دوسرے صفحوں پر بھی اس قسم کی فہرستیں "خونی برلن" "رومنوں کا روم" اور "شیکسپئر کا لنڈن" کے عنوانوں تلے درج تھیں۔ جن نمبروں پر نشان تھے وہ شاید اس نے دیکھ ڈالے تھے۔

"بس دیکھ لیا" اس نے نپولین کے مقبرے کے آگے بھی لکیر کھینچ دی اور کار سٹارٹ کر لی۔

"دریائے سین" اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور فوراً آئٹم نمبر پانچ پر بھی لکیر کھینچ دی "بس اب نمبر ایک اور نو رہ گئے ہیں اور پیرس مکمل ہو جائے گا مونا لیزا کی تصویر کسی آرٹ کی کتاب میں دیکھ لینے سے گزارا ہو جائے گا۔"

اسی سڑک کے آخر میں جب آئفل ٹاور کے پاس پہنچے تو امریکی نے اس کی تاریخ فر فر سنا دی۔ انجینئر آئفل کا کمال۔ اٹھتر لاکھ طلائی فرانک سے تعمیر کردہ ۹۸۴ فٹ بلند وغیرہ وغیرہ۔

آئفل ٹاور کو دیکھتے ہی سنان کو پاسکل کی یادوں نے آ لیا۔ اس شب وہاں کتنی رونق تھی۔ مگر آج ٹاور کے نیچے کا حصہ بالکل ویران پڑا تھا۔ بارش' اڑتے ہوئے پتے اور فرش پر بھیگے ہوئے اخباروں کے پرزے' تصویری پوسٹ کارڈ بیچنے والوں کے کھوکھے بھی بند پڑے تھے۔ سنان نے سر اٹھا کر دیکھا تو دھند نے ٹاور کا مکمل طور پر گھیراؤ کر رکھا تھا اور پہلی منزل سے بالائی حصہ روپوش تھا۔

"میں برقی لفٹ کے ذریعے ٹاور کی آخری منزل پر جا کر پیرس شہر کا نظارہ کروں گا۔"

امریکی نے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"لیکن بارش اور دھند کی وجہ سے تمہیں وہاں سے کچھ بھی تو دکھائی نہ دے گا۔" سنان نے کھڑکی میں سے جھانک کر کہا۔

"ہاہا۔ یہ تمہارا خیال ہے پاکستانی" امریکی نے کوٹ کی اندرونی جیب کی طرف اشارہ کیا اور ہنس دیا "اس کا ایک کش اور دھند بادل وغیرہ غائب"

"مارے گئے" سنان نے اپنے آپ سے کہا "اب یہ کم بخت پھر کم از کم آدھا گھنٹہ آئفل ٹاور کی چوٹی پر جا کر بے سدھ پڑا رہے گا۔"

لیکن سنان کا خدشہ غلط ثابت ہوا' امریکی پانچ منٹ میں ہی واپس آ گیا اور حسب

معمول اپنی ڈائری جیب سے نکال کر آئفل ٹاور پر لکیر کھینچ دی۔

"وہ دھند اور بادل وغیرہ غائب ہو گئے تھے کیا؟" سنان نے بیوقوفوں کی طرح سر اٹھا کر دریافت کیا۔

"نہیں ـــــ" امریکی ہنس دیا "میں مذاق کر رہا تھا ـــــ دراصل یہ چرس میں نے آج ہی ایک ہپی سے خریدی تھی اور مجھے اس کی بڑھیا کوالٹی کا علم نہ تھا اس لیے یوں اوندھا ہو گیا ورنہ عام طور پر تو جب میں کش لگا کر ڈیوٹی پر جاتا تھا تو میرے کمانڈنگ افسر تک کو علم نہ ہوتا تھا۔"

"تو پھر اس بارش میں دس فرانک برقی لفٹ کے ٹکٹ پر ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ ٹاور کی آخری منزل سے کچھ بھی نظر نہیں آتا؟"

"میں وطن واپس جا کر دوستوں کے سامنے اس بات پر شرمندہ نہیں ہونا چاہتا تھا کہ پیرس بھی گیا اور آئفل ٹاور کی آخری منزل پر جا کر شہر کا دیدار بھی نہیں کیا! سمجھے؟"

سنان نے یونہی سر ہلایا۔ ان امریکیوں کی منطق اس کی سمجھ سے باہر تھی۔

"میں نے نپولین کے مقبرے کے علاوہ آئفل ٹاور تک تمہارا ساتھ دیا ہے ـــــ اب اجازت ہے؟" سنان نے پوچھا۔

"بالکل نہیں ـــــ ابھی تو آئٹم نمبر نو باقی ہے۔ یعنی شانزے لیزے کے کسی قہوہ خانے میں بیٹھ کر کافی پینا اور ـــــ" اس نے لچوں کی طرح سنان کو آنکھ ماری اور قہقہہ لگا کر کہنے لگا "کسی فرانسیسی ـــــ چنچل فرانسیسی لڑکی کے ساتھ ـــــ ہو لالا"

چنانچہ اس نے کار سٹارٹ کر دی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ شانزے لیزے پر تھے۔ آج شانز کا حسن بھی ماند پڑا ہوا تھا۔ فٹ پاتھ ویران پڑا تھا لیکن قہوہ خانوں کے باہر تنی ہوئی قناتوں کے تلے بے شمار لوگ بیٹھے بارش کے رکنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"تم نے چونکہ اپنے ہدایت نامہ پیرس پر عمل کرنا ہے اس لیے تم یہاں ضرور بیٹھ کر کافی پیو ـــــ میں نہیں پینا چاہتا" سنان نے شانزے لیزے کے قہوہ خانوں کی مہنگائی کے تلخ تجربے کی بنا پر انکار کرنا چاہا۔

"یار چرس نہیں پیتے تو کافی تو ضرور پیو ـــــ" امریکی نے اصرار کیا۔ بہرحال ویٹر ان کے آرڈر کا انتظار کیے بغیر ہی کافی لے آیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں بیٹھنے والے اکثر سیاحوں کی فرانسیسی صرف ایک ہی لفظ "کافی" پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اس مشروب کے علاوہ اور کچھ نہیں منگاتے۔

امریکی نے پانچ منٹ میں کافی ختم کی۔ چند لوگوں کو گھورا اور اپنی فہرست کا آخری نوٹ پورا کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا میں تمہیں شوٹ کر لوں؟" امریکی نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

"وہ کس خوشی میں؟" سنان گھبرا گیا۔

"میرا مطلب تمہاری تصویر کھینچنے سے ہے" امریکی نے جیب میں سے سگرٹ کے لائٹر کے حجم کا ایک ننھا منا کیمرہ نکالتے ہوئے کہا۔

سنان کی تصویر کھینچ کر اس نے پھر اپنی ڈائری نکالی اور پیرس کے صفحے پر "پاکستانی پیرس میں ـــــ تصویر کھینچی"

لکھ کر واپس جیب میں ڈالا اور ایک مرتبہ پھر چرس پینے کے بارے میں بھرپور معذرت کر کے پگال کے بدنام علاقے کی طرف چلا گیا جہاں امریکی ڈالر بڑی آسانی سے اٹھکیلیوں میں تبدیل کروائے جا سکتے ہیں۔

○○○

سنان کی پیالی میں ابھی تھوڑی سی کافی باقی تھی۔ بارش اب اتنی تیز نہ تھی۔ کرسیوں اور میزوں کے اوپر تنی ہوئی قنات کے ایک کونے سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ اٹھ کر اندر چلے گئے۔ سنان اس بھیگے ہوئے موسم میں شہر کی تاریخی عمارتیں دیکھنے کے موڈ میں نہ تھا اس لیے وہاں بیٹھا رہا۔ اس نے پیالی اٹھا کر آخری گھونٹ بھرا۔ کافی یخ ہو چکی تھی۔

اسے یاد آیا کہ اس نے آج دوپہر جینی سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ بارش تھم جائے تو پھر چلا جائے اس نے سوچا۔

"اوہ۔ آج کتنی سردی ہے" ایک ٹھٹھرتی ہوئی آواز آئی

اس کے ساتھ والی میز پر ایک خوبصورت لڑکی اپنے ساتھی لڑکے کے سینے پر دونوں ہاتھ جمائے بڑے پیار سے کہہ رہی تھی۔

سنان کو انگلستان سے فرانس آتے ہوئے سٹیمر پر گزاری ہوئی شب یاد آ گئی۔ پاسکل نے بھی تو یہی کہا تھا۔

پیرس کے ایک قہوہ خانے میں بیٹھے ہوئے اس اداس دوپہر سنان کے سینے میں اب صرف مشرقی جذباتیت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ اس کے ذہن میں جینی سے کیا ہوا وعدہ مبہم ہوتا گیا اور پاسکل کے۔کٹے ہوئے بال اور نیلی آنکھیں ابھرنے لگیں۔

اس کے سامنے قہوہ خانوں اور دکانوں کے شوکیسوں میں سے پھوٹتی ہوئی روشنی کی کرنیں گیلے فٹ پاتھ پر منعکس ہو رہی تھیں۔ فٹ پاتھ کے سیمنٹ پر چپکے ہوئے شاہ بلوط کے خزاں رسیدہ پتے کسی جدید مصور کے شاہکار کی صورت میں ابھر رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے درخت اور بھی نکھر گئے تھے۔ سنان اپنی برساتی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے فٹ پاتھ کی گیلی سطح پر نظریں جمائے پاسکل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کاش میں اس شب پاسکل سے اس کے گھر کا پتہ ہی دریافت کر لیتا۔ کم از کم اسے تلاش کر کے اس شب دیر سے آنے کی معذرت تو کر سکتا۔ جانے وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہو گی؟ اس وقت شاید وہ بھی میری ہی طرح اسی شہر میں کہیں اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی باہر برستی بارش کو تک رہی ہو گی؟ ہو سکتا ہے وہ بھی میرے بارے میں سوچ رہی ہو۔

سنان کی نگاہیں گیلے فٹ پاتھ سے ہٹ کر سامنے خلا میں ایک نکتے پر مرکوز ہو گئیں۔ مختلف چہرے اس نکتے کی زد میں آتے اور ایک متحرک سائے کی مانند آگے بڑھ جاتے۔۔۔ بوڑھے فرانسیسی بیری ٹوپیاں پہنے ہوئے۔۔۔ فیشن ایبل نوجوان لڑکیاں جن کے رنگ برنگے چھاتے ان کے ساتھی لڑکوں نے تھام رکھے تھے اور خود بارش میں بھیگتے چلے جا رہے تھے۔۔۔ لمبے بالوں والے ہپی جو موسم کی سختیوں سے بے خبر اپنی دھن میں مگن جھومتے جا رہے تھے۔۔۔ غیر ملکی سیاح جو بارش سے پناہ لینے کی خاطر ہر قہوہ خانے میں جھانکتے اور پھر کوئی جگہ نہ پا کر آگے بڑھ جاتے۔۔۔ بوڑھی عورتیں ہاتھ میں خوراک کے بنڈل تھامے۔۔۔ چہرے گزرتے گئے اور سنان بے دھیانی میں اسی ایک نقطے پر نظریں جمائے گھورتا رہا۔ ایک سیاح۔۔۔ ایک بوڑھی عورت۔۔۔ چند بچے۔۔۔ ایک اور سیاح۔۔۔ ایک لڑکی۔۔۔ ایک اور۔۔۔ پھر ایک چہرہ اس نکتے کی زد میں آیا۔ خوبصورت اور بھولا سا چہرہ۔۔۔ کٹے ہوئے کالے بال اور۔۔۔ اور پھر سنان کی نظروں میں ایران کے سارے آسمان کی نیلاہٹ منجمد ہو گئی۔

"پاسکل" اس کے دھڑکتے ہوئے دل نے دہائی دی۔

وہ ہڑبڑا کر اپنی کرسی سے اٹھ بیٹھا جیسے کسی خواب سے بیدار ہوا ہو۔ اور پھر قہوہ خانے میں بیٹھے لوگوں سے ٹکراتا۔ کرسیوں اور میزوں کو پھلانگتا اندھا دھند گیلے فٹ پاتھ پر بھاگنے لگا۔

"پاسکل" اس نے زور سے پکارا۔

فٹ پاتھ پر چلنے والے تمام لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے مگر وہ ان کی پرواہ کیے بغیر تیزی سے بھاگنے لگا۔ ہاں وہ پاسکل ہی تھی اس کی خالہ اس کے ساتھ تھیں جنہوں نے بارش سے بچاؤ کے لیے پاسکل پر ایک سرخ چھاتا تان رکھا تھا۔ وہ اپنی خالہ کا بازو تھامے نظریں جھکائے آہستہ آہستہ لنگڑاتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ اس نے آج بھی سرخ کوٹ پہن رکھا تھا۔

"پاسکل" سنان نے تقریباً چیختے ہوئے پکارا۔

پاسکل کے لڑکھڑاتے ہوئے قدم فٹ پاتھ پر جامد ہو گئے لیکن اس نے مڑ کر دیکھا نہیں بلکہ وہیں ساکن کھڑی ہو گئی۔ جیسے پتھر کا بت ہو۔

سنان اس کے قریب پہنچا تو اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ پاسکل اسے دیکھتے ہی منہ پھیرلیا۔ لیکن اس کی اس حرکت سے نفرت کی بجائے بے بسی اور لاچارگی کا اظہار ہوتا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس روز وقت پر نہ پہنچ سکا اور——"

"خالہ ان سے ملو یہ سنان ہے!" اس نے اس کی معذرت کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے اپنی خالہ سے تعارف کروایا۔

خالہ نے اسے سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا۔

"ہا" انہوں نے پھنکارتے ہوئے کہا" یہی ہے نا جو لنڈن سے تمہارے ساتھ آیا تھا اور پھر غائب——"

"ہاں ہاں خالہ" پاسکل نے بڑی بے صبری سے خالہ کی بات کاٹتے ہوئے سرہلایا اور پھر خاموشی سے شانز پر رواں ٹریفک پر نظریں جما دیں۔

سنان اور کچھ نہ کہہ سکا صرف اس کے بھولے بھالے خوبصورت چہرے کی طرف دیکھتا رہا جو ایک پژمردہ مگر خوبصورت پھول کی مانند تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد خالہ صاحبہ پھر گویا ہوئیں "تم دونوں اگر یہاں

کھڑے ہو کر بھیگنا چاہتے ہو تو بڑے شوق سے—— مجھے تو بال بنوانے کے لیے ہیئر ڈریسر کے ہاں جانا ہے" اور پھر پاسکل سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں "پاسکل شیری—— گیارہ بجے سے پہلے گھر لوٹ آنا۔ میں تمہارے بستر میں گرم پانی کی بوتل رکھ دوں گی" یہ کہہ کر ایک مرتبہ پھر خالہ نے کڑی نظروں سے سنان کا معائنہ کیا جیسے کہہ رہی ہوں کہ خبردار جو اب میری پیاری بھانجی کا دل دکھانے کی کوشش کی—— اور سرخ چھاتا سنان کے ہاتھ میں تھما کر خود بھیگتی ہوئی فتح کی محراب کی جانب مارچ کرتی چل دیں۔ بارش اب پھر تیز ہو گئی تھی۔ سنان نے جلدی سے اپنی سفید برساتی اتار کر پاسکل کو اوڑھا دی جو اب تک پتھرائی ہوئی نظروں سے شانز پر رواں ٹریفک کو دیکھ رہی تھی۔ سنان نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

"پاسکل خاموش کھڑی رہی۔ پھر اس نے نظریں اٹھا کر سنان کی جانب دیکھا بارش کی بوندیں اس کے بالوں میں سے رس رس کر اس کی پلکوں تک آتیں اور پھر ان میں سے ٹپک کر اس کے گول چہرے پر پھیل جاتیں۔ لیکن اس کی نیلی آنکھوں میں نمی بارش کی وجہ سے نہ تھی۔

سنان اسے سہارا دے کر قہوہ خانے میں لے آیا اور ایک مرتبہ پھر اس شب دیر سے آنے کی بھرپور معذرت کی۔ پاسکل نے برساتی اتار کر کرسی کے بازو پر رکھ دی اور پھر میز پر کہنیاں ٹیک کر فٹ پاتھ کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں نے کہا تھا نا لوگ میرے چہرے سے وقتی طور پر مرعوب ہو کر مجھ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر بیٹھتے ہیں اور بعد میں انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوتا ہے تو وہ اپنا ارادہ بدل دیتے ہیں" اس کی نظریں گیلے فٹ پاتھ پر مرکوز تھیں اور وہ رک رک کر باتیں کر رہی تھی "تم پہلے شخص نہیں ہو جس نے یہ رویہ اختیار کیا ہے۔ دریائے سین کے کنارے اکیلے چلنے کی مجھے عادت ہو گئی ہے اس شب بھی میں وہاں اکیلی ہی گھومتی رہی۔

"میں نے اپنا ارادہ تبدیل نہیں کیا تھا" سنان نے پاسکل کے خنک ہاتھ پر اپنے

ہاتھ رکھ دیئے۔

"تو پھر تم کل شام سین کے کنارے پر کیوں نہیں چلے آئے۔ تمہیں معلوم تو کہ میں ہر شب وہاں جاتی ہوں" اب اس کی نظریں فٹ پاتھ سے ہٹ کر میز پر پڑے چمکدار مینو کارڈ پر جمی تھیں۔ سنان کو خدشہ تھا کہ ابھی ابھی کارڈ پر اس کے گرم آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگیں گے۔

"کل شام——" سنان سوچ میں پڑ گیا—— "بہرحال آج میں نے ارادہ کر رکھا تھا کہ میں تمہیں تلاش کرنے کے لیے دریائے سین کے کنارے پر ضرور جاؤں گا۔"

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ تم نے کوئی انہونی بات تو نہیں کی۔ انہونی بات تو تب ہوتی اگر میرا باقی جسم بھی میرے چہرے کی طرح دل کش اور متناسب ہوتا اور پھر تم مجھ سے ملنے نہ آتے"

"پاسکل" سنان نے بیحد نرمی سے کہا "تمہارے اندر خود اذیتی کی عادت نے گھر کر لیا ہے تمہیں ہر وقت اپنی جسمانی خامی کا احساس رہتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس میں ان بیشمار لوگوں کا بھی قصور ہے جو انجانے میں تمہاری دل آزاری کا مرتکب ہوتے ہیں اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اس سے قبل بھی تمہاری زندگی میں ایسے لمحے ضرور آئے ہوں گے جب تم نے سچے جذبات کو اسی خود اذیتی کے احساس کے تحت ظاہرہمدردی سمجھ کر ان سے منہ موڑ لیا ہو۔"

"پاسکل بدستور مینو کارڈ پر نظریں جمائے بیٹھی رہی۔

"اور تم اب بھی ایک ایسے ہی لمحے سے گزر رہی ہو"

اس نے ایک لمحہ کے لیے سنان کی جانب دیکھا اور پھر نظریں مینو کارڈ پر جما دیں

"میرا یہ بھی خیال ہے کہ میرا چہرہ اس مینو کارڈ سے تو خوش شکل ہے جسے تم پچھلے دس منٹ سے محبت بھری نظروں سے دیکھے جا رہی ہو۔"

پاسکل کے ہونٹ لرزنے لگے اور پھر ان پر ایک خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی اس نے نظریں مینو کارڈ سے اٹھائیں تو بھیگی بھیگی آنکھوں کی نیلاہٹ اور گہری ہو گئی۔

تم اس روز مجھے ملنے نہ آئے تو مجھے بیحد مایوسی ہوئی—— میں نے سٹیشن سے گھر پہنچ کر جب خالہ سے تمہارا ذکر کیا تو وہ کہنے لگیں" اسے ملنے نہ جاؤ پاسکل ہمدردی اور رحم کے جذبات کو کسی اور پہلو سے دیکھنے کی کوشش تمہیں پہلے سے بھی زیادہ دل برداشتہ کر دے گی" میرے اصرار پر وہ مجھے خود آئفل ٹاور تک چھوڑنے آئیں۔ میں وہاں ایک کونے میں کھڑی تمہارا انتظار کرتی رہی۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی سہارے کے بغیر زیادہ دیر تک کھڑی نہیں رہ سکتی۔ مایوس ہو کر میں ٹاور کے سامنے والے پل کے ساتھ اترتی ہوئی سیڑھیوں پر سے دریائے سین کے کنارے چلی گئی اور وہاں ایک بنچ پر اس امید پر بیٹھی رہی کہ شاید تم مجھے تلاش کرتے کرتے وہاں تک آجاؤ۔ اس روز مجھے اپنے اپاہج پن کا شدت سے احساس ہوا۔"

"ان سطحی اور عامیانہ احساسات کو بھول جاؤ پاسکل۔ تمہیں اب تو معلوم ہو گیا ہے نا کہ اس روز میں صرف تمہیں ملنے کی خاطر آئفل ٹاور تک آیا تھا۔ رہائش کی تلاش میں مجھے تاخیر ہو گئی تھی یہ علیحدہ بات ہے مگر میں صرف پاسکل کو—— ایک ایسی لڑکی کو ملنے آیا تھا جو مجھے بیحد اچھی لگی تھی اور——"

"اچھی لگی تھی——؟"

"ہاں اب بھی اچھی لگے اگر وہ آنسو بہانے کی بجائے مسکرا دے اور اپنے آپ کو اذیت پسندی کے جال سے چھڑا کر اس خوبصورت شہر میں قیام کے دوران میں میرا ساتھ دے۔"

"وعدہ؟" پاسکل نے بچوں کی طرح سرہلا کر پوچھا اور اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی آنکھوں کی نیلاہٹ دھلنے سے اور بھی نکھر آئی تھی۔

"بالکل وعدہ" سنان نے بھی اسی طرح سرہلایا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پاسکل اپنے سرخ کوٹ کے کالر سے کھیل رہی تھی۔

"کیا یہیں بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے؟" سنان نے شولری کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے جھک کر کہا۔ "محترمہ پہلے آپ۔"

OOO

پیرس کی اس بھیگی ہوئی شب کو پاسکل زندگی میں پہلی مرتبہ سین کے خوبصورت کناروں پر اکیلی نہ تھی۔ سنان نے اسے سہارا دے رکھا تھا اور وہ اپنی پوری ہمت سے کام لیتے ہوئے لنگڑائے بغیر چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا سر سنان کے کندھے کے ساتھ لگا تھا اور وہ بیحد خوش نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ دم لینے کے لیے رکتی۔ سر اٹھا کر سنان کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرا دیتی اور پھر چلنا شروع کر دیتی۔ سنان نے اس کے سرخ کوٹ کا کالر اٹھا کر اپنا ہاتھ اس کی گردن پر رکھ دیا۔ پاسکل نے ایک جھرجھری سی لی۔

"تمہارا ہاتھ بیحد سرد ہے۔"

سنان نے پاسکل کے جسم کی ہلکی تھرتھراہٹ محسوس کی اور فوراً ہاتھ باہر نکال لیا۔

"نہیں نہیں" پاسکل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر اپنی گردن کے پیچھے رکھ لیا۔

"رہنے دو مجھے اچھا لگتا ہے۔" اور پھر مسکرانے لگی۔

"کیوں کیا بات ہے——؟"

"بس یونہی——"

"یونہی کیا؟"

"مسکرانے پر بھی پابندی ہے کیا۔"

"اب ہر کام اکیلے کرنے پر پابندی ہے۔ سین کے کناروں پر گھومنے سے لے کر مسکرانے تک۔"

"مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری خالہ نے غلط کہا تھا۔ اس وقت جن جذبات کی آنچ مجھ تک پہنچ رہی ہے ان میں صرف ہمدردی اور رحم ہی نہیں——"

"ہوں" سنان نے ہولے سے کہا اور مسکرا دیا۔

ان کے دائیں اور بائیں شہر کے دونوں حصوں کو دریائے سین کے اوپر تعمیر کردہ متعدد مرصع و مرقع پل ایک دوسرے سے ملا رہے تھے۔ یہ خوبصورت پل فرانسیسی طرز تعمیر کے خوبصورت شاہکار ہیں۔ ان کے آہنی محراب ان پر نقش بیل بوٹے اور درختوں مجسمے بے حد دیدہ زیب ہیں۔ پلوں پر روشنی کے لیے قدیم طرز کے کھمبے نصب ہیں جن سے پھوٹتی ہوئی ہلکی روشنیاں اب سین کے گدلے پانی پر منعکس ہو رہی تھیں۔ فرانسیسی موسیقاروں نے جہاں اپنے نغموں میں پیرس کے ماہ اپریل کے نکھار اور پھر موسم خزاں کی اداس شاموں کی تعریفوں کے پل باندھے ہیں وہاں انہوں نے دریائے سین کے ان پلوں کی مدح میں بھی "پیرس کے پلوں تلے" جیسی شہرہ آفاق دھنیں تخلیق کی ہیں۔ ایسی لازوال دھنیں جنہیں سن کر خوبصورتی کا ایک ہمہ گیر احساس روح میں جذب ہو جاتا ہے۔

وہ دونوں جب کبھی کسی پل کے نیچے سے گزرتے تو اوپر سڑک پر چلنے والے لوگ پاسکل کو لنگڑاتے دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے ٹھٹھک جاتے اور جب انہیں احساس ہوتا کہ وہ کسی حادثے کا شکار نہیں ہوئی۔ بلکہ ویسے ہی اپاہج ہے تو ان کے چہرے ان تمام جذبات کا آئینہ بن جاتے جن کے خدشے کا اظہار پاسکل کر چکی تھی—— بوڑھیاں کھسر پھسر کرتیں اور جوان لڑکیاں——

لیکن پاسکل ان رحم بھری نظروں سے بے نیاز سنان کے کندھے پر سر رکھے آج صرف سین کے گدلے پانی کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو کہ اے ازلی سین مجھے جی بھر کر دیکھ لو۔ میں آج تمہارے کناروں پر اکیلی نہیں ہوں۔

سنان کا خنک ہاتھ اب پاسکل کی گردن کی تمازت سے اس کے جسم کا ایک حصہ بن چکا تھا۔ وہ آج اس خوبصورت لڑکی کو سہارا دیتے ہوئے عجیب سی لذت محسوس کر

رہا تھا۔ جیسے ہمدردی اور پیار کے اس حسین امتزاج کے بغیر اب تک اس کی زند غیر مکمل رہی ہو۔ جیسے وہ اتنے طویل فاصلے آج کی شب دریائے سین کے کنارے اس اپاہج لڑکی کو سہارا دینے کے لیے ہی طے کر کے آیا ہو۔

ان کے بائیں ہاتھ پر ہر چند منٹ کے وقفے کے بعد سیاحوں سے بھری ہوئی کروز کشتی سین کے پانیوں کو چیرتی ہوئی گزر جاتی۔ ان کی چھتیں ایمسٹرڈیم کی نہروں میں چلنے والی کشتیوں کی مانند شیشے کی تھیں اور باہر سے کشتی کا اندرونی حصہ اور اس میں سوار مسافر بخوبی نظر آتے تھے۔ ایک اور کشتی گزری جسے پانی میں رواں ایک چلتا پھرتا رستوران کہا جائے تو بجا ہو گا۔ کشتی کے چاروں طرف رنگ برنگے قمقمے لٹک رہے تھے۔ لوگ شیشے کی چھت تلے بارش سے محفوظ دریائے سین کے کناروں پر واقع تاریخی مقامات دیکھنے کی بجائے ناؤ نوش میں مصروف تھے ویٹر خوراک کی طشتریاں ہاتھوں پر اٹھائے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ چند نوجوان جوڑے ہلکی بارش کی پروا کیے بغیر عرشے پر محو رقص تھے۔

"میرا جی چاہتا ہے کہ کبھی میں بھی ایسے کشتی نما ریستوران میں سوار ہو کر سین کی سیر کروں اور——" وہ رک کر بولی "لیکن—— میں تو رقص بھی نہیں کر سکتی"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے" سنان نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا' "رقص تو علامت ہے مسرت اور شادمانی کی—— اور یہ جذبات بے ہنگم اچھل کود کے بغیر بھی تو محسوس کیے جا سکتے ہیں"

"تمہارے پاس میرے ہر اعتراض کا جواب موجود ہے"

"اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اس قسم کے اعتراض ہی نہ کیا کرو"

"رقص تو میں پھر بھی نہ کر پاؤں گی"

"میں خود رقص نہیں کر سکتا ورنہ تمہارے اس خیال کو بھی باطل ثابت کر دیتا۔"

"میں سکھا دوں گی"

"منظور ہے"

"تو پھر——" پاسکل اس کی گرفت سے علیحدہ ہو گئی اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیئے" ابھی—— یہاں پر——دریائے سین کے کنارے——"

سنان اس کی معصومیت پر مسکرا دیا۔

"بالکل مشکل نہیں" پاسکل نے اپنی باہیں اس کے کندھوں پر رکھ دیں "میری حالت ہمیشہ سے تو ایسی نہ تھی۔ پانچ سال پیشتر میں بھی رقص کر سکتی تھی۔"

سنان نے اوپر سڑک کی جانب دیکھا تو وہاں چند راہ گیر ان دونوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

"پھر کبھی سہی" اس نے آہستہ سے پاسکل کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نیچے کر دیے "اور پھر یہاں پر موسیقی بھی تو نہیں ہے۔"

"مسرت اور شادمانی کے ان جذبات کے اظہار کے لیے بھی موسیقی لازمی نہیں ہے۔ مجھے والز کی ایک بڑی پیاری دھن یاد ہے۔ میں اسے گنگنا سکتی ہوں۔"

"دھن گنگنانے کی بجائے تم بیشک یہاں گانا شروع کر دو" سنان نے ہنستے ہوئے کہا "مگر رقص کا سبق—— کل سہی!"

"نہیں آج—— اسی شام" اس نے بچوں کی طرح ہتھیلیاں بھینچ کر مچل کر کہا۔

"ذرا سڑک کی جانب نگاہ کرو—— وہاں تماشائی جمع ہو رہے ہیں—— کل؟"

"بزدل" پاسکل نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور اپنے ہاتھ نیچے کر لیے۔

سنان نے آگے بڑھ کر اسے پھر سہارا دینے کی کوشش کی تو پاسکل کہنے لگی۔

"نہیں میں تھوڑی دور تک خود چلنے کی کوشش کروں گی" اور اس کے آگے آگے چلنے لگی۔

"پاسکل"

"ہاں!" اس نے پیچھے دیکھے بغیر کہا۔

"تمہارا کوئی دوست لڑکا نہیں ہے—— میرا مطلب ہے——"

"کل تک تو نہیں تھا"

"عزت افزائی کا شکریہ—— لیکن——"

"لیکن کیا؟" پاسکل رک گئی "کیا میں اب پھر تم سے اپنے اپاہج پن کا شکوہ شروع کر دوں"

"میرا مطلب ہے نوٹنگھم اور پیرس میں درجنوں ایسے لڑکے ہوں گے جو تمہاری رفاقت کے خواہش مند ہوں گے—— وہ شاید تمہاری سرد مہری کی بنا پر اپنا مدعا بیان نہیں کر پاتے۔"

"ہاں درجنوں کی بجائے سینکڑوں لڑکے ہیں مگر تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ وہ سب میری رفاقت کے خواہشمند ہیں" پاسکل نہایت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ "تم شاید مغربی رسم و رواج سے اچھی طرح آشنا نہیں ہو۔ یہاں جب کوئی لڑکا کسی لڑکی سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ لڑکی اس کے ساتھ رقص کے لیے جائے سینما کی پچھلی نشستوں پر بیٹھ کر بوس و کنار کرے اور اور پھر اگر ہو سکے تو چند روز بعد اسے "آخری مہربانی" سے بھی نواز دے۔ ان چیزوں میں سے چند ایک کے لیے میں جسمانی طور پر معذور ہوں اور کچھ میرے اخلاقی اصولوں کی زد میں آجاتی ہیں۔ مگر تم مجھ سے یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"بس کوئی خاص بات تو نہیں"

"پھر بھی"

"یوں ہی مجھے خیال آگیا تھا کہ میں تو سیاح ہوں۔ کل کو جب——"

"آنے والی کل کے بارے میں میں نے آج تک سوچا ہی نہیں" پاسکل کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتی۔

دریا کے کنارے چلتے ہوئے وہ دونوں مشہور کلیسا نوٹرڈیم کے دامن میں پہنچ گئے جسے آج رات خصوصی طور پر تیز قمقموں سے روشن کیا گیا تھا۔ آٹھ سو برس قدیم

اس کلیسا میں انقلاب فرانس کے دوران میں مذہبی بزرگوں کے مجسمے ہٹا کر وہاں ودتیئر اور روسو جیسے انقلابیوں کے مجسمے نصب کر کے اسے "مسلک فہم" قرار دے دیا گیا۔ نپولین کی رسم تاجپوشی بھی اسی کلیسا میں ہوئی تھی۔

سنان نے پاسکل کی جانب دیکھا تو وہ کلیسا کے بلند و بالا میناروں۔ خوبصورت کنگروں، خوفناک مجسموں اور بڑے گھڑیال میں کھوئی ہوئی تھی۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

"تمہارے خوبصورت خیالوں کے لیے ایک پینی کا سکہ!" سنان نے لنڈن کے کاکنی مزدوروں کا ایک محاورہ استعمال کیا جس کے مطلب ہے "کیا سوچ رہے ہو ہمیں بھی تو معلوم ہو؟"

"میرے خیالات اس وقت اتنے خوبصورت نہیں ہیں کہ ان کے لیے ایک پینی کا سکہ ضائع کیا جائے۔"

"کم از کم انگلستان میں تو اس سے کم مالیت کا سکہ نہیں ہوتا ورنہ اس کا نام لے دیتا۔" سنان نے ہنس کر کہا اور پھر سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگا "کیا سوچ رہی ہو پاسکل؟"

"تم نے وکٹر ہیوگو کا نام تو سنا ہو گا۔"

"موصوف کو شاید لکھنے لکھانے کا شوق تھا" سنان نے خوشدلی سے کہا۔

"فرانس کا سب سے بڑا ادیب ہیوگو۔ اس نے ایک ناول لکھا تھا "ہنچ بیک آف نوٹرڈیم"

"میں نے بھی پڑھنے کی کوشش کی تھی مگر اس میں قدیم پیرس کے گلی کوچوں کی اتنی تفصیل تھی کہ بیچ میں ہی چھوڑ دیا۔"

"میرے پاس یہ ناول ہے۔ میں کل لاؤں گی۔ پھر پڑھ لینا"

"پیشگی شکریہ—— لیکن کیا اب میں تمہارے خیالات کے لیے ایک اور پینی کا نذرانہ پیش کروں؟"

"ہنچ بیک آف نوٹرڈیم" کا مرکزی کردار ایک بدصورت کبڑا تھا جو اسی کلیسا میں

وہ سامنے والا گھڑیال بجانے پر مامور تھا۔"

"ہاں اور پھر اسے ایک بکری والی خانہ بدوش لڑکی سے محبت ہو گئی" سنان نے گرہ دی۔

"میں اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ اسے ایک بیحد خوبصورت خانہ بدوش لڑکی سے محبت تو ہو گئی لیکن اس کبڑے —— اس اپاہج کو کبھی اپنی کریہہ المنظری کا خیال نہ آیا" پاسکل کی نظریں کلیسا کے سنگلاخ در و دیوار پر لگی تھیں "وہ انہی بلند میناروں پر چڑھ کر کسی کونے کھدرے میں اگے ہوئے جنگلی پھول اپنی محبوبہ کے لیے توڑ لایا کرتا تھا۔"

"وہ صرف ایک ناول کا کردار تھا۔ فرضی کردار!" سنان نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"آخر بدصورت لوگوں کو بھی تو محبت ایسے جذبے کی چاہت ہوتی ہے سنان! ان کا دل تو یہ بات نہیں مانتا نا کہ وہ بدصورت ہونے کی بنا پر محبت سے محروم کر دیئے جائیں۔"

"اس وقت تو میرے سامنے نہایت خوبصورت لوگ ہیں اور میں نوٹرڈیم کے بدصورت کبڑے کے بارے میں باتیں کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں" سنان نے پاسکل کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "آؤ آگے چلتے ہیں"

"نہیں اب میں بالکل نہیں چل سکتی" اس نے سنان کا ہاتھ پرے کرتے ہوئے کہا

"میں آج چلتے چلتے بہت دور تک آ گئی ہوں اور زیادہ چلنے سے میرے ٹخنے میں شدت کا درد اٹھنے لگتا ہے جو کئی ہفتوں تک رہتا ہے"

"تم اگر پسند کرو تو میں تمہیں ٹیکسی پر گھر چھوڑ آؤں؟"

"نہیں" پاسکل نے جلدی سے کہا "میں ابھی گھر نہیں جانا چاہتی۔"

"میں تمہیں کل بھی تو ملوں گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم اب آرام کرو"

"نہیں نہیں" پاسکل نے ایک دم سختی سے کہا "میرا مطلب ہے اگر تم خود جانا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے —— میں ابھی تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"مجھے تو فرصت ہی فرصت ہے" سنان نے ہاتھ پھیلا کر کہا "بالکل فرصت"

"تو پھر کہیں بیٹھ جائیں؟" پاسکل نے بیحد لجاجت سے کہا۔

سڑک کی اونچی دیوار کے ساتھ دریا کے کنارے بیشمار بنچ پڑے تھے جن پر یا تو آوارہ گرد بوڑھے اونگھ رہے تھے اور یا پھر نوجوان جوڑے نیم دراز تھے۔ بارش چونکہ تھم چکی تھی اس لیے پاسکل نے برساتی اتار دی اور ایک بنچ پر بچھا کر دونوں وہاں بیٹھ گئے۔

"مصیبت یہ ہے کہ میرا لنگڑا پن اس قسم کا ہے کہ اگر بیساکھیوں کا سہارا لوں تو بھی چلنے میں دقت ہوتی ہے۔ میرے کندھوں میں درد ہونے لگتا ہے" اس کی آنکھیں پھر بھیگ چلی تھیں۔

"پھر وہی شکائتیں۔"

"میں شکایت تو نہیں کر رہی۔" اس نے اپنے لب بھینچ کر معذرت بھرے لہجے میں کہا "میرے لیے تو یہ روزمرہ کی عام سی باتیں ہیں۔ میں تمہیں صرف اپنی زندگی کے بارے میں بتا رہی تھی۔"

وہ رات گئے تک اس بنچ پر بیٹھے سین کے گدلے پانیوں میں رواں روشن کشتیوں اور دوسرے کنارے پر پھیلے ہوئے پیرس کو تکتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ ایسی باتیں جو بادی النظر میں بیحد معمولی اور غیراہم معلوم ہوتی ہیں مگر انہی باتوں میں اگر پیار اور چاہت کے جذبات کی لو ہو تو وہ ایک گہری مسرت اور حقیقی خوشی کا منبع بن جاتی ہیں۔

"ٹن ٹن ٹن" کلیسا نوٹرڈیم کے گھڑیال کی گھمبیر آواز اس پرسکون اور خوبصورت ماحول پر ٹوٹ کر گری۔ بارہ بج رہے تھے۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے" پاسکل نے اس کے کندھے

سے سر اٹھاتے ہوئے کہا "خالہ نے گیارہ بجے تک آ جانے کو کہا تھا"

وہ دونوں بنچ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سنان نے اپنی برساتی اٹھائی اور پھر دریا کنارے کے ساتھ سڑک جانے والی سڑھیاں طے کر کے نوٹرڈیم کے سامنے والے چوک میں آ گئے۔

"میں تمہیں ٹیکسی پر گھر چھوڑ آتا ہوں" سنان نے پیشکش کی۔

"میری خالہ کا فلیٹ یہاں سے کافی دور ہے میں اکیلی چلی جاتی ہوں۔"

میں نے کہا تھا نا آج سے ہر کام اکیلے کرنے پر پابندی ہے"

"مجھے یہ پابندی منظور ہے" پاسکل نے ہنس کر کہا۔

چوک کے کونے میں چند ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ سنان نے ایک ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول کر پہلے پاسکل کو بیٹھنے میں مدد دی اور پھر خود سوار ہو گیا۔

"کہاں چلئے گا؟" ڈرائیور جو اگلی نشست پر بیٹھا اونگھ رہا تھا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

پاسکل نے اسے اپنے فلیٹ کا پتہ بتایا اور ٹیکسی پیرس کی ویران گلیوں میں دوڑنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے پیرس کی شبینہ رنگینیوں کے قصے محض افسانہ ہیں اور یہاں کے لوگ بھی دوسرے بڑے شہروں کی طرح شریفانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ پاسکل نے اسے بتایا کہ اس قسم کی تمام "زندگی" شہر کے ایک خاص حصے "پگال" میں ہوتی ہے اور وہاں پر رات کو بھی دن کی سفیدی کا سماں ہوتا ہے۔

"پگال" کے چھوٹے سے علاقے میں جتنی شبینہ کلبیں اور شراب خانے ہیں اتنے یورپ کے کسی اور شہر میں نہیں ہیں"

"تمہیں کبھی جانے کا اتفاق ہوا ہے؟"

"ہاں میں ایک مرتبہ مالن روژ کلب میں اس کے تاریخی پس منظر کی خاطر صرف جھانکنے گئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس کلب میں مشہور فرانسیسی رقص "کان کان" پہلی مرتبہ پیش ہوا تھا اور لاٹرک جیسا شہرہ آفاق مصور اس کے اشتہار بنایا کرتا تھا؟"

سنان نے اس "کان کان" رقص کا نام پہلی مرتبہ سنا تھا اس لیے چپکا ہو رہا۔ اور لاٹرک؟" ہو گا کوئی وہ بھی!

"ایک اور علاقہ مومارت نام کا بھی ہے۔ مصوروں' آوارہ گردوں اور طوائفوں کے علاوہ وہاں کوئی بھی نہیں رہتا' سخت بدنام ہے۔"

"آہم" سنان پشیمان ہو کر کھانسا" میں اپنے آپ کو کس زمرے میں شمار کروں؟"

"کیوں؟"

"میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا کہ میں بھی مومارت میں ہی رہتا ہوں۔"

"اسی لیے اس روز مجھ سے ملنے نہیں آئے تھے مل گئی ہو گی کوئی کالے بالوں والی ڈائن؟" پاسکل نے شرارت سے چھیڑا۔

"کالے بالوں والی۔۔۔؟" سنان ایک لمحہ کے لیے گھبرا گیا "یہ ضروری نہیں کہ ڈائن کے بال کالے ہی ہوں۔ سنہری بھی تو ہو سکتے ہیں۔"

"تم تو ذاتیات پر اتر آئے ہو" پاسکل نے ہنس کر کہا۔

ٹیکسی ڈرائیور شاید انگریزی میں شدھ بدھ رکھتا تھا۔ اس لیے وہ بھی دانت نکالنے لگا۔ ٹیکسی کنکورد چوک سے نکل کر اب شانزے لیزے کی چوڑی سڑک پر جا رہی تھی جو پیرس اور دنیا کی سب سے خوبصورت سڑک کہلوانے کے باوجود ناہموار اور کھردرے پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔

"میں نے تمہارے اس صوبیدار دلنواز کی یہ بات کہ پیرس کی سڑکیں شیشے کی ہیں' جب خالہ کو بتائی تو بیحد محظوظ ہوئی تھیں۔"

"دوسری بات کا ذکر نہیں کیا؟"

"کونسی دوسری بات؟"

"وہی نیلی آنکھوں والی"

"نہیں" پاسکل نے اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کی اور باہر دیکھنے لگی۔

سامنے "فتح کی محراب" نظر آ رہی تھی جو رات کے اس پہر بھی پیرس کی اکثر تاریخی یادگاروں کی طرح روشنیوں سے منور تھی۔ محراب کے گرد ٹریفک کے بڑے

چکر کے گرد گھوم کر ٹیکسی ایونیو فاک میں مڑ گئی۔

"تھوڑی دیر بعد نیولی کا پل آ گیا۔

"یہاں سے بائیں ہاتھ کو موڑ لو" پاسکل نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

"کمال ہے" سنان نے حیران ہو کر کہا "یہ تو بوئے ڈی بولون کا علاقہ ہے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" پاسکل نے پوچھا۔

"کیمپنگ گراؤنڈ کو بھی تو یہی راستہ جاتا ہے۔ اس روز میں یہیں سے مومارت گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم میری خالہ کے فلیٹ کے عین نیچے سے گزرے تھے۔ اگر میں کھڑکی میں بیٹھی ہوتی تو ضرور تمہیں اوپر بلا لیتی"

"۔۔۔ اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم یہیں آس پاس رہتی ہو تو تمہارے فلیٹ کے عین نیچے اپنا خیمہ نصب کر لیتا۔"

تھوڑی دور چلنے کے بعد ٹیکسی پاسکل کی ہدایت کے مطابق بائیں ہاتھ پر ایک خوبصورت سہ منزلہ مکان کے پھاٹک کے اندر داخل ہو گئی۔

سنان نے ٹیکسی سے اتر کر پاسکل کو سہارا دیا اور وہ باہر نکل آئی۔

"میرے کمرے کی روشنی جل رہی ہے" پاسکل نے دوسری منزل پر واقع فلیٹ کی طرف اشارہ کیا "اس کا مطلب ہے کہ خالہ میرا انتظار کر رہی ہیں۔"

"کل کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہاں اب میں کل کے بارے میں بھی سوچ سکتی ہوں۔ تم اوپر فلیٹ میں کیوں نہیں چلتے۔ ایک پیالی کافی پی کر چلے جانا۔" پاسکل نے اس کا ہاتھ تھام لیا "اور خالہ کو بھی مل لینا۔"

"جی نہیں۔۔۔ مجھ میں تمہاری خالہ کا سامنا کرنے کی تاب نہیں ہے۔ یہی ہے نا جو لنڈن سے تمہارے ساتھ آیا تھا اور پھر غائب۔۔۔" سنان نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا "نہ بھئی"

پاسکل بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"تم تو واقعی بزدل ہو۔۔۔ ویسے میری خالہ بے حد اچھی ہیں۔ دراصل وہ مجھے اداس دیکھ کر خود بھی پریشان ہو جاتی ہیں اور اسی لیے وہ آج پچھلے پہر تمہارے ساتھ قدرے درشتی سے پیش آئی تھیں۔

سنان نے گھڑی پر نظر ڈالی تو ایک بجنے کو تھا۔

"نہیں کسی اور روز سہی۔ اس وقت تو وہ مجھے اسی بات پر جھڑکنا شروع کر دیں گی کہ میں نے ان کی پیاری بھانجی کو گیارہ بجے کی بجائے ایک بجے تک کیوں پریشان کیے رکھا۔"

"موسیو! " ٹیکسی ڈرائیور نے جواب تک بڑے تحمل سے اپنی نشست پر بیٹھا سگرٹ پی رہا تھا سنان سے مخاطب ہو کر کہا "اگر میرا کام ہو گیا ہے تو مجھے کرائے کی رقم دے کر فارغ کر دیں۔"

"صرف ایک منٹ" سنان نے ڈرائیور کی طرف مڑ کر کہا اور پھر جلدی سے پاسکل سے کہنے لگا "رات کے اس پہر مجھے واپس مومارت پہنچنے کے لیے اور کوئی ٹیکسی نہیں ملے گی۔ تم مجھے کل کے بارے میں بتا دو اگر تم کل مجھے پھر ملنا چاہتی ہو تو؟"

"میں تو تمہیں اب بھی ملنا چاہتی ہوں۔ کل تو بہت دور ہے"

ٹیکسی ڈرائیور نے اب کی مرتبہ ہارن بجا دیا۔

"بھئی پاسکل پلیز!" سنان نے لجاجت سے کہا۔

"تم کل صبح میرے فلیٹ پر ہی کیوں نہیں آجاتے؟ دوپہر کے کھانے کے بعد ہم باہر چلے چلیں گے۔ کیوں؟"

"تو پھر کل صبح۔۔۔" سنان نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے بقیہ سگرٹ کھڑکی سے باہر پھینکا اور چابی گھما کر ٹیکسی سٹارٹ کر دی۔ ٹیکسی حرکت میں آئی تو پاسکل نے جو کھڑکی کے پاس ہی کھڑی تھی شیشہ بجایا۔ سنان نے شیشہ سرکا کر نیچے کیا تو اس نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

"شب بخیر"

"شب بخیر پاسکل!" سنان نے ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا۔

ٹیکسی مکان کے پھاٹک سے باہر نکلی تو سنان نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پاسکل دروازے کی سیڑھیوں پر ایک خوبصورت مجسمے کی مانند ساکن کھڑی تھی اور مدھم روشنی میں اس کا سرخ کوٹ چمک رہا تھا۔

واپسی پر سنان ٹیکسی میں خاموش بیٹھا سگرٹ پیتا رہا اور پاسکل کے بارے میں سوچتا رہا۔ اسے احساس ہوا کہ پیرس ایسا شہر ہے جہاں حقیقی جذبات سے عاری نقش کبھی بھی دیرپا نہیں ہو پاتا اور اسی لیے وہ پچھلے دو روز میں ہی یہاں سے اکتا گیا تھا۔ جس شہر کو وہ کل صبح ہسپانیہ جانے کے لیے چھوڑ رہا تھا اسی شہر سے روانگی کا تصور اب اُس کے بس کی بات نہ تھی۔ سنان۔ پاسکل اور پیرس لازم و ملزوم بن چکے تھے۔

○○○

اس کے مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے آہستہ سے دستک دی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ ایک مرتبہ پھر کوشش کی تو اندر ہال میں روشنی ہوئی اور دروازہ کھل گیا۔ طوطے والی بڑھیا منہ بنائے کھڑی تھی۔ اس نے دیر سے واپس آنے اور اسے مخل کرنے کی بھرپور معذرت کی اور جلدی سے سیڑھیاں طے کرنے لگا اپنے کمرے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ برساتی کی جیبوں سے چابی تلاش کر رہا تھا کہ ساتھ والا دروازہ کھلا۔

"ہیلو سنان!"

"ہیلو جینی!" اس نے جلدی سے کہا اور اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جانے لگا۔ جینی تیزی سے چلتی ہوئی آئی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے بڑی بڑی سفید اور نیلی دھاریوں والا ایک خوبصورت لباس پہن رکھا تھا جس پر بیشمار سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں۔

"تم آج پچھلے پہر مجھے لینے کیوں نہیں آئے؟ جینی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا" تم نے وعدہ کیا تھا سنان"

"اوہ" سنان نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی "چند دوست مل گئے تھے"

"مل گئے تھے یا بن گئے تھے؟"

"مل گئے تھے" سنان نے جھلا کر کہا "پرانے جاننے والے تھے"

"تم تو کہتے تھے کہ میں پیرس میں اجنبی ہوں" جینی کے لہجے میں شکایت تھی۔

سنان کو ایک دم اپنے رویے پر ندامت محسوس ہوئی۔ اس نے خود ہی تو جینی

سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے آج دوپہر کو باہر لے کر جائے گا۔

"جینی مجھے بیحد افسوس ہے کہ میں آج تمہیں ملنے نہ آسکا——"

"لیکن آخر کیوں؟"

"وجہ نہ ہی پوچھو تو بہتر ہے"

"اچھا تو پھر تم میرے کمرے میں آکر تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ بیٹھو" جینی نے آہستہ سے کہا۔

"اس وقت نہیں جینی" سنان نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "رات کے دو بجنے کو ہیں تمہیں آرام کرنا چاہیے۔"

"میں راتوں کو جاگنے کی عادی ہوں"

سنان نے چپکے سے اپنا دروازہ بند کر دیا اور جینی کے ساتھ اس کمرے میں چلا آیا۔ وہ اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ہاں کہو کیا کہتی ہو؟" سنان نے جمائی لیتے ہوئے پوچھا "میں صرف پانچ منٹ بیٹھوں گا مجھے سخت نیند آ رہی ہے"

"آج صبح تمہارے جانے کے بعد میں نے بولیوارڈ سان ژرمین سے ایک نیا لباس خریدا۔ یہی لباس——" جینی نے لباس کا کونا اوپر اٹھا کر ہوا میں چھوڑ دیا "اور پھر شام تک تمہارا انتظار کر کے کپڑے بدلے بغیر اسی صوفے پر لیٹ کر تمہاری دھنیں سنتی رہی۔"

سنان نے جیب سے سگرٹوں کا پیکٹ نکال کر ایک سگرٹ سلگا لیا۔

"کل صبح تو تم فارغ ہو گے نا؟" جینی نے پوچھا

"نہیں" سنان نے ایک دم تیزی سے جواب دیا اور پھر اپنے لہجے کی تندی کا احساس کرتے ہوئے کہنے لگا "کل تو نہیں۔ پھر کبھی سہی۔ ابھی تو میں چند روز پیرس میں قیام کروں گا۔ اور پھر کیا ضروری ہے کہ باہر جا کر آوارہ گردی ہی کی جائے—— میں تمہیں اس کمرے میں جو مل لیتا ہوں۔"

"اس کمرے میں——" جینی نے دکھ سے کہا "اس کمرے میں تم پہلے مرد ہو جسے میں نے خود کسی غرض کے بغیر یہاں آنے کی دعوت دی ہے۔ یہاں کی ہر شے مصنوعی ہے اور میں بھی جب تک اس کمرے میں رہتی ہوں گوشت پوست کی ایک عورت کی بجائے اپنے آپ کو ربڑ کی ایک گڑیا محسوس کرتی ہوں۔ دل بہلانے والی، سستی اور ننھی گڑیا۔"

سنان خاموشی سے سگرٹ پیتا رہا۔

"میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آج بھی اپنے لیے کافی کا ڈبہ نہیں خرید سکی۔ تمہاری کافی ہی استعمال کر رہی ہوں۔"

"کافی کا بیشتر حصہ بھی تو میں ہی پی رہا ہوں" سنان کو بیحد نیند آ رہی تھی۔

جینی صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی "میں پہلے اپنا لباس بدل لوں——"

وہ باریک پردوں کی اوڑھ میں ہو کر کپڑے بدلنے لگی۔ شب خوابی کا لباس پہننے کے بعد اس نے سٹوو جلایا اور کافی کے لیے پانی رکھ دیا۔

"چند روز ہوئے میں نے نیوزی لینڈ کے سفارت خانے میں وہاں پر مستقل طور پر آباد ہونے کے لیے درخواست دی تھی" جینی کافی بناتے ہوئے کہنے لگی "میں یہاں نہیں رہنا چاہتی - میں پیرس سے اکتا چکی ہوں۔"

"میرے خیال میں تو کینیڈا بہتر رہے گا۔ وہاں پہلے سے ہی بیشمار فرانسیسی آباد ہیں۔"

"اسی لیے تو میں وہاں نہیں جا سکتی" جینی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے "جہاں کہیں بھی فرانسیسی ہوں گے مجھے ہر دم یہی دھڑکا لگا رہے گا کہ ان میں سے کوئی میرا "شناسا" نہ نکل آئے۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی کا آغاز نئے سرے سے شریفانہ طور پر کروں تاکہ جب بھی کوئی مجھ سے ملنے کا وعدہ کرے تو وہ صرف میری ذاتی زندگی کی اونچ نیچ بلکہ صرف "نیچ" کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنا ارادہ نہ بدل دے۔"

جینی اور پاسکل کی گفتگو میں حیرت انگیز طور پر مشابہت تھی۔ وہ بھی اسی قسم کے

احساسات کا شکار تھی۔ لیکن جینی کے خدشات کسی حد تک درست تھے۔ اسے یقین تھا کہ سنان اسے صرف اس لیے ملنے نہیں آیا تھا کہ اسے اس کے پیشے سے نفرت تھی حالانکہ وہ غلطی پر تھی۔

"میں نے کسی اونچ نیچ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنا ارادہ نہیں بدلا تھا" سنان صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پھر کیوں نہیں آئے تم؟" جینی کی آواز بھرائی ہوئی تھی "اسی لیے نا کہ میرے ساتھ چلتے ہوئے تضحیک ہوتی تمہاری! لوگ انگلیاں اٹھاتے کہ ایسے قبول صورت مشرقی نوجوان کو پورے پیرس میں صرف ایک "بری" لڑکی ہی پسند آئی۔"

سنان جینی کے پاس چلا گیا۔

"مجھے پاسکل مل گئی تھی" سنان نے جینی کو اندھیرے میں رکھنا مناسب نہ سمجھا۔

"کون پاسکل؟" جینی کی آواز اتنی بلند تھی کہ سنان چونک گیا۔

"تمہارے جیسی ہی ایک عام سی لڑکی؟"

"میرے جیسی ہوتی تو تم مجھے چھوڑ کر اسے ملنے کیوں چلے جاتے؟"

"میں اسے ملنے نہیں گیا تھا بلکہ وہ مجھے مل گئی تھی۔"

"کون ہے وہ؟" جینی کی آواز اب مدھم پڑ گئی تھی۔

"میں نے کہا نا تمہارے جیسی ایک عام سی لڑکی" سنان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا اور پھر اسے سٹیمر سے لے کر شانزے لیزے پر اتفاقاً ملاقات تک کے تمام واقعات تفصیلاً سنا دیئے۔

کافی تیار ہو چکی تو وہ پھر واپس صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔

"اپاہج ہے بے چاری!" جینی کے لہجے میں حقارت کی بجائے ہمدردی تھی۔

"ہاں ہے" سنان نے قدرے سختی سے کہا "لیکن میرے لیے نہیں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے جینی! بہت ہی اچھی۔"

"لا آمور!" جینی ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں طنز کا پہلو تھا۔

"کیا مطلب؟"

"لا آمور۔ یعنی محبت!"

"نہیں ایسا تو نہیں" سنان سنجیدہ ہو گیا "اور پھر ہو بھی سکتا ہے۔ میں اس جذبے سے آشنا نہیں ہوں جو اب کچھ کہہ سکوں۔"

جینی نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے کافی پیتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہنے لگی۔

"موسیقی سنو گے؟"

"نہیں اس وقت نہیں"

"تمہیں تو ستار بیحد پسند ہے!"

"ہاں ہے۔ لیکن تمہارے پاس تو صرف ایک ہی ریکارڈ ہے جسے بار بار سن کر میں اکتا چکا ہوں۔"

"جس طرح تم پاسکل سے بھی اکتا جاؤ گے!"

سنان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ ابھی چند لمحے پیشتر اس لڑکی نے پاسکل کا نام کس حقارت سے لیا تھا۔ پھر ہمدردی کی منزل آئی اور اب وہ پھر اپنے دل میں چھپے ہوئے جذبہ حسد کا اظہار کیئے بغیر نہیں رہ سکی۔

"اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی جینی! تمہیں معلوم ہے کہ میں سیاح ہوں۔ چند روز پیرس میں قیام کرنے کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا"

"ہونہہ! چلے جاؤ گے" جینی نے لب سکیڑ کر کہا "تم جس طرح پاسکل کا نام لیتے ہو اس لہجے سے ہی میں جان گئی ہوں کہ تمہیں اس سے شدید محبت ہے اور تم کبھی بھی پیرس چھوڑ کر نہیں جا سکو گے۔"

"تم غلطی پر ہو" سنان نے یہ فقرہ بڑی مشکل سے ادا کیا۔ اس کے دل کا چور دہائی دے رہا تھا کہ جینی ٹھیک کہتی ہے۔

"سچ" جینی نے ایک مخصوص ادا کے ساتھ بن کر کہا۔

"سٹیمر میں ملاقات کے بعد آج ہم پہلی مرتبہ ملے ہیں اور ظاہر ہے کہ دو تین ملاقاتوں میں ہی ایسا جذبہ ابھر نہیں آتا۔ اس کے لیے تو وقت درکار ہے۔"

"سنان" جینی نے کافی کی پیالی میز پر رکھ دی "تم نے ابھی خود اعتراف کیا ہے کہ تم ان معاملوں میں ناتجربہ کار ہو۔۔۔ لیکن میں۔۔۔" جینی نے بے تحاشہ ہنسنا شروع کر دیا جیسے وہ اپنے آپ اذیت دینا چاہتی ہو۔

سنان خاموش رہا۔

کچھ دیر بعد جب وہ اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش میں کامیاب ہوئی۔ تو پھر کہنا شروع کیا "تمہیں یہ ماننا پڑے گا کہ میری جیسی عورت ان معاملوں کو خوب سمجھتی ہے نہ سمجھے تو بھوکوں مرے۔ محبت جیسے جذبے کے لیے وقت کی قید نہیں ہوتی سنان مواشیری!"

"کافی کے لیے شکریہ" سنان نے پیالی میز پر رکھ دی اور صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا "مجھے کل صبح کہیں جانا ہے۔"

"واہ! کہیں جانا ہے" جینی نے تلخی سے کہا "پاسکل کو ملو گے؟"

"ہاں ملوں گا" سنان نے جھلا کر کہا "تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟"

"ڈارلنگ میرے پیشے میں تو اعتراض کے لفظ کی گنجائش ہی نہیں۔"

"اور مجھے ڈارلنگ جیسے فضول لفظ پسند نہیں۔"

"سوری ڈارلنگ" جینی نے آنکھیں مٹکا کر کہا "عادت سی ہو گئی ہے۔ نام تو ہر ایک کا یاد نہیں رہتا۔ بس ڈارلنگ سے ہی کام چل جاتا ہے۔"

"شب بخیر" سنان نے نہایت غصے میں دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جانے کو تھا کہ پھر جینی کی آواز آئی۔

"سنان"

"کیا ہے؟"

"کیا پاسکل خوبصورت ہے؟"

سنان بے اختیار مسکرا دیا اور جواب دیے بغیر اپنے کمرے میں آ کر سو گیا۔

OOO

دوسری صبح جب سنان کی آنکھ کھلی تو ادھ کھلی کھڑکی میں سے دھوپ اس کے سرہانے تک آ رہی تھی۔ وقت دیکھا تو گیارہ بجنے کو تھے۔ اس نے جلدی سے شیو بنائی۔ چہرے پر چار چھینٹے مارے اور کپڑے بدلنے لگا۔ وہ ٹائی وغیرہ باندھنے کا تردد نہیں کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے بند گلے کا سفید سویٹر اور اس کے ساتھ نیلا کوٹ پہن لیا۔ کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے تمام ضروری اشیاء گن کر اپنی جیبوں میں ڈال لیں۔ ان میں سے اگر کوئی چیز بھی اس کی جیب میں نہ ہو تو وہ سارا وقت ادھورا سا محسوس کرتا رہتا تھا اور یہ چیزیں کیا تھیں؟ سگرٹ کا پیکٹ' لائٹر' رومال' دھوپ کا چشمہ' پین' کیمرہ اور پاسپورٹ۔ پاکستان میں جب بھی وہ اپنے ایک عزیز دوست سعادت کے گھر جاتا تو وہاں سے آتے وقت وہ ہمیشہ اسے یاد دلاتا۔ "یار سنان اپنے Bits And Pieces گن کر یہاں سے لے جانا ورنہ آدھی رات کو آ کر لگاتار گھنٹی بجانا شروع کر دو گے کہ ہائے میرا رومال آج یہاں رہ گیا تھا۔"

وہ باہر نکل کر اپنا کمرہ مقفل کر رہا تھا کہ حسب دستور جینی کا دروازہ کھلا۔

"نیلے کوٹ میں بے حد اچھے لگ رہے ہو۔" جینی نے چھیڑا۔

سنان نے کمرے کی چابی جیب میں ڈالی اور نیچے اترنے لگا۔

"ساڑھے گیارہ بجے صبح ہوتی ہے تمہاری؟" وہ اسے تنگ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔

"تمہیں اس سے مطلب؟" سنان نے چڑ کر کہا۔

"بے چاری انتظار کر رہی ہو گی۔"

وہ سیڑھیاں اترنے لگا تو جینی بھی ساتھ ہی آ گئی۔

"کافی تو پیتے جاؤ"

"نہیں۔"

"تمہارے اپنے ڈبے کی ہے۔"

"نہیں مجھے جلدی ہے۔"

"پلیز ڈارلنگ۔" جینی نے ڈارلنگ پر زور دیتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

سنان نے جواب نہ دیا۔

"ڈارلنگ سنان" اس نے سنان کا کندھا پکڑ کر بے حد پیار سے کہا۔

سنان جل کر رہ گیا اور اس کا ہاتھ ہٹا کر کہنے لگا۔ "تم اپنے "کام" پر کیوں نہیں گئیں؟"

"میرے "کام" کے اوقات کار تو نو بجے رات کے بعد شروع ہوتے ہیں۔"

"کم از کم تیاری ہی شروع کر دو۔" سنان نے منہ بنا کر غصے سے کہا۔ "لپ سٹک اور غازے کی موٹی تہیں جمانے کے لیے بھی تو خاصا وقت درکار ہوتا ہے۔"

"طعنے دینے کی کیا ضرورت ہے۔" جینی بھی غصے میں آ گئی۔ "چلی جاتی ہوں۔ ویسے کافی پی جاتے تو موڈ بہتر ہو جاتا۔" اور پاؤں پٹختی ہوئی واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سنان نیچے ہال میں آیا تو وہاں میڈم ڑی یا اس کی ماں کا دور دور تک نشان نہ تھا۔ البتہ طوطے کا پنجرہ کونے میں رکھا تھا۔ طوطا شاید اب اس کی موجودگی کا عادی ہو چلا تھا اس لیے خاموش رہا۔ بالکل ٹیں ٹیں نہ کی۔ اس کا گنجا سر دیکھ کر سنان کے دل میں چپت لگانے کی خواہش بیدار ہوئی مگر پھر اس نے اپنے آپ کو اس احمقانہ خیال پر لعن طعن کی اور مکان سے باہر آ گیا۔

گلی میں آ کر وہ سیکرے کر کے کلیسا کی جانب چل دیا۔ اسے کسی ٹیکسی کی تلاش تھی۔ راستے میں "قہوہ خانہ پگال" بھی پڑتا تھا جسے دیکھ کر اسے مصور پال یاد آ گیا اس

نے سوچا کہ پیرس سے روانگی سے قبل وہ ایک مرتبہ اسے ضرور ملنے جائے گا۔

وہ خاصی دیر تک چوک میں کھڑا رہا مگر وہاں جو بھی ٹیکسی نظر آئی مسافروں سے پُر ہوتی۔ بالاخر وہ نیولی کے پل تک جانے والی ٹرام پر سوار ہو گیا۔ کم خرچ بالا نشین۔ پچھلی شب پاسکل کے فلیٹ سے موارت تک جتنے پیسے ٹیکسی کے کرائے پر اٹھے تھے اتنی رقم میں وہ بخوبی اگلے تین ماہ کے لیے ٹرام کی سواری کر سکتا تھا۔ چونکہ یہ دفتری اوقات نہ تھے اس لیے ٹرام پر زیادہ رش نہ تھا اور اکثر نشستیں خالی پڑی تھیں۔ سنان کے ساتھ ایک مدبر قسم کی بوڑھی عورت براجمان تھی جس کی انگلیوں میں ایک موٹا سگار تھا اور اس کی گود میں ایک نہایت ہی فربہ قسم کا کتا بڑے مزے سے بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کتے نے سنان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کا آغاز کر دیا۔ اس نے بڑے آرام سے اپنی گیلی تھوتھنی سنان کی گود میں رکھ دی اور خر خر کرنے لگا۔ کتے کی اس حرکت پر بوڑھی عورت نے مسکرا کر سنان کی طرف دیکھا۔ سنان بھی اخلاقاً ایک پھیکی سی مسکراہٹ اپنے لبوں پر لے آیا۔ یہاں تک تو خیریت گزری مگر کتے کو شاید سنان کا اونی کوٹ پسند آگیا تھا اس لیے وہ اپنی مالکن کی گود سے مکمل طور پر نقلِ گود کر کے اس کی گود میں آ بیٹھا اور باقاعدہ اس کا منہ چاٹنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

سنان کو ذاتی طور پر کتے بے حد پسند تھے —— اگر وہ اس سے کم از کم ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہوں تو! ادھر یہ واہیات قسم کا کتا کچھ زیادہ ہی فری ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے کو کتے کی گیلی تھوتھنی سے بچاتے ہوئے اسے ہاتھ سے پرے کرنے کی کوشش کی۔

"اونہوں ایسا نہ کرنا۔" بوڑھی عورت نے سگار کا ایک لمبا کش لگایا اور پھر مسکرا دی۔ "بڑی جلدی برا مان جاتا ہے اور پھر کاٹ لیتا ہے۔"

"کاٹ لیتا ہے۔" کے الفاظ پر سنان کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ سفر کے دوران میں اسے ایک دو مرتبہ نہایت خطرناک جانوروں سے بھی واسطہ پڑا تھا مگر اس

بارے میں وہ بے حد نڈر واقع ہوا تھا۔ البتہ کتوں کا معاملہ بالکل جدا تھا۔ ادھر کسی کتے نے آہستہ سے "بخ" کر دی اور ادھر سنان کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے۔ جیسے عام لوگ کاؤنٹ ڈریکولا اور فرینکنسٹائن وغیرہ کی خوفناک کہانیاں پڑھ کر راتوں کو سو نہیں سکتے اسی طرح سنان کی نیندیں پطرس بخاری کا مضمون "کتے" پڑھنے سے ہی حرام ہو جاتی تھیں۔

"تم بے حد خوش قسمت ہو۔" بوڑھی عورت کہہ رہی تھی۔ "ڈوکی ڈوکی کبھی کسی اجنبی کے ساتھ اتنی جلدی فری نہیں ہوا۔"

ڈوکی ڈوکی شاید کتے کا نام تھا۔

"جی! بے شک۔" سنان نے لرزتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہوں۔" کتے سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے وہ ایک سٹاپ پہلے ہی اتر گیا۔ اس کے چہرے پر لگائے ہوئے قیمتی آفٹر شیو لوشن کا ستیاناس ہو چکا تھا اور اب اس کے کوٹ میں سے کسی طبیلے کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

سنان پاسکل کے مکان کے سامنے پہنچا تو لوہے کے سفید پھاٹک کے پہلو میں ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو ذرا سا دھکیلنے سے کھل گیا اور سنان باغیچے میں آگیا۔ چمکتی دھوپ میں نہایا ہوا سفید مکان بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔

"سنان" کہیں دور سے ایک آواز آئی۔

اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو پاسکل اپنی کھڑکی میں بیٹھی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ کھڑکی کا شیشہ بند ہونے کی وجہ سے اس کی آواز بے حد مدھم تھی۔ اس نے جواباً ہاتھ ہلایا اور صدر دروازے میں سے گزر کر لکڑی کی پرپیچ سیڑھیاں طے کرتا ہوا پاسکل کے فلیٹ کے دروازے پر آگیا۔ وہ گھنٹی بجانے کو تھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا اور آنکھ جھپکتے ہی پاسکل کے دونوں بازو اس کی گردن میں حمائل تھے۔

سنان اس والہانہ استقبال کے لیے قطعاً تیار نہ تھا اس لیے قدرے بوکھلا گیا۔

اس نے پاسکل کے دونوں ہاتھ پکڑ کر گردن سے علیحدہ کیے۔ جیب سے رومال نکال کر ماتھے پر سے پسینے کے قطرے پونچھے اور کہنے لگا۔

"دیکھو —— وہ —— میرا مطلب ہے تمہاری خالہ کیا کہیں گی؟"

"خالہ گھر پر نہیں ہیں۔" پاسکل نے مچل کر کہا اور پھر آگے بڑھنے کو تھی کہ سنان نے اسے وہیں روک دینے کے لیے اپنی ہتھیلی اس کے ماتھے پر رکھ دی۔ "یہ تم نے "بُل فائٹنگ" کے انداز کہاں سے سیکھ لیے ہیں؟

پاسکل اس کا بازو تھام کر فلیٹ کے اندر لے آئی۔

"میں صبح آٹھ بجے سے اپنی کھڑکی میں بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ تم اتنی دیر تک نہ آئے تو میرے دل پر ایک مرتبہ پھر احساس محرومی کی تمیں بیٹھنے لگیں۔ اسی لیے تو میں تمہیں دیکھ کر اتنی خوش ہوئی ہوں۔"

"خالہ کہاں ہیں؟" سنان خالہ کے بارے میں تسلی کر لینا چاہتا تھا۔

"خالہ صبح سے دفتر گئی ہیں۔ پانچ بجے لوٹیں گی۔ ان کے دو بچے اپنے سکول کے ساتھ جنوبی فرانس کی سیر کو گئے ہیں۔ دو ہفتے بعد آئیں گے اور خالو —— فوت ہو چکے ہیں —— کبھی نہیں آئیں گے اور کچھ؟"

سنان نے اطمینان کا سانس لیا۔

"باہر چلیں؟" اس نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔ دراصل وہ پاسکل کے ساتھ اس فلیٹ میں بالکل اکیلے رہنے سے گھبرا رہا تھا۔

"آج باہر نہیں جا سکتے۔" پاسکل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔ سنان فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ "لیکن آج تو باہر بے حد خوشگوار موسم ہے۔ چمکتی دھوپ ہے سرسبز درخت ——"

"خالہ پانچ بجے واپس آئیں گی۔ بھلا میں ان کی غیر موجودگی میں باہر کیسے جا سکتی ہوں۔ وہ خواہ مخواہ پریشان ہوں گی۔ میں ہمیشہ ان کو بتا کر باہر جاتی ہوں۔"

"ایک کاغذ پر ان کے نام پیغام لکھ کر یہاں میز پر رکھ جاؤ۔"

"آج باہر نہیں جا سکتے۔" پاسکل نے بچوں کی طرح سر ہلایا۔

"لیکن آج دھوپ چمک ——"

"میں اپنے کمرے کی بڑی کھڑکی کھول دوں گی۔ دھوپ پورے کمرے میں پھیل جائے گی اور وہاں سے تمہیں درخت وغیرہ بھی نظر آ جائیں گے۔"

سنان چپکے سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کیا خواہ مخواہ منہ بنا کر بیٹھ گئے ہو۔" پاسکل اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ سنان میں خود اتنے خوبصورت موسم میں باہر جانا چاہتی تھی مگر آج میرے ٹخنے میں شدید درد ہو رہا ہے۔ مجبوری ہے۔"

"کیا یہ درد پچھلی شب زیادہ چلنے کی وجہ سے ہوا ہے؟" سنان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"ہاں —— مجھے اس وقت بھی ہلکا ہلکا درد اٹھ رہا تھا مگر میں نے تمہیں بتانا مناسب نہ سمجھا۔"

"بتا دیا ہوتا پاسکل!"

"سنان کل میں اتنی خوش تھی کہ اگر میں تمہارے ساتھ چلتے چلتے وہیں سین کے کنارے گر کر مر بھی جاتی تو مجھے ملال نہ ہوتا۔"

"کیا درد سے تمہیں بہت تکلیف ہوتی ہے؟"

"تکلیف تو ہوتی ہی ہے۔ آج صبح خالہ مجھے ڈاکٹر کے ہاں لے گئی تھیں۔ اس نے مجھے اگلے چند روز کے لیے مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے۔" پاسکل نے دھیرے سے اپنا سر سنان کے کندھے پر رکھ دیا۔ "اس طرح کا آرام۔"

"ہاں ضرور۔" سنان سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔ "پاسکل مجھے افسوس ہے کہ صرف میری وجہ سے تمہیں اتنی تکلیف اٹھانا پڑی ہے۔"

"نہیں نہیں ایسا نہ کہو۔ تمہاری وجہ سے ہی تو میں اس شدید درد کو برداشت کرنے کے قابل ہوئی ہوں ورنہ عام طور پر تو میں اس حالت میں اپنے بستر پر ہی پڑی

رہتی ہوں۔"

"اس کا علاج نہیں ہو سکتا کیا؟"

"نہیں—— حادثے کے بعد میں چند ماہ ہسپتال میں رہی اور پھر پورا ایک سال ڈاکٹروں کے زیر نگرانی اپنے گھر میں۔ پھر ڈیڈی نے مجھے ہارلے سٹریٹ کے ایک سپیشلسٹ کو بھی دکھایا مگر اس نے بھی جواب دے دیا۔ ویسے درد کی شدت کو کم کرنے کے لیے میں روزانہ تین گولیاں کھاتی ہوں اور ہفتے میں دو مرتبہ انجکشن بھی لگواتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے" سنان اور کچھ نہ کہہ سکا۔

"پھر وہی افسوس—— ہمدردی۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ آؤ میں تمہیں اپنا کمرہ دکھاتی ہوں۔"

سنان صوفے سے اٹھنے کو تھا کہ اس کے سامنے پاسکل نے اسے کندھے سے پکڑ کر ایک دم پھر پیچھے دھکیل دیا۔ "اور یہ کیا ہے؟" اس نے سنان کے کوٹ میں اٹکا ہوا بھورے رنگ کا ایک لمبا بال نکالتے ہوئے غصے سے پوچھا۔

"پتہ نہیں کہاں سے آگیا۔" سنان خود حیران رہ گیا۔

"اس کا مطلب ہے اس کے بال بھورے رنگ کے ہیں۔" پاسکل کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔

"کس کے بال——؟" سنان نے پریشان ہو کر کہا۔

"اسی چڑیل کے جسے تم تھوڑی دیر پہلے گلے سے چمٹائے بیٹھے رہے ہو۔ یہ بال کسی لڑکی کا ہے۔"

"بھئی کمال ہے——" سنان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کم بخت بال کہاں سے آ گیا۔ واقعی کسی لڑکی کا لگتا تھا۔

"جی ہاں کمال ہے۔" پاسکل نے انگلیاں نچا کر کہا۔ "میں بھی کہوں میرے استقبال سے تم اتنی بری طرح بوکھلا کیوں گئے تھے۔"

"پاسکل یقین کرو——" سنان نے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کا غصہ تو تھمنے میں ہی نہ آ رہا تھا۔

"میں کیسے یقین کر لوں—— تمہارے کوٹ پر گلے کے قریب کسی خوبصورت اور خراب قسم کی لڑکی کا بال اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ تم ابھی ابھی——" پاسکل کی آواز شدت جذبات سے بیٹھ چلی تھی۔ "اور پھر—— اور پھر اس چڑیل کو میری طرف سے یہ بھی بتا دینا کہ وہ نہایت واہیات قسم کا سینٹ استعمال کرتی ہے۔ تمہارے کوٹ میں سے عجیب قسم کی بو آ رہی ہے۔"

"بو؟" سنان چونک گیا۔ "اور بھورا بال۔" اس کو یاد آگیا کہ ٹرام میں جو کتا اس کی گود میں لوٹتا رہا تھا اس کا رنگ بھورا تھا۔ وہ بے تحاشا ہنسنے لگا۔

"اس میں یوں دانت نکالنے کی کون سی بات ہے؟" پاسکل نے تنک کر کہا۔

"بھئی بات ہی ایسی ہے" سنان اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ "دراصل یہ بال اور یہ عجیب قسم کی بو ایک کتے کی ہے جو ٹرام میں میری گود میں آ بیٹھا تھا۔"

"کتے کی؟" پاسکل نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں ہاں کتے کی۔ یہ بڑا سارا بھورے رنگ کا گدگدا کتا!"

"بنا رہے ہو" پاسکل کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"پاسکل سچ کہتا ہوں۔ اگر اس کم بخت بڑھیا نے مجھے یہ کہہ کر ڈرا نہ دیا ہوتا کہ کتا کاٹتا بھی ہے تو میں اسے اٹھا کر ٹرام سے باہر پھینک دیتا۔"

سنان نے اسے پوری تفصیل بتائی۔

"اچھی کہانی گھڑی ہے۔ بہرحال—— میں یقین کر لیتی ہوں۔" پاسکل مسکرا دی۔

"ہم شاید تمہارے کمرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔" سنان نے ایک مرتبہ پھر صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

پاسکل نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا اور فلیٹ کے درمیان میں ہی واقع

تین چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں طے کر کے وہ ایک خوبصورت کمرے میں آ گئے جس کی
کھڑکی سڑک کی جانب کھلتی تھی۔

"خوش آمدید" پاسکل نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ "تم میرے کمرے
آنے والے پہلے مہمان ہو۔"

"عزت افزائی کا شکریہ۔" سنان کمر تک جھک گیا۔

کمرے کی نفیس سجاوٹ اس کے مکین کے سلجھے ہوئے ذوق کا پتہ دیتی تھی۔
ہونے کے باوجود اس میں ایک نوجوان لڑکی کی ضروریات کا تمام سامان موجود تھا۔
فرانسیسی طرز کی سفید کھڑکی کے ایک طرف ڈریسنگ ٹیبل تھی جس پر سوائے ایک
قیمتی سینٹ کی بوتلوں اور چاندی کی بنی ہوئی کنگھی کے سوا کچھ نہ تھا۔ کھڑکی کی
طرف ایک سفید رنگ کا پلنگ تھا جس پر ایک صاف ستھرا بستر بچھا تھا۔ پلنگ
ڈریسنگ ٹیبل کے درمیان ایک آرام دہ کرسی تھی جس کا رخ کھڑکی کی طرف
کمرے کے ایک کونے میں کتابوں سے بھرا پڑا ایک شیلف تھا جس کے اوپر
ریکارڈ پلیئر اور متعدد ریکارڈ نہایت سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔

پلنگ کے ساتھ دیوار پر مختلف رسالوں میں سے کاٹی ہوئی تصویریں چپکی
تھیں۔ ان تمام تصویریوں میں ایک چیز مشترک تھی۔ حرکت! برف پر پھسلتی ہوئی
نوجوان لڑکی' پیراکی کے مقابلے کی تصاویر' کاروں کی دوڑ کی متعدد تصویریں'
دوڑوں کے مختلف زاویے اور پھر رقص کے بے شمار انداز۔ خاص طور پر روس کی
ناز بیلے رینا اولانووا کے بیلے رقص کی بے شمار تصویریں۔ یہ تمام تصویریں پاسکل کی
محرومی کو اجاگر کر رہی تھیں۔ وہ زندگی میں جو چیزیں خود کرنے سے معذور تھی
تصویریں دیوار پر سجا کر وہ اس کمی کو پورا کرنا چاہتی تھی۔ تصویروں کے درمیان
دنیا کا ایک بڑا نقشہ ٹنگا ہوا تھا اور نقشے کے عین اوپر دو جھمکے لٹک رہے تھے۔
کے جھمکے——

"جھم—— کے—— ہاں؟" پاسکل نے خوش ہو کر سرہلایا۔

"ہاں جھمکے—— واقعی پاکستانی ہیں۔ بلوچستان کے صحراؤں کی خانہ بدوش لڑکیوں کے جھمکے۔"

"سچ؟" پاسکل نے معصومیت سے پوچھا۔

"بالکل سچ"

"پہن کر دکھاؤں"

سنان نے اثبات میں سرہلا دیا۔

پاسکل نے فوراً اپنے جوتے اتارے اور پلنگ پر چڑھ کر دیوار سے لٹکے ہوئے جھمکے اتار لیے۔ سنان نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا اور وہ سہارا لے کر نیچے اتر آئی۔

"تم ہی پہنا دو۔ تمہیں تو معلوم ہو گا کہ انہیں کیسے پہنتے ہیں۔"

"کبھی اتفاق تو نہیں ہوا۔ بہرحال کوشش کر دیکھتا ہوں۔" سنان نے ہنس کر کہا اور پھر جھمکے پاسکل کے کانوں میں ڈال دیئے۔ جھمکوں کے ساتھ کلپ لگے تھے۔

یورپ میں بے شمار لڑکیاں مشرق کے دیدہ زیب لباس اور زیور سے مرعوب ہو کر انہیں اپنانے کی کوشش کرتی ہیں جس کا نتیجہ نہایت مضحکہ خیز صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ اگر ساڑھی پہنی تو ایک پروقار چال کی بجائے اسی طرح وڑنگے مارتی ہوئی چلیں گی جیسے منی سکرٹ پہن رکھا ہو۔ ماتھے پر تلک لگانے کا شوق چرایا تو وہ خوبصورتی میں اضافہ کرنے کی بجائے سڑک پر لگی ٹریفک کی سفید لکیروں سے مشابہت رکھتا ہے۔ مگر پاسکل ان جھمکوں میں بالکل اجنبی نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے گول چہرے اور کٹے ہوئے بالوں کے ساتھ یہ جھمکے بے حد بھلے لگ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ان کو پہننے کی عادی ہو اور ان ہی جھمکوں کو پہنے ہوئے بچپن سے جوانی کی حدود میں داخل ہو گئی ہو۔

"کیسے لگتے ہیں؟" پاسکل اپنا چہرہ قریب لے آئی۔

"تم بھی ان میں ایک بلوچی خانہ بدوش لڑکی کی طرح لگتی ہو۔"

"میں نے سن رکھا ہے کہ تمہارے ہاں خانہ بدوش بہار کے ساتھ سفر کرتے

ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟" اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔

سنان نے اسے ان کوچی خانہ بدوشوں کے بارے میں بتایا جن کا طویل سفر موسم گرما میں روسی سرحد کے ساتھ بدخشاں سے شروع ہوتا ہے اور وہ کوہ ہندوکش کے بلند دروں سے گزر کر کابل اور پھر درہ خیبر کے راستے پاکستان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ موسم سرما جہلم اور ڈیرہ اسماعیل خاں کے نواح میں گزار کر وہ موسم بہار میں پھر واپس ان ہی راستوں پر چل کھڑے ہوتے ہیں۔

"تم بھی تو ان خانہ بدوشوں کی مانند بہار کے ساتھ سفر کر رہے ہو؟"

"ہاں—— لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ میں چند ماہ کے لیے وطن سے نکلا ہوں اور کوچی خانہ بدوشوں کا سفر پچھلے کئی ہزار سال سے جاری ہے۔"

"تمہاری واپسی کن راہوں سے ہو گی؟ پاسکل اداس نظر آ رہی تھی۔

"یہ ہے فرانس۔" سنان نے آگے بڑھ کر دیوار پر لگے ہوئے دنیا کے نقشے پر انگلی رکھ دی۔ "اور یہ ہے پیرس۔ میں یہاں سے ہسپانیہ کے لیے روانہ ہو جاؤں گا اور——"

"کب؟"

"بتاتا ہوں——" سنان اپنے واپسی کے سفر کے حسین تخیل میں کھو چکا تھا۔ "ہسپانیہ میں قرطبہ' اشبیلیہ اور غرناطہ دیکھنے کے بعد میں سوئٹزرلینڈ سے ہوتا ہوا آسٹریا چلا جاؤں گا۔ آسٹریا سے مشہور زمانہ اورینٹ ایکسپریس مجھے تین دن کے طویل سفر کے بعد استنبول پہنچا دے گی۔ استنبول سے پھر میں گاڑی میں سوار ہو کر ارض روم چلا جاؤں گا اور پھر بس کے ذریعے تہران' کابل اور—— لاہور۔"

"لاہو—— ر۔" پاسکل نے رک رک کر کہا۔ "تمہارے شہر کا نام بھی خوبصورت ہے۔"

"ہاں نام کے علاوہ میرا لاہور اس کرۂ ارض کا سب سے خوبصورت شہر ہے" سنان کی آنکھوں میں اپنے وطن جانے کی پیاس چمک رہی تھی۔

"لیکن سیاحوں کو تو وطن کی یاد نہیں ستاتی۔ وہ تو ہمیشہ نئے افقوں کے متلاشی ہوتے ہیں۔"

"تم شاید ٹھیک ہی کہتی ہو۔" سنان پلنگ پر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں ابھی تک نقشے پر گڑی تھیں۔ "میں خود اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا۔ اب تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں تو سیاح ہونے کی اولین شرط بھی پوری نہیں کر سکتا مجھے ہمیشہ وطن کی یاد ستاتی رہتی ہے اور گھر واپس پہنچنے کی تڑپ صرف اس شخص کے دل میں ہوتی ہے جس کی حد نگاہ محدود ہو۔ ہمارے ایک عظیم شاعر نے سیاح کو ایک ایسے ممولے سے تشبیہ دی ہے جو کونجوں کی مانند نئے افقوں کی تلاش میں پرواز کر جاتا ہے اور اس کی یہ پرواز—— یہ سفر اسے ذات۔ صفات اور بھیس کے جھگڑوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ میں ان تینوں کیفیتوں کو اپنے آپ سے الگ کرنے میں ناکام رہا ہوں۔"

"میں بھی شاید کسی روز کونجوں کی مانند پرواز کر کے تمہارے پاس لاہور پہنچ جاؤں گی۔" پاسکل کا چہرہ تمتما رہا تھا اور اس کے لہجے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنی دلی خواہش کا اظہار کر رہی تھی۔

سنان ہنس دیا۔

"تب تک شاید وہ شہزادہ بھی آجائے جس کا تمہیں انتظار ہے اور پھر تمہیں ایک سنہری پنجرے میں قید کر لے۔"

"میرا انتظار تو کب کا ختم ہو چکا۔" پاسکل نے اپنی نیلی آنکھیں سنان پر جما دیں جیسے کسی جواب کی منتظر ہو اور پھر آہستہ سے پلنگ سے اٹھ کر کتابوں کے شیلف کی طرف چل دی۔ اس نے شیلف میں سے ایک کتاب نکالی اور دوسرے صفحے پر سرخ پنسل سے کچھ لکھ کر سنان کے حوالے کر دی۔ یہ وکٹر ہیوگو کا ناول "ہنچ بیک آف نوٹرڈیم" تھا۔ کتاب کے دوسرے صفحے پر پاسکل کی خوبصورت طرز تحریر میں لکھا تھا۔

شہزادے کے نام

بدصورت لوگوں کو بھی محبت ایسے جذبے کی چاہت ہوتی ہے مگر ان کا

دل اس بات کو نہیں مانتا کہ وہ صرف اس وجہ سے محبت سے محروم کر دیے جائیں۔

پیرس کی پاسکل کی طرف سے پیار کے ساتھ!

"وطن لوٹنے پر اسے ایک مرتبہ پھر پڑھنے کی کوشش کرنا—— اس طرح تمہیں ایک اپاہج لڑکی کے جذبات بھی یاد رہیں گے۔" پاسکل نے سر جھکا کر کہا۔

"تمہیں اور تمہارے جذبات کو یاد رکھنے کے لیے مجھے کسی کتاب کا سہارا لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" سنان نے اس کی ٹھوڑی تلے انگلی رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ پاسکل کی نیلی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"اوہ—— میں بھی کتنی بے وقوف ہوں——" پاسکل نے اس کی انگلی ہٹاتے ہوئے کہا۔ "تم میرے مہمان بن کر آئے ہو اور میں تمہیں کچھ پیش کرنا ہی بھول گئی تھی۔ تم کھڑکی کے سامنے کرسی پر بیٹھو میں تمہارے لیے کافی اور سینڈوچ وغیرہ بنا کر لاتی ہوں۔"

"خیال برا نہیں——" سنان نے کتاب میز پر رکھ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔"

"ہمارا کچن بے حد چھوٹا ہے۔ اس میں دو آدمیوں کے کھڑے ہونے کی بھی جگہ نہیں ہے۔ تم یہیں بیٹھو۔"

"دل میں جگہ ہونی چاہیے۔" سنان ایک گھسا پٹا فقرہ دہرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"کس کے دل میں؟ تمہارے یا میرے؟" پاسکل نے شرارت سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

سنان کھڑکی کے سامنے پڑی ہوئی آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا اور سگرٹ سلگا کر پینے لگا۔ اس کے سامنے فرانسیسی طرز کی شیشے کی کھڑکی جس پر سفید رنگ کیا گیا تھا۔ فرش سے لے کر چھت تک چلی گئی تھی۔ یہاں کرسی پر بیٹھے اسے کھڑکی کے نیچے شاہراہ

کے چند ہرے بھرے درخت اور چوڑے فٹ پاتھ کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ چند خزاں رسیدہ پتے فٹ پاتھ پر بکھرے پڑے تھے۔ باہر ابھی تک تیز دھوپ چمک رہی تھی۔

سگرٹ ختم کر کے سنان وہاں سے اٹھ کر کتابوں کے شیلف کے پاس آ کھڑا ہوا اور جھک کر کتابیں دیکھنے لگا۔ زیادہ تر کتابیں انگریزی اور فرانسیسی ادب سے متعلق تھیں۔ آندرے ژی، سارتر، زولا، موپساں، ہیوگو، ہارڈی، ڈکنز، ملٹن سب یہاں موجود تھے اور بائرن کی شاعری—— بائرن جو اپاہج تھا۔ شیلف کے اوپر والا حصہ دیکھ کر وہ قالین پر بیٹھ گیا اور نچلے حصے میں رکھی کتابیں دیکھنے لگا۔ اس اثنا میں اس کی نظر شیلف اور فرش کی درمیانی جگہ پر پڑی۔ وہاں دو نئی نکور بیساکھیاں پڑی تھیں۔ اسی وقت پاسکل کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھوں میں ایک نہایت خوبصورت ٹرے تھی جس پر کافی کے برتن اور کھانے کی چیزیں نہایت قرینے سے سجی تھیں۔

"کافی کے ساتھ میں نے پنیر اور ٹماٹروں کے سینڈوچ بھی بنا لیے ہیں۔" اس نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا اور پھر سنان کو کرسی پر نہ پا کر شیلف کی جانب دیکھا۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

"تمہارے سلجھے ہوئے ذوق کی داد دے رہا تھا۔" اس نے قالین سے اٹھتے ہوئے کہا اور واپس کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

"میرے ذوق کی داد دینے کے لیے تو تمہیں صرف آئینہ دیکھنے کی ضرورت ہے۔" پاسکل نے شرارت سے کہا اور اس کے برابر پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"تمہارے پاس بے حد اچھی اچھی کتابیں ہیں۔" سنان نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"ان میں سے اکثر خالہ کی ہیں۔"

پاسکل نے کافی کی پیالی بنا کر سنان کو تھما دی اور پھر سینڈوچز کی پلیٹ آگے کر دی۔ سنان نے ایک سینڈوچ اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا اور کافی پینے لگا۔

"تم اس کمرے میں بیٹھے بیٹھے اکتا تو نہیں گئے سنان؟"

"نہیں۔" سنان نے سر ہلایا۔ "تمہیں یہ خیال کیسے آگیا؟"

"بس ـــــ مجھے لڑکوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا زیادہ تجربہ نہیں اور مجھے وہ طر اور انداز گفتگو نہیں آتا جو سوشل ہونے کے لیے ضروری ہیں۔"

"چونکہ میں بھی ان معاملوں میں کورا ہوں اس لیے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" نے مذاق سے کہا۔ "ہاں البتہ کافی بے حد مزیدار ہے اور سینڈوچ بھی نہایت لذیذ خاص طور پر جب میں انہیں ناشتے کے طور پر کھا رہا ہوں۔"

"ناشتے کے طور ـــــ اس کا مطلب ہے کہ تم نے بارہ بجے تک ناشتہ ہی نہیں تھا۔" پاسکل نے اپنی پیالی میز پر رکھ دی اور پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں باور خانے میں جا کر فرج میں سے کھانے کی کوئی اور چیز ڈھونڈ کر لاتی ہوں۔"

"نہیں۔" سنان نے پاسکل کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بستر پر بیٹھا دیا۔ "اس ضرورت نہیں کیونکہ میں عام طور پر ناشتہ کرتا ہی نہیں۔ سفر میں اس قسم کے تردد بہت وقت ضائع ہوتا ہے اس لیے میں دوپہر کو ہلکا سا سنیک کھا کر صرف رات اچھی طرح کھانا کھاتا ہوں۔"

کافی ختم ہوئی تو پاسکل ٹرے اور برتن باورچی خانے میں چھوڑ آئی۔

"تم اس کرسی پر بیٹھو۔" سنان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں پلنگ پر بیٹھ جا ہوں۔"

"تم بیٹھے رہو۔" پاسکل نے اپنی ہتھیلی سے اسے پیچھے کر دیا۔ "سنان! اس کرسی بیٹھ بیٹھ کر میں اکتا چکی ہوں۔ تم اس کھڑکی سے پرے شاہ بلوط کے چند درخت فٹ پاتھ کا ایک حصہ دیکھ رہے ہو نا! میں انہیں برسوں سے دیکھ رہی ہوں اور مجھے ان درختوں کے پتوں اور فٹ پاتھ کی اینٹوں کی تعداد بھی ازبر ہو چکی ہے۔ کبھی میں ٹخنے کے درد کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتی ہوں تو پہروں کرسی پر بیٹھ کر باہر تکتی رہتی ہوں۔ صبح خالہ ناشتہ دے کر دفتر چلی جاتی ہیں اور

اپنی ٹانگوں کے گرد کمبل لپیٹ کر سارا دن یا تو کوئی کتاب پڑھتی رہتی ہوں اور یا پھر اس کھڑکی سے باہر خلا میں گھورتی رہتی ہوں۔ موسیقی کے ریکارڈ بار بار سن کر بھی میں اکتا گئی ہوں۔ شام کو خالہ واپس آتی ہیں اور کھانے کے بعد مجھے ایک عدد گرم پانی کی بوتل کے ساتھ بستر میں لٹا کر میرے اوپر کمبل اوڑھا دیتی ہیں اور پھر دوسرے دن بھی یہی ہوتا ہے۔"

"تم نے سٹیمر پر مجھے بتایا تھا کہ تم کرسمس تک یہاں رہتی ہو اور پھر واپس انگلستان چلی جاتی ہو؟" سنان نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ہاں پچھلے چند سالوں سے تو ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے مگر پچھلے روز ڈیڈی ڈیئر کا خط آیا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ چھ ماہ کے لیے ایک بجلی گھر کی تعمیر کے سلسلے میں نیاسالینڈ چلے جائیں۔ اس صورت میں میں کرسمس کے بعد بھی یہیں اپنی خالہ کے پاس رہوں گی۔"

"پیرس کی کرسمس بھی تو بڑی خوبصورت ہوتی ہو گی؟"

"ہاں ـــــ" پاسکل نے بے دلی سے کہا۔ "میں ایک بڑا سارا کرسمس کا درخت اس کھڑکی کے سامنے رکھ دیتی ہوں۔ اسی جگہ پر جہاں اب تم بیٹھے ہو۔ درخت کی ہری بھری شاخوں کے گرد چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے قمقمے اور سنہری جھالریں لٹکاتی ہوں۔ کرسمس کی شب میں روشنی گل کر دیتی ہوں تو درخت میں سے پھوٹنے والی رنگین روشنیوں سے یہی کمرہ ایک سحر انگیز روپ دھار لیتا ہے۔ پھر کبھی کبھی برف باری شروع ہو جاتی ہے تو اس کھڑکی سے نظر آنے والے شاہ بلوط کے درختوں کی شاخیں سفید اور اجلی برف کے بوجھ تلے دب جاتی ہیں۔ پورے بارہ بجے جب سارا پیرس برف کی سفید چادر میں لپٹا ہوتا ہے تو ننھے منے بچوں کے گروہ ہاتھوں میں روشن موم بتیاں لیے بھاری اونی کپڑوں اور پھندنے والی گرم ٹوپیوں میں ملبوس ادھر آ نکلتے ہیں۔ ان کے گول مٹول سرخ چہرے ان بڑی بڑی موم بتیوں کی لو سے دمک رہے ہوتے ہیں۔ پھر میں یہیں کھڑکی میں بیٹھی بیٹھی ان کے لیے رنگین کاغذوں میں لپٹے

بیٹھے کرسمس کیک تحفے کے طور پر نیچے پھینک دیتی ہوں اور پھر اسی لمحے پیرس شہر کے تمام کلیساؤں کے گھڑیال زور زور سے بجنے لگتے ہیں۔ ان سب میں سے کلیسا نوٹرڈم کے گھڑیال کی آواز نمایاں ہوتی ہے ـــــ اور پھر میں یہیں اپنے کرسمس کے درخت کے پاس سو جاتی ہوں۔"

"کرسمس کو بے شمار پارٹیاں بھی تو ہوتی ہوں گی؟"

"ہاں ہوتی ہیں۔" پاسکل نے بستر پر سے تکیہ اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس پر کہنیاں ٹیک کر کہنے لگی۔ "مگر میں نہیں جاتی۔"

"مگر کیوں؟"

"وہی صدیوں پرانا رونا ـــــ مجھے کبھی کبھار لوگ بلا تو لیتے ہیں مگر میرے ساتھ کوئی لڑکا ساتھی کے طور پر جانا پسند نہیں کرتا۔"

"بڑے کور ذوق ہیں پیرس کے لڑکے۔" سنان نے ایک اور سگرٹ سلگا لیا۔ "میں ان کی جگہ ہوتا تو پورے پیرس میں میری نگاہ انتخاب صرف تم پر پڑتی۔"

"سنان۔" پاسکل بستر سے اٹھ کر کرسی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور اپنے دونوں بازو اس کے کندھوں پر رکھ دیئے۔ "میری ایک بات مانو۔"

"ہاں کہو۔" سنان نے بے دھیانی میں پوچھا۔

"تم کرسمس تک پیرس میں ہی کیوں نہیں ٹھہر جاتے؟"

سنان نے مڑ کر اوپر دیکھا تو پاسکل کی نیلی آنکھیں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔

"اب ستمبر کا آخیر ہے۔ صرف تین مہینوں کی تو بات ہے۔ تم مومارت میں اپنا کمرہ چھوڑ کر ہمارے فلیٹ میں چلے آؤ۔ یہاں ایک کمرہ بالکل خالی پڑا ہے۔ خالہ بالکل معترض نہ ہوں گی۔ پیرس کے نواح میں فانٹین بلو نام کا ایک نہایت ہی خوبصورت جنگل ہے۔ ہم کرسمس سے ایک روز قبل وہاں پکنک منانے کے لیے جائیں گے اور پھر واپسی پر وہاں اگے ہوئے سینکڑوں کرسمس کے درختوں میں سے سب سے بڑا کاٹ کر ساتھ لے آئیں گے ـــــ اور پھر ـــــ ہم دونوں اس کو رنگ برنگے قمقموں اور

جھالروں سے اتنا سجائیں گے کہ پورے پیرس میں اتنا خوبصورت کرسمس کا درخت کسی کا نہ ہو گا۔ اس پر ایک دوسرے کے لیے رنگین کاغذوں میں لپٹے تحفے لٹکا دیں گے جنہیں ہم نصف شب کو کھولیں گے۔ اور پھر ـــــ میں ایک پارٹی دوں گی جس میں صرف ایک مہمان مدعو ہو گا ـــــ تم! ہم بچوں کے گائے ہوئے کرسمس کے گیت سنیں گے۔ گئی رات تک مدھم دھنوں پر کرسمس کے درخت میں سے پھوٹتی والی ہلکی روشنی میں رقص کریں گے۔ صبح ہو گی تو ہم دونوں دریائے سین کے کنارے چلے جائیں گے۔ برفباری کے بعد سین کے کنارے بے حد خوبصورت لگتے ہیں۔"

سنان خاموشی سے سگرٹ پیتا رہا اور پاسکل آنے والی کرسمس کے حسین خیالوں میں گم باتیں کرتی رہی۔

"اور اس کے بعد سنان ـــــ اس کے بعد تم بے شک واپس وطن لوٹ جانا ـــــ ٹھیک ہے نا؟"

سنان کی نگاہیں کھڑکی کرسی کی پشت سے ہٹ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"پاسکل میں بھی تمہاری طرح اس وقت کل کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتا۔" سنان نے اپنا ہاتھ آہستہ سے اس کے رخسار پر رکھ دیا۔ "میں تم سے کوئی ایسا وعدہ کرنا نہیں چاہتا جو میں پورا نہ کر سکوں اور تمہاری دل آزاری ہو۔"

"تمہیں میری دل آزاری کا اتنا خیال ہے تو میری بات کیوں نہیں مان جاتے؟"

"تمہیں پاکستانی جھمکے پہن کر ایسی باتیں کرنا زیب نہیں دیتا۔" سنان نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"وہ کیوں؟" پاسکل نے حیرت سے اپنی جھمکوں کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

"ایک پاکستانی زیور پہن کر تمہیں ایک پاکستانی لڑکی طرح ہی باتیں کرنا چاہیے۔ ہمارے ہاں لڑکیاں اتنی آزادی سے لڑکوں کو اپنے پاس رہنے پر مجبور نہیں کرتیں۔"

"تمہارے ہاں لڑکیاں بے حد سرد مزاج ہوتی ہوں گی۔"

"حقیقت اس کے برعکس ہے۔"

"تو پھر ان کی جذبات میں اتنی شدت پیدا نہیں ہوتی ورنہ وہ بھی بالکل میری طرح ان کا اظہار کریں۔"

"جذبات کے اظہار کے لیے اور طریقے بھی ہوتے ہیں۔"

"اور طریقے؟ ـــــ مثلاً؟" پاسکل اس کے اور نزدیک آ گئی اور اپنا منہ سنان کے پاس لا کر بڑی معصومیت سے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"مثلاً ـــــ" سنان کا سر پیچھے ہٹتے ہٹتے کرسی کی پشت سے آ لگا اور وہ بالکل بوکھلا گیا۔ "مثلاً ـــــ یہ کہ تم ایک اچھی لڑکی کی طرح یہاں سے ہٹ کر ـــــ وہاں پلنگ پر جا کر بیٹھ جاؤ۔"

"اور اگر نہ بیٹھوں تو؟" پاسکل بدستور اس پر جھکی رہی۔ اس کے جھمکے سنان کی آنکھوں کے سامنے لرز رہے تھے۔

"نہیں بیٹھو گی تو میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔" سنان نے گھبراہٹ میں دونوں ہاتھوں سے کرسی کے بازو سختی سے تھام لیے۔

تم نہیں جا سکتے ـــــ میرے لب تمہارے راستے میں ہیں۔"

"میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ تم ایک پاکستانی لڑکی کی طرح ـــــ"

"میں پاکستانی لڑکی نہیں ہو ـــــ"

"تو پھر ایک اچھی لڑکی ـــــ"

"میں اچھی لڑکی بھی نہیں ہوں ـــــ" پاسکل اور قریب آتی گئی اور پھر سنان کے آنکھوں میں اس کے جھمکے معدوم ہوتے گئے اور ان کی جگہ اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ فرار کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔ سیاح گھر چکا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا پورا جسم ہلکے ہلکے جھٹکنے لگا اور ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھرنے لگے۔

"ہماری پہلی ملاقات دریائے سین کے خوبصورت پلوں کے نیچے ہوئی۔ اور پھر میرے دل میں ـــــ محبت کے شعلے بھڑکنے لگے۔

سنان نے آنکھیں کھولیں تو پاسکل اس کے سامنے موجود نہ تھی اور کمرے میں ایک مشہور فرانسیسی مغنیہ کا گیت "پیرس کے پلوں تلے" گونج رہا تھا۔

○○○

گیت ختم ہوا تو سنان کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

پاسکل کتابوں کے شیلف کے پاس کھڑی تھی۔ اس کی نگاہیں سنان پر تھیں اور اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"تمہیں یہ گیت پسند آیا؟" پاسکل نے نظریں جھکا کر پوچھا۔

"ہاں بہت خوبصورت تھا۔ میں نے اسے پہلی بار سنا ہے۔"

"تم نے ایسے ـــــ گیت ـــــ پہلے بھی سنے ہوں گے؟"

"نہیں پاسکل ـــــ میں نے کہا نا پہلی بار ـــــ" اسے معلوم تھا کہ پاسکل صرف گیت کے بارے میں ہی نہیں پوچھ رہی۔

"سچ کہتے ہو؟"

سنان نے سرہلا دیا۔ "ہاں۔"

پاسکل نے شیلف پر رکھے ریکارڈ پلیئر پر ماڈرن جاز کے ایک مشہور موسیقار ڈیوبروبیک کا ایک ریکارڈ رکھ دیا اور واپس پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی۔

کھڑکی کے باہر چمکتی ہوئی سنہری دھوپ اب پیلی پڑ رہی تھی۔ سنان نے وقت دیکھا تو پانچ بجنے کو تھے۔

"ایک خوبصورت دوپہر کا اختتام ـــــ"

"خوبصورت دوپہر کے بعد ایک خوبصورت شام بھی تو شروع ہو گی۔"

"نہیں پاسکل ـــــ مجھے اب چلنا چاہیے۔ ویسے بھی تمہاری خالہ آنے والی ہوں گی۔"

"اچھا تو پھر یہ ریکارڈ ختم ہو لے پھر چلے جانا۔"

سنان کا دل بھی جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ کرسی پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

پیانو کی موسیقی ہلکی سروں میں بجتی رہی اور یوں باہر ہلکی پیلی دھوپ ماند پڑتے پڑتے سرمئی اندھیرے میں بدل گئی۔

دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔ پاسکل نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

"کیا حال ہے بچو؟"

سنان یہ آواز سن کر فوراً کھڑا ہو گیا۔ دروازے میں پاسکل کی خالہ کھڑی تھیں۔

"مہربانی ـــــ شکریہ ـــــ" سنان نے تعظیماً جھک کر کہا۔

"کہو دوپہر کیسے گزری۔"

"مہربانی ـــــ"

"یہ کیا مہربانی مہربانی کی گردان کر رہے ہو۔" اس کی خالہ نے ہنس کر کہا اور آگے بڑھ کر سنان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگیں۔ "میں اتنی کرخت طبیعت نہیں ہوں جتنی شکل سے لگتی ہوں۔"

"اس لڑکے نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا؟" خالہ اب پاسکل سے مخاطب تھیں۔

"بہت تنگ کیا ہے خالہ" پاسکل نے شوخی سے کہا۔ "میری کوئی بات نہیں مانتا۔"

"خیر یہ تم دونوں کا ذاتی معاملہ ہے۔" خالہ فوراً غیر جانب دار ہو گئیں۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں پاسکل ـــــ" سنان نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"بالکل نہیں۔" خالہ ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔

"جی۔" سنان نے مسکینوں جیسی شکل بنا کر کہا۔

"تم ابھی نہیں جا سکتے۔" خالہ نے رعب سے کہا۔ "کھانا کھا کر جانا۔"

"بہت بہتر۔" سنان نے فوراً بات مان لی اور چپکے سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

"پاسکل ـــ مجھے تو بھوک نہیں۔ تم دونوں اسی کمرے میں بیٹھے رہو میں کھانا لے آتی ہوں۔"

"نہیں خالہ آپ دفتر میں کام کرتے کرتے تھک گئی ہوں گی آپ آرام کریں۔ میں خود ہی لے آؤں گی۔" پاسکل نے آگے بڑھ کر خالہ کے دونوں گالوں پر بڑے پیار سے بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" خالہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا اور پھر ایک دم مڑ کر پاسکل کے جھمکوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگیں۔ "اچھے لگتے ہیں۔"

خالہ کے باہر جاتے ہی پاسکل نے دروازہ بند کر لیا۔

"تمہارا یہی علاج ہے ـــ زبردستی! میں تمہیں رکنے کا کہتی تو کبھی نہ مانتے۔"

"دراصل انہیں دیکھ کر مجھے اپنی خالہ یاد آ جاتی ہیں۔" سنان نے ہنس کر کہا۔ "ہو بہو ایسی ہیں۔ بات چیت میں بے حد خوفناک مگر اندر سے اتنی رقیق القلب کہ میں ایک روز بھی ان کے گھر نہ جاؤں تو رو رو کر برا حال کر لیتی ہیں۔ حالت یہ ہے کہ ابھی تک مجھے بچہ ہی سمجھتی ہیں۔ اکثر مجھے دیکھ کر کہیں گی کہ سنان تم نے آج اپنے بال اچھی طرح سے نہیں بنائے اور پھر کنگھی لے کر میری ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھ کر بڑے اہتمام سے میرے بال سنوارنے لگتی ہیں۔"

"خیر ـــ جناب شام کے کھانے کے لیے کیا پسند فرمائیں گے؟"

"کم از کم فرانسیسیوں کی مرغوب غذا تلے ہوئے مینڈک کھانے کا تو موڈ نہیں۔"

"اور ابلے ہوئے موٹے تازے کینچوئے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی ـــ" سنان نے کرسی سے اٹھ کر دروازے کا رخ کر لیا۔

"باہر خالہ بیٹھی ہیں۔" پاسکل نے دھمکی دی۔

"میں ابلے ہوئے کینچوئے کھانے کی بجائے تمہاری خالہ کا سامنا کرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

"اچھا بابا تم بیٹھو تو سہی۔" پاسکل نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر رک کر بولی "نہیں ـــ بیٹھنے سے پہلے یہ میز وہاں کھڑکی کے پاس رکھنے میں میری مدد کرو۔"

میز کھڑکی کے سامنے رکھنے کے بعد پاسکل نے اس پر ایک سفید میزپوش بچھا دیا اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے دراز میں سے دو لمبی موم بتیاں نکال کر میز کے دونوں سروں پر رکھ دیں۔

"اب کی مرتبہ سگرٹ سلگانے لگو تو اپنے لائٹر سے ان موم بتیوں کو بھی روشن کر دینا۔"

سنان نے جیب سے لائٹر نکالا اور باری باری دونوں موم بتیاں روشن کر دیں۔

"اب صرف پھولوں کے گلدستے کی کسر ہے۔" پاسکل نے میز کا جائزہ لیتے ہوئے تالی بجا کر اعلان کیا۔

"اور خوراک کی ـــ" سنان نے لقمہ دیا۔

"درست۔" پاسکل نے قریب آ کر اس کی گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے عزائم ایک پاکستانی لڑکی کے نہیں تھے۔

"اب جاؤ بھی۔" سنان نے مڑ کر تیزی سے کہا۔

"جاتی ہوں۔" پاسکل نے مصنوعی غصے سے کہا اور پھر کمرے سے نکل گئی۔

کھڑکی سے نظر آنے والے شاہ بلوط کے درخت کی اوٹ میں ایک قدیم طرز کے کھمبے کی روشنی جل اٹھی اور پیرس کی شام کے سرمئی اندھیرے میں پھیل گئی۔ سنان اور پاسکل کے درمیان میز پر شمعوں کے دو پیلے شعلے بڑی نزاہت سے حائل ہو رہے تھے۔ شاہ بلوط کے درختوں میں سے ہوتی ہوئی ایک سیلی خوشبو پہلو بدلتی ہوئی آتی ـــ شمعوں کی لو تھرتھراتی اور ان کا پرتو پاسکل کی نیلی آنکھوں میں جھلکنے لگتا۔ نیلی آنکھیں بے حد اداس تھیں۔

"تم میری بات نہیں مانو گے؟"

"کون سی بات پاسکل؟"

"کرسمس تک پیرس میں ٹھہر جاؤ!"

سنان نے پاسکل کی جانب دیکھا۔ شمعوں کی روشنی اس کے جھمکوں پر پڑ رہی تھی اور ان میں سے ستارے پھوٹ رہے تھے۔

"پاکستانی جھمکے پہن کر——"

"ہاں ہاں مجھے معلوم ہے پاکستانی جھمکے پہن کر مجھے ایسی باتیں کرنا زیب نہیں دیتا—— تم نے اگر پھر ان جھمکوں کی بات کی تو میں انہیں اتار کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں گی۔" پاسکل نے دکھ سے کہا۔

"اور تم بھی ایسی باتیں مت کرو پاسکل جن کا جواب تمہیں معلوم ہے۔"

پاسکل خاموش بیٹھی روشن شمعوں کو تکتی رہی۔

"غرناطہ کے درمیان ایک بلند پہاڑی پر ایک سرخ قصر الحمرا نام کا ہے۔ ہر شب وہاں چراغاں ہوتا ہے۔ میں انہی چراغوں کی روشنی میں بیٹھ کر الحمرا کے فواروں اور جھرنوں کی مدھم کن من سنتے ہوئے تمہیں خط لکھوں گا اور ان چراغوں کی لو سے یہاں پیرس میں اس کھڑکی کے سامنے تمہارا خوبصورت چہرہ اور نیلی آنکھیں دمکنے لگیں گی۔"

"وہ کون سا ایسا فسوں ہے جو لوگوں کو محبت ایسے جذبے کو ٹھکرا کر وہاں جانے پر مجبور کر دیتا ہے؟"

سنان نے پاسکل کے چہرے سے نظریں ہٹا کر شاہ بلوط کی اوٹ میں روشن کھمبے پر جما دیں۔ وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

"آج تم میری کسی بات کا جواب نہیں دے رہے—— اب میں تم سے کوئی سوال نہیں پوچھوں گی۔" پاسکل نے نظریں اٹھا کر سنان کی جانب دیکھا جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی اور پھر آہستہ سے کہنے لگی۔ "اگر میں اپاہج نہ ہوتی نا تو میں تمہارے ساتھ ہی ہسپانیہ چل دیتی۔ پھر دیکھتی کہ تم مجھے کیسے روکتے ہو!"

"تم اپنے آپ کو اپاہج نہ کہا کرو پاسکل—— مجھے دکھ ہوتا ہے" سنان نے رک کر کہا۔ "تم بیساکھیاں کیوں نہیں استعمال کرتیں۔ شاید ان کے سہارے تم بہتر طور پر چل سکو اور تمہیں تکلیف بھی نہ ہو۔"

پاسکل کی نظریں بے اختیار سنان کے چہرے سے ہٹ کر شیلف پر مرکوز ہو گئیں۔ "تم نے شاید میری بیساکھیاں دیکھ لی ہیں؟"

"ہاں——"

"بیساکھیوں کے سہارے میں یقیناً بہتر طور پر چل پھر سکتی ہوں لیکن میں ایسا جان بوجھ کر نہیں کرتی۔ ان کو کندھوں کے نیچے رکھتے ہی مجھ میں اپنے اپاہج ہونے کا احساس شدید تر ہو جاتا ہے۔ میں اب بھی ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس تلخ حقیقت کے لیے تیار نہیں کر پائی۔ اسے فراریت کہہ لو مگر مجھے بیساکھیوں سے نفرت ہے۔ اس کے علاوہ میں ایک لڑکی بھی تو ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایک عام لڑکی ٹھوکریں کھاتی پھرے گی مگر اپنی کوتاہ نظری کو دور کرنے کے لیے عینک نہیں لگائے گی۔ یہ نسوانی انا کا مسئلہ ہے۔ بیساکھیاں ہاتھ میں لیتے ہی میری انا کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے—— میری صنف ختم ہو جاتی ہے۔ میں ایک اپاہج لڑکی کی بجائے صرف ایک اپاہج رہ جاتی ہوں۔"

کھڑکی میں سے ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا اور دونوں شمعیں گل ہو گئیں۔ کمرہ بالکل تاریک ہو گیا۔

"ہوا تیز ہو چلی ہے۔" پاسکل نے اٹھ کر کھڑکی کے کواڑ بند کر دیئے۔ سنان نے جیب سے لائٹر نکالا اور شمعیں روشن کر دیں۔

"مجھے یقین ہے کہ تم کبھی نہ کبھی ضرور تندرست ہو جاؤ گی——" سنان نے لائٹر جیب میں ڈالا اور اپنی کرسی پر بیٹھنے کی بجائے پاسکل کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"مجھے معلوم ہے ایسا کبھی نہ ہو گا۔" پاسکل کے لبوں پر حزن آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ "البتہ میرے درد کے فاصلے گھٹتے یا بڑھتے رہیں گے اور ان کا

انحصار—— خیر چھوڑو۔"

"تم اب تھک چکی ہو پاسکل۔ مجھے چلنا چاہیے۔"

"ہاں—— واقعی اب میں تھکن محسوس کر رہی ہوں۔"

"شب بخیر۔" سنان نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"میں تمہیں فلیٹ کے دروازے تک چھوڑ آتی ہوں۔" پاسکل کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"نہیں—— بلکہ تم ابھی میرے سامنے اپنے بستر میں لیٹ جاؤ اور آرام کرو۔" سنان نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر پلنگ پر بٹھا دیا۔

"لیکن—— مجھے تو ابھی شب خوابی کا لباس بھی پہننا ہے۔"

"قطعی ضرورت نہیں—— خواہ مخواہ تھکاوٹ ہو گی—— چلو۔" سنان نے بستر کی چادر ایک طرف کر دی۔ پاسکل نے ایک ننھے منے بچے کی مانند اس کے حکم کی تعمیل کی اور بستر پر لیٹ کر چادر اوڑھ لی۔ سنان نے اس کے اوپر کمبل ڈال کر تھپتھپا دیا۔

"بس—— اب ایک اچھی بچی کی طرح چپکے سے سو جاؤ۔"

"بچیوں کو لوری بھی تو سنائی جاتی ہے۔" پاسکل کا موڈ پہلے سے بہتر ہو چکا تھا۔

"اچھی بچیاں لوری سنے بغیر ہی سو جاتی ہیں۔"

"میں اچھی بچی نہیں ہوں اور لوری سنے بغیر ہرگز نہیں سوؤں گی۔" پاسکل نے آنکھیں جھپکتے ہوئے دھمکی دی۔

"کون سی لوری سنو گی؟"

"وہی شہزادے اور شہزادی والی—— شہزادی جس کے سارے جسم میں سوئیاں چبھی تھیں اور پھر ایک روز ایک شہزادہ اس کی سوئیاں نکالنے آ گیا۔"

سنان اس کی معصومیت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"پاسکل تم بے حد اچھی ہو۔"

"اور وہ لوری——"

"جانے سے پہلے شمعیں گل کر دوں؟" سنان نے سنی ان سنی کرتے ہوئے پوچھا "نہیں انہیں یونہی روشن رہنے دو۔" پاسکل نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "اور جانے سے پہلے اپنی کتاب ضرور اٹھا لینا۔ میز پر پڑی ہے۔"

سنان نے "ہنچ بیک آف نوٹرڈیم" میز پر سے اٹھا کر برساتی کی بڑی جیب میں ڈال لی۔

"اچھا اب اجازت ہے؟"

"افوہ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا تھا۔ "پاسکل نے اپنی چادر اتار پھینکی اور اٹھ کر مزے سے بستر پر بیٹھ گئی۔

"اور اب کیا یاد نہیں رہا؟"

"تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ کل تم مجھے کہاں اور کتنے بجے ملو گے؟"

"کل؟"

"ہاں ہاں کل!"

"تمہیں ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ اس لیے کل تو نہیں البتہ پرسوں میں خود ہی آ جاؤں گا۔"

"نہیں کل——" پاسکل نے نرم تکیے پر غصے میں ایک زوردار مکہ رسید کیا اور منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

"ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق——؟"

"پلیز سنان——" پاسکل بچوں کی طرح گھٹنوں کے بل چلتی ہوئی پلنگ کے سرے پر آ گئی اور سنان کی برساتی کا کالر پکڑ لیا۔ "تم اگر کل نہ آئے تو میرا درد شدت اختیار کر جائے گا اور پھر اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔"

"میں؟" سنان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں تم! تم آ جاتے ہو تو میں سب کچھ بھول جاتی ہوں—— اور اگر تم کل نہ آئے تو اتنا درد ہو گا اتنا درد ہو گا کہ بس——"

"یہ تو بلیک میل ہے۔"

"بالکل ہے۔" پاسکل نے برساتی کا کالر زور سے کھینچا۔ "جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

"یہ جنگ ہو رہی ہے یا محبت؟"

"بتاؤں؟"

"ہاں بالکل —— میں جاننا چاہتا ہوں۔"

پاسکل نے سنان کی برساتی کے کالر چھوڑ کر باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں اور اپنا چہرہ قریب لے آئی۔

"اچھا تو پھر میں کل آجاؤں گا۔" سنان نے جلدی سے اس کے بازو پکڑ کر اپنے آپ کو چھڑا لیا۔

"بزدل۔" پاسکل نے ہنس کر کہا اور پھر چادر اوڑھ کر بستر پر لیٹ گئی۔

"بزدل ہی سہی۔" سنان نے خفت مٹانے کے لیے کہا" اور سنو —— سوتے وقت یہ جھمکے اتار دیئے جاتے ہیں۔"

پاسکل نے جھٹ دونوں جھمکے کانوں سے علیحدہ کیے اور سنان کی جانب اچھال دیئے۔ اس نے انہیں ڈریسنگ ٹیبل کے دراز میں رکھ دیا۔

"اور کچھ؟"

"کچھ نہیں —— اب میں چلتا ہوں۔"

"کتنے بجے آؤ گے؟"

"صبح کسی وقت —— نو بجے کے قریب —— پھر باہر گھومنے چلیں گے —— ٹھیک ہے نا؟"

"ٹھیک تو ہے لیکن تم بے حد سست واقع ہوئے ہو۔ نو بجے کی بجائے آؤ گے ۱۱ بجے۔ کیوں نہ میں خود تمہیں لینے آجاؤں؟"

تمہیں خواہ مخواہ تکلیف ہو گی۔"

"میں ٹیکسی لے کر آجاؤں گی۔ مجھے اپنا پتہ لکھ کر دے دو۔"

سنان نے ایک چٹ پر اپنا پتہ لکھ دیا اور کمرے سے باہر آنے لگا۔

"ایک اور بات ——" پاسکل نے اسے پکارا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اب کیا ہے۔" سنان نے پیچھے مڑ کر سختی سے پوچھا۔

"تم نے آج وہ تمام کام اپنے ذمے لیے ہیں جو عموماً خالہ کرتی ہیں۔ مثلاً شام کا کھانا اکٹھے بیٹھ کر کھانا۔ پھر مجھے بستر میں لٹا کر کمبل اوڑھانا' لوری سنانا وغیرہ —— لیکن سب سے ضروری بات بھول گئے ہو۔"

"اور وہ کیا ہے؟"

پاسکل نے جواب دینے کی بجائے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور لبوں کو بھینچ کر ہلکی سی جنبش دی۔ "ہوں۔"

"اونہوں۔" سنان نے سر ہلایا۔ "ہمارے ملک میں یہ رواج نہیں ہے۔"

پاسکل نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"ہم اس وقت تمہارے ملک میں نہیں ہیں۔" اس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

سنان نے اپنے لمبے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور پھر پاسکل کے پاس آ کھڑا ہوا جو بڑے مزے سے بستر پر کسی سادھو کی مانند آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے ایک خصوصی یورپی شب بخیر کہنے کی رسم کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ سنان نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا۔

"شب بخیر پاسکل۔"

پاسکل نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں —— اور پھر اپنے گرم لب اس کی ہتھیلی پر جما دیئے۔

سنان نے نرمی سے اپنا ہاتھ پاسکل کی گرفت سے آزاد کیا اور پھر خاموشی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر آ گیا۔

OOO

سنان پاسکل کے فلیٹ سے نکل کر دریائے سین کے اونچے کناروں کے ساتھ چلتا ہوا نیولی کے پل پر آگیا جہاں چوک سے پار ٹرام سٹیشن واقع تھا۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ابھی صرف نو بجے تھے۔ اس نے ٹرام پر سوار ہونے کی بجائے پیدل ہی موہارت جانے کا فیصلہ کیا اور ایونیوفاک کے چوڑے فٹ پاتھ پر ہو لیا۔

ایونیوفاک کی لاتعداد روشنیوں' ٹریفک کے مسلسل شور اور فٹ پاتھ پر چلنے والے لوگوں کی گفتگو میں زندگی کی ایک ایسی لہر تھی جو یورپ کے ہر بڑے شہر کی رگوں میں دوڑتی ہے مگر یہاں پیرس میں یہ تمام آوازیں ایک نمایاں اور منفرد حیثیت کی حامل تھیں۔ روشنیوں کے کھمبے قدیم طرز کے تھے اور ان کی روشنیوں میں نماہٹ تھی۔ ٹریفک کا شور بھی اعصاب پر اثرانداز ہونے کی حد تک بلند نہ تھا اور لوگوں کی آوازیں—— یورپ کی سب سے نازک اور خوبصورت زبان فرانسیسی میں ڈھل کر بے حد بھلی لگ رہی تھیں۔ سنان نے سوچا کہ اگر اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر بھی اسے اس شہر میں لا کھڑا کیا جائے تو یہاں کے شور کی انفرادیت سے ہی یہ جان جائے گا کہ وہ پیرس میں ہے۔

سامنے "فتح کی محراب" کی عظیم عمارت روشنیوں یں نہائی ہوئی نہایت دل فریب لگ رہی تھی۔ محراب کے گرد گھومتی ہوئی کاریں اور ان کی روشنیاں ایسے لگ رہی تھیں جیسے سنگ مرمر کی ایک عظیم شمع کے گرد ہزاروں پروانے دیوانہ وار طواف کر رہے ہوں۔ ہاں یہ پیرس تھا۔ دنیا کا سب سے خوبصورت شہر۔ پیرس ایک احساس تھا۔ پرفسوں احساس جو دھیرے دھیرے آپ کی روح میں سرائیت کر کے آپ کو اپنا گرویدہ کر لیتا ہے اور پھر آنکھ اس شہر کے ہر منظر کو چاہے وہ کتنا ہی بدصورت کیوں نہ ہو اس احساس کی لو میں جل کر دیکھتی ہے اور ہر طرف شوخ رنگ بکھر جاتے ہیں۔

سنان نے موہارت پہنچ کر اپنے مکان کے دروازے کا ہینڈل آہستہ سے گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ آج اتنی خوبصورتیوں کو اپنے اندر ہو کر لایا تھا کہ میڈم ژی یا اس کی بوڑھی ماں سے دوچار ہو کر انہیں کھو نہیں دینا چاہتا تھا۔ سیڑھیاں طے کر جب وہ اپنے کمرے تک پہنچا تو اس کی نظریں بے اختیار جینی کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ روشنی جل رہی تھی اور اندر سے عامیانہ قسم کی تیز امریکی دھنوں کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے جیب سے چابی نکالی اور قفل میں ڈال کر گھما دی۔ اسی لحظہ ہمیشہ کی طرح ساتھ والا دروازہ کھٹ سے کھل گیا۔ جینی نائلون کے باریک گاؤن میں ملبوس کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا۔

"تمہاری صحت کا جام——" جینی نے گلاس فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں لکنت تھی۔

سنان نے جواب دینا مناسب نہ جانا اور دروازہ کھول کر اندر جانے لگا۔

"ہے" جینی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ایک خاتون تم سے مخاطب ہے مسٹر! ایک شریف خاتون۔ آداب کا تقاضا ہے کہ تم جواب دو۔"

"کیا چاہتی ہو جینی؟" سنان نے وہیں کھڑے رکھائی سے پوچھا۔

"میں——" اس نے اپنی لرزتی ہوئی انگلی سنان کے سینے پر رکھ دی۔ "میں تمہیں چاہتی ہوں۔"

"تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو جینی بہتر یہی کہ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔"

"میں بالکل ہوش—— میں ہوں اور—— میں تمہاری پاسکل کی طرح اپاج نہیں ہوں جو مجھے آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔"

سنان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں اس—— سستی عورت

کے لیے نفرت ابلنے لگی۔

"تمہیں پاسکل کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔" وہ بے حد غصے میں تھا۔ "اور پھر ـــ جینی تم خود بھی تو اپاہج ہو۔"

"میں اور اپاہج ـــ؟" جینی نے سنان کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو اور پھر دو قدم پیچھے ہٹ کر اس نے اپنی ٹانگ پر سے گاؤن ہٹا دیا اور کہنے لگی۔ "غور سے دیکھو ننھے لڑکے ـــ میں اپاہج نہیں ہوں۔ میری دونوں ٹانگیں سلامت ہیں۔"

سنان نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"اب دیکھتے کیوں نہیں ـــ میری ٹانگیں بے حد خوبصورت ہیں۔"

وہ اگر چاہتا تو گفتگو منقطع کر کے اپنے کمرے میں جا سکتا تھا مگر جانے کیوں اسے اس لڑکی پر ترس آنے لگا جو یہ الٹی سیدھی حرکتیں صرف اسے ستانے کی غرض سے کر رہی تھی اور پھر ہوش میں بھی تو نہیں تھی۔

"پاسکل جسمانی طور پر اپاہج سہی مگر تمہاری طرح دماغی طور پر مفلوج نہیں۔" سنان نے اس کی جانب دیکھے بغیر تلخی سے کہا۔ "اب جاؤ اور اپنے کمرے میں آرام کرو۔"

جینی نے اپنا گاؤن برابر کیا اور پھر اس کے قریب آ گئی۔

"تمہاری صحت کا جام۔" اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا اور اسے زور سے اپنے دروازے پر دے مارا۔ ٹوٹے ہوئے گلاس کی کرچیاں سیڑھیوں پر بکھر گئیں۔ "میں اپاہج نہیں ہوں۔" وہ چیخی۔

اسی وقت جینی کے کمرے کا دروازہ کھلا اور درمیانی عمر کا ایک گنجا مرد صرف پتلون اور بنیان میں ملبوس ننگے پاؤں باہر نکل آیا۔

"کیا ہوا جینی ڈارلنگ ـــ" ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس نے ایک گندی سی گالی دی اور وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کے ایک پاؤں سے خون بہہ رہا تھا۔

"یہ کس ـــ نے یہاں شیشے کی کرچیاں بکھیر رکھی ہیں؟" اس نے ایک اور گالی

دی۔ "اور تمہیں کس ـــ نے کہا تھا کہ یوں ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے میرے کمرے سے باہر آ جاؤ۔" جینی نے بھی وہی زبان استعمال کی اور گرج کر کہا۔

گنجے مرد نے وہیں بیٹھے بیٹھے نفرت سے جینی کی طرف دیکھا اور زیر لب بڑبڑانے لگا۔ اس کی نظر سنان پر پڑ گئی۔

"اور یہ ـــ کون ہے؟" اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی نشے میں ہے۔

"تمہیں اس سے مطلب؟" جینی پھر گرجی۔

"پچاس فرانک سویٹ ہارٹ ـــ مجھے اپنے پچاس فرانک سے تو مطلب ہے۔"

گنجے نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

"پچاس فرانک کی ادائیگی سے تم نے میری ذاتی زندگی میں دخل اندازی کا حق نہیں خرید لیا۔" جینی نے تنک کر کہا۔ "تم کمرے میں چلو میں آ جاتی ہوں۔"

گنجا مرد بڑی دقت سے اٹھا اور لنگڑاتا ہوا کمرے کے اندر چلا گیا۔

"میرا دوست ہے۔" جینی نے سنان کی طرف دیکھ کر جھینپتے ہوئے کہا۔ "زندہ رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"ہاں" سنان کے لبوں پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ "زندہ رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑتا ہے۔"

"مجھے تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔" جینی اب قدرے ہوش میں تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ "سنان تم میرے کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے چلے آؤ۔"

"میں پاسکل کے گھر سے پیدل چل کر آیا ہوں اور خاصا تھک چکا ہوں۔ کل سہی۔" سنان کے لہجے میں بھی اب نرمی آ چکی تھی اور جینی کو اس تبدیلی کا احساس تھا۔

"میں آج شام تمہارے ساتھ نہایت بدتمیزی سے پیش آئی ہوں ——— مجھے معاف کر دو۔" اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے سنان کے کندھے تھام لیے۔ "پلیز سنان آجاؤ ———"

"سنان کی نظروں سے جینی کا دنیاوی روپ اوجھل ہو گیا اور وہ اسے ایک عام اور سیدھی سادھی لڑکی دکھائی دینے لگی۔ ایک اچھی اور شریف لڑکی جس نے جذبات کی شدت سے مغلوب ہو کر کوئی فاش غلطی کی ہو اور اب سچے دل سے اس پر پشیمان ہو رہی ہو۔

"کوئی بات نہیں۔" اس نے جیب سے رومال نکال کر جینی کے آنسو پونچھے۔ "میں کل ضرور تمہارے کمرے میں آؤں گا۔"

"نہیں آج رات ہی ——— ابھی ——— مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" جینی نے التجا کی۔

"میں نے تمہیں بتایا ہے ناکہ میں بے حد تھک چکا ہوں اور پھر تمہارا دوست۔"

"میرا دوست ———" جینی کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ تھی۔ "تم سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی اس جانور کو میرا دوست کہہ رہے ہو۔"

اس نے اپنے ہاتھ سنان کے کندھوں سے ہٹا لیے۔ نائٹ گاؤن کی رسی کھول کر دوبارہ کسی اور آگے بڑھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی تاریک سیڑھیوں پر کمرے میں جلتے ہوئے بلب کی روشنی پھیل گئی۔ سامنے صوفے پر وہی گنجا آدمی لیٹا خراٹے لے رہا تھا۔

"ہے ——— پچاس فرانک۔" جینی نے وہیں دروازے میں کھڑے کھڑے چیخ کر کہا۔

گنجا ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے شاید کمرے کے باہر تاریکی میں کھڑی ہوئی جینی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"کون ہے؟" وہ ابھی تک مکمل طور پر بیدار نہیں ہوا تھا۔

"تمہاری سویٹ ہارٹ ——— پچاس فرانک"

گنجے مرد نے اپنی آنکھیں ملیں اور پھر دروازے کی طرف دیکھا جہاں جینی ہینڈل پر ہاتھ رکھے اسے گھور رہی تھی۔

"کیا ہے؟" اس نے بنیان اٹھا کر اپنا پیٹ کھجلاتے ہوئے جمائی لے کر پوچھا۔

جینی نے جواب میں پورا دروازہ کھول دیا۔

"کیا مطلب؟" گنجا صوفے سے اٹھ بیٹھا۔

"دفع ہو جاؤ" جینی دھاڑی۔

گنجا ایک دم ہوش میں آگیا اور غصے سے کہنے لگا۔ "لیکن میرے پچاس فرانک ——— ابھی تو ———"

جینی نے گاؤن کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دس دس فرانک کے چار نوٹ نکال کر گنجے کی طرف پھینک دیے۔

"میں نے دس فرانک شراب کے کاٹ لیے ہیں ——— اب دفع ہو جاؤ۔ کھیل ختم۔"

گنجے نے ایک قہر آلود نظر جینی کے پیچھے کھڑے ہوئے سنان پر ڈالی اور پھر قالین پر بیٹھ کر اپنے نوٹ چننے لگا۔ نوٹ جمع کر کے اپنی پتلون کی پچھلی جیب میں اڑسے اور پھر بے یقینی کے عالم میں اپنا گنجا سر ہلاتا ہوا باہر آگیا۔ سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہی اس نے پھر ایک گندی سی گالی دی اور وہیں بیٹھ گیا۔ بے دھیانی یا نشے میں اسے ایک مرتبہ پھر وہاں پر بکھری کرچیوں کا خیال نہ رہا تھا۔

"آؤ سنان۔" جینی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

سنان اس ڈر سے کہ جینی پھر سے کوئی ہنگامہ برپا نہ کر دے چپکے سے اس کے ساتھ کمرے میں آگیا۔

جینی دروازہ بند کرنے لگی تو سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا گنجا غصے سے کہنے لگا۔

"میرے جوتے اور کوٹ تو واپس کر دو ——— سویٹ ہارٹ!"

جینی نے صوفے کے نیچے سے جوتوں کا ایک جوڑا نکالا اور پلنگ پر پڑا کوٹ اٹھا کر دونوں باہر پھینک دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے دروازہ بند کیا۔ جلدی سے کمرے کی تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ پر رکھیں اور پھر تپائی پر رکھی شراب کی بوتل اور گلاس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔

"پیو گے؟"

سنان نے سر ہلا دیا "نہیں"

اس نے بوتل اور گلاس ساتھ والی الماری میں رکھ دیئے اور پھر صوفے پر بیٹھ گئی۔

سنان ابھی تک دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا۔

"آؤ بیٹھو سنان۔" جینی ایک طرف ہو گئی۔ وہ اب مکمل طور پر ہوش میں تھی۔

سنان اب اسی جگہ آ کر بیٹھ گیا جہاں تھوڑی دیر پہلے وہ گنجا مرد لیٹا ہوا تھا۔

"صرف میرے لیے تم نے خواہ مخواہ اپنے — کاروبار کا ستیاناس کر دیا۔"

کوئی بات نہیں —" جینی خوشدلی سے ہنس دی۔ "کاروباری لوگ بھی تو کبھی کبھار اپنے کاروبار سے اکتا کر چھٹی کر لیتے ہیں۔"

وہ اس وقت اتنی باوقار اور پرسکون لگ رہی تھی کہ یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ چند لمحے پہلے یہی لڑکی شراب کے نشے میں مدہوش چیخ رہی تھی۔

"تم نے نیوزی لینڈ میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہونے کے لیے جو درخواست دی تھی اس کا کیا ہوا؟" سنان نے یونہی پوچھ لیا۔

"ہونا کیا ہے — آج سفارت خانے سے خط آیا ہے کہ میری درخواست میں "پیشے" کے خانے کے آگے میں نے صرف "کاروباری عورت" لکھا ہے جو کافی نہیں وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے پیشے کے بارے میں تفصیل سے لکھوں تاکہ وہ میرے لیے وہاں اسی سے متعلق کسی نوکری کا انتظام کر دیں۔ اب تم ہی بتاؤ میں انہیں کیا تفصیل بھیجوں؟" "ہاں — یہ تو ہے!" سنان نے بے دھیانی میں کہا۔ اسے سخت نیند آ

رہی تھی۔

کافی پیو گے؟" جینی کو یک دم خیال آیا۔

"تم آرام کیوں نہیں کرتیں۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔"

"تمہارے اپنے ڈبے کی ہے اور اب بہت کم باقی رہ گئی ہے۔" جینی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور کونے میں جا کر سٹوو جلا کر کافی تیار کرنے لگی۔

"آج پاسکل کو ملنے گئے تھے؟" اس نے مڑ کر پوچھا۔

"ہاں۔" سنان نے سر ہلا دیا۔

"سارا دن اسی کے پاس رہے۔"

سنان نے پھر سر ہلا دیا۔

"کیسی ہے وہ؟"

"بس ٹھیک ہے —" سنان نے آہستہ سے کہا۔ "کل شام زیادہ چلنے سے اس کے درد میں اضافہ ہو گیا تھا۔"

"بے چاری" جینی کے لہجے میں ہمدردی تھی۔ کافی تیار کر کے وہ واپس صوفے پر آ کر بیٹھ گئی اور پیالیاں تپائی پر رکھی دیں۔

سنان نے ایک پیالی اٹھائی اور چپکے سے کافی پینے لگا۔ عجیب لڑکی ہے۔ ابھی وہ پاسکل کا نام کس حقارت سے لے رہی تھی اور اب اس کے لہجے میں سوائے ہمدردی اور رحم کے جذبات کے اور کچھ نہ تھا۔

"جینی" اس نے سر اٹھا کر ایک دم پوچھا۔ "کیا پیرس میں کرسمس واقعی بے حد خوبصورت ہوتی ہے۔"

"کرسمس؟" جینی نے چونک کر کہا "کیوں؟ تمہیں کیسے خیال آ گیا؟"

"بس ایسے ہی!"

"کرسمس کے تہوار کی کوئی بھی یاد میرے لیے خوش گوار نہیں ہے۔" جینی نے کافی کی پیالی تپائی پر رکھ دی اور اداس ہو کر کہنے لگی۔ "جب میں چھوٹی تھی تو مارسیلز

میں کرسمس کی شام شراب خانے میں بے حد رش ہوا کرتا تھا۔ میری ماں کو وہاں تمام شب کام کرنا پڑتا تھا۔ میں اس دوران میں ایک کونے میں بیٹھ کرسمس کا میٹھا کیک کھاتی رہتی جو میری ماں میرے لیے ایک روز پہلے بنا کر رکھ لیتی تھی۔ شراب کے نشے میں دھت لوگ میرے پاس آتے اور کہتے "آہا! کتنی خوبصورت گڑیا ہے۔ آج شام اس کے گالوں پر بوسہ دینے سے آئندہ سال خوش گوار گزرے گا۔" اور پھر وہ جھک کر نیک شگون کی خاطر میرے گالوں پر بوسہ دیتے اور میرے فراک کی جیب میں دو چار سکے ڈال دیتے۔ "گڑیا! تم اپنے لیے ایک گڑیا خرید لینا۔" جوں جوں میں جوان ہوتی گئی دیے جانے والے سکوں میں اضافہ ہوتا گیا—— خیر یہ تو تھی بچپن کی کرسمس اور پیرس—— میں بازار سے کرسمس کا ایک درخت خرید کر لے آتی ہوں۔ اسے جھالروں اور چھوٹے قمقموں سے سجاتی ہوں اور پھر تمام شب اکیلی بیٹھی اسے تکتی رہتی ہوں۔ تمہیں شاید معلوم ہو گا کہ کرسمس کو خاندان کے تمام افراد ایک دوسرے کے لیے تحفے خرید کر انہیں رنگین کاغذوں میں لپیٹ کر کرسمس کے درخت کے ساتھ لٹکا دیتے ہیں اور پھر جب نصف شب کلیساؤں کے گھڑیال بجنے لگتے ہیں تو وہ یہ تحفے درخت سے اتار کر ایک دوسرے کو پیش کر دیتے ہیں۔ تحفوں پر لپٹے رنگین کاغذ کھولتے ہوئے ان کے چہرے مسرت سے دمک رہے ہوتے ہیں۔ جانے انہیں ان کے بھائی، والد یا دوست نے کرسمس پر کیا تحفہ دیا ہے؟ میں بھی بازار سے ایک اچھا سا تحفہ خرید لاتی ہوں۔ اپنے لیے! اسے درخت سے لٹکا کر نصف شب کا انتظار کرتی ہوں۔ گھڑیال بجتے ہیں تو میں اپنے کرسمس درخت کے ساتھ لٹکا ہوا پارسل کھول کر اس طرح دیکھتی ہوں جیسے اس میں بند تحفہ میرے لیے ان دیکھا ہو اور یہ تحفہ کسی اور نے—— کسی دوست نے مجھے دیا ہو۔ پیرس کا یہ حصہ اتنا غریب ہے کہ یہاں پر کرسمس کے گیت گانے والے ننھے بچے بھی نہیں آتے۔

"کرسمس کو بے شمار پارٹیاں بھی تو ہوتی ہوں گی۔" سنان نے یہی سوال آج دوپہر پاسکل سے بھی کیا تھا۔

"ہوتی ہوں گی۔" جینی نے بے دلی سے کہا۔ "مگر مجھے کوئی نہیں بلاتا۔"

سنان نے کافی ختم کر کے پیالی تپائی پر رکھ دی اور جیب میں سے سگرٹ نکال کر سلگا لیا۔ جینی نے ہاتھ بڑھا کر سگرٹ اس کی انگلیوں سے علیحدہ کر کے اپنے منہ میں دبا لیا۔ "تم دوسرا سلگا لو۔" اس نے ایک گہرا کش لگایا اور پھر کہنے لگی۔

"کیا تم کرسمس تک پیرس میں ہی ٹھہرو گے؟"

"نہیں ایسا تو نہیں۔"

"تو پھر تمہیں بیٹھے بٹھائے پیرس کی کرسمس کے بارے میں جاننے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

سنان نے دوسرا سگرٹ سلگایا اور کش لگا کر کہنے لگا۔ "پاسکل کی خواہش ہے کہ میں کرسمس تک پیرس میں ہی رہوں۔"

جینی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور جلدی سے اپنا سگرٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔

پھر تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں سیاح ہوں—— میں نہیں چاہتا کہ ایک جگہ رہنے سے میرے پاؤں زمین میں دھنس جائیں اور میں ہمیشہ کے لیے ساکت ہو کر رہ جاؤں۔"

"ایک جگہ رہنے سے ہی—— ساکت ہونے سے ہی—— شاخیں پھوٹتی ہیں۔ پھر ان میں پھول لگتے ہیں۔"

سنان نے حیرت سے جینی کی طرف دیکھا۔ اتنا خوبصورت تخیل—— "—— ورنہ سب کچھ سوکھ جاتا ہے سنان۔" جینی کی آنکھوں میں بھی وہی خواہش کروٹیں بدل رہی تھی جس کا اظہار آج دوپہر پاسکل نے بھی کیا تھا۔

سنان نے سگرٹ کا آخری کش لگا کر ایش ٹرے میں ڈال دیا اور خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ جینی وہیں خاموش بیٹھی اسے تکتی رہی۔ ایش ٹرے سے ان بجھے سگریٹ کا دھواں اٹھ رہا تھا۔

"شب بخیر" اس نے جلدی سے کہا اور کمرے سے باہر آ گیا۔

تمام شب اس کے ذہن میں پاسکل کا معصوم چہرہ ابھرتا رہا اور پھر ایک دور کی آواز رات کے سناٹے میں گونج جاتی۔ جینی کی آواز—— ایک جگہ رہنے سے ہی—— ساکت ہونے سے ہی—— شاخیں پھوٹتی ہیں۔ پھر ان میں پھول لگتے ہیں—— پھول لگتے ہیں—— پھول——

ooo

دوسری صبح سنان اپنے کمرے کے ایک کونے میں دیوار سے آئینہ لٹکائے شیو بنانے میں مصروف تھا۔ اس نے کمر کے گرد ایک تولیہ باندھ رکھا تھا۔ سنان ان لوگوں میں سے تھا جو شیو بناتے وقت برش اور صابن سے خوب کھل کھیلتے ہیں۔ نتیجتاً اس عمل کے اختتام پر ہر طرف جھاگ ہی جھاگ نظر آتی ہے۔ شیو کا سامان اور ان کا اپنا جسم اس کی زد میں آتے ہی ہیں مگر غسل خانے کے درو دیوار پر بھی جدید مصوری کے کئی شاہکار جنم لے لیتے ہیں۔ اسی صورت حال سے نمٹنے کے لیے وہ شیو بناتے ہوئے صرف ایک تولیے میں ہی ملبوس تھا۔ پانی ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے جھاگ گاڑھی نہیں بن رہی تھی۔ ایک مرتبہ ریزر استعمال کرنے کے بعد وہ دوسری بار صابن اپنے چہرے پر پھیلا رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے سر جھکا کر تولیے کے ایک کونے سے گالوں پر لگا صابن پونچھا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

باہر میڈم ژی اپنے خزاں رسیدہ ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ سجائے اسے ٹک ٹک تک رہی تھی۔ اس نے پہلے تو سنان کی کمر کے گرد لپٹے مختصر تولیے کی جانب دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر ایک دم کہنے لگی"

"اوہ لالا! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟"

"کیا بات ہے میڈم ژی؟" اس نے تولیے کی گرہ کو تھامتے ہوئے ناگواری سے پوچھا۔

"تم تو کہتے تھے کہ میں ایسی رومانی مہم جوئی کے لیے موزوں نہیں ہوں!"

سنان کو خیال آیا کہ ہوں نہ ہو میڈم کو پچھلی شب کے ہنگامے کی خبر ہو گئی ہے۔

"کیسی رومانی مہم جوئی؟—— وہ تو—— ہم دونوں صرف کافی پی رہے تھے"

"میں جینی کی بات نہیں کر رہی۔ وہاں تو صرف رومان ہی رومان ہے۔ مہم جوئی کا مرحلہ نوٹوں سے ہی طے کر لیا جاتا ہے۔"

سنان کو غصہ آ گیا۔ میڈم ژی نے شاید چسکی لگانے کے لیے شام کا بھی انتظار نہیں کیا۔

"آپ برا نہ مانیں تو اس وقت مجھے تیار ہو کر کہیں باہر جانا ہے۔"

"میں تو برا نہیں مانوں گی مگر وہ چھوٹی سی موٹی سی عورت جو پچھلے دس منٹ سے نیچے گلی میں تمہارا انتظار کر رہی ہے وہ ضرور برا مانے گی" میڈم ژی نے کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ" سنان نے سرہلایا اور جلدی سے کھڑکی سے نیچے جھانکا۔

فٹ پاتھ کے کنارے فرانسیسی کار ستران کے سب سے ننھے منے ماڈل میں سٹیرنگ تھامے منہ پھلائے پاسکل بیٹھی تھی۔

"صبح بخیر" سنان نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

پاسکل نے بڑے آرام سے سر اٹھا کر اوپر سنان کی جانب دیکھا۔

"کاہل الوجود لڑکے تم ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟" اس نے جان بوجھ کر اتنے زور سے کہا کہ فٹ پاتھ پر چلنے والے راہ گیر منہ اٹھا اٹھا کر اوپر سنان کی طرف دیکھنے لگے۔ دو بوڑھی عورتیں وہیں رک گئیں اور سنان کو ایسے گھورا جیسے کہہ رہی ہوں کہ نیچے دفع کیوں نہیں ہوتے۔ کیوں اس ننھی سی جان کو ہلکان کرتے ہو۔

"اوپر کمرے میں چلی آؤ پاسکل" سنان نے ہولے سے کہا۔

پاسکل نے کچھ کہے بغیر نفی میں سرہلا دیا اور انگلی کے اشارے سے اسے نیچے آنے کو کہا فٹ پاتھ پر کھڑی ہوئی بوڑھی عورتوں نے سنان کو قہر آلود نظروں سے دیکھا جیسے وہ اس بات سے ناخوش ہوں کہ ایک ایسا لڑکا جس کے بدن پر بنیان تک نہیں ہے اس بھولی بھالی لڑکی کو اپنے کمرے میں آنے کی دعوت کیوں دے رہا ہے اور پھر آگے چل دیں۔

"ابھی آیا" سنان نے جلدی سے کہا اور کھڑکی بند کر دی۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے اپنے چہرے پر لگا باقی ماندہ صابن تولیے سے پونچھا اور کپڑے بدلنے لگا۔

میڈم ژی ابھی تک دروازے کے پاس کھڑی تھی۔

"شکریہ میڈم" اس نے جھک کر کہا۔

میڈم ژی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"شکریہ میڈم" اس نے ایک مرتبہ پھر جھک کر کہا۔ "میں نے کپڑے بدلنے ہیں"

میڈم ژی نے ایک نہایت سرد قسم کی آہ بھری۔

"شرارتی لڑکا" اس نے اپنی انگلی سنان کے چوڑے سینے پر ٹھونکتے ہوئے کہا اور ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

سنان کپڑے بدل کر نیچے گلی میں آیا تو پاسکل اسی طرح منہ بنائے کار میں بیٹھی تھی۔

"صبح بخیر" سنان نے بغیر چھت کی کار کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"دس بج رہے ہیں" پاسکل نے سر اٹھا کر اسے گھورا "اور میں پورے پندرہ منٹ سے یہاں کھڑی متواتر ہارن بجا رہی ہوں۔"

"اوپر کمرے میں آ جاتیں۔"

"اتنی ساری سیڑھیاں چڑھنے کی ہمت نہ تھی اور پھر تمہاری مالکن جو دروازے کے باہر کھڑی تھیں خود ہی کہنے لگیں کہ وہ تمہیں بلا لائیں گی۔"

"ہاں میڈم ژی"

"کھل اٹھی تھی تمہارا نام سن کر" پاسکل نے منہ بنا کر کہا۔

"ہاں اس کی طبیعت میں بیحد شوخی ہے" سنان نے جواب دیا۔

"اس عمر میں بھی——" پاسکل سٹیرنگ چھوڑ کر ساتھ والی نشست پر کھسک گئی۔

"بہرحال—— کار تم چلاؤ"

"میں؟" سنان گھبرا گیا۔

"ہاں ـــ مجھ سے ٹھیک طرح بریک نہیں لگتی۔"

"ہم لوگ یہ نیچ کام نہیں کرتے" سنان نے بڑے غصے سے سینہ پھلا کر کہا "ہمارے ہاں کار چلانے کے لیے شوفر رکھے جاتے ہیں۔"

"واقعی؟" پاسکل نے فوراً یقین کر لیا۔

"اور کیا!" سنان ہنس دیا اور پھر سنجیدہ ہو کر کہنے لگا "تم ہی چلاؤ پاسکل۔ دراصل ہمارے پورے خاندان میں آج تک کسی کو کار خریدنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی اور اسی لیے میں ڈرائیونگ کے معاملے میں بالکل کورا ہوں۔"

پاسکل نے اطمینان کا سانس لیا اور پھر ہنستے ہوئے کہنے لگی "چلو تم بھی کیا یاد کرو گے آج میں تمہارے شوفر کی حیثیت سے کار چلاؤں گی۔"

"تو پھر میں پچھلی نشست پر بیٹھ جاتا ہوں" سنان نے فراق سے کہا۔

"پاسکل نے جواب میں اسے بری طرح گھورا اور وہ مسکراتا ہوا اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

پاسکل نے کار سٹارٹ کر دی۔ موماَرت کی تنگ گلیوں میں سے نکل کر پیرس کے اوپرا ہاؤس سے گزر کر وہ کنکورد چوک میں آ گئے۔

"اس چوک کا نام پہلے انقلاب کا چوک ہوا کرتا تھا۔ وہ سامنے جہاں اب ایک خوبصورت فوارہ ہے گلوٹین گاڑھ کر لوئی شانزدھم کا سر قلم کیا گیا تھا" پاسکل نے بائیں طرف اشارہ کر کے اسے بتایا اور پھر کار بائیں ہاتھ پر ہی شانزے پر موڑ دی۔ وہ بڑی مشاقی سے کار چلا رہی تھی مگر بار بار اس کی نظریں سامنے سڑک سے ہٹ کر سنان پر مرکوز ہو جاتیں۔ وہ اس بے جا التفات سے گھبراہٹ سی محسوس کر رہا تھا۔

"دیکھ کر کار چلاؤ خوامخواہ کوئی حادثہ کر بیٹھو گی۔"

"حادثہ تو ہو چکا ہے۔" پاسکل نے شرارت سے کہا۔

وہ سنان کے منع کرنے کے باوجود اس کی طرف دیکھے چلی جا رہی تھی۔

"آخر میری طرف کیا دیکھ رہی ہو؟"

"یونانیوں کا دیوتا اپالو یاد آ رہا ہے" اس نے شوخی سے کہا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے" سنان نے جھینپتے ہوئے کہا "اپالو درمیانے قد اور گندمی رنگ کا عام سا آدمی نہ تھا"

"وقت وقت کی بات ہے" پاسکل کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"یہ کار تمہاری ہے؟" سنان اس موضوع سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا "نہیں! خالہ کی ہے؟" پاسکل نے جواب دیا "میری ٹانگ میں ابھی تک درد ہو رہا تھا اس لیے میں نے ان سے مانگ لی۔ میں آج زیادہ نہیں چل سکتی صرف بیٹھ سکتی ہوں۔ میں نے کہا تھا نا میں صرف تب تک ہی حسین لگتی ہوں جب تک کسی قہوہ خانے کے کونے میں بیٹھی ـــ"

"تم نے اب اگر اس قسم کی کوئی بات کی تو میں کار سے نیچے اتر جاؤں گا ـــ" چلتی کار سے "سنان نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دھمکی دی

"نہیں کروں گی" پاسکل نے اپنا دایاں ہاتھ اس تیزی سے اوپر اٹھایا جیسے اسے کسی نے بندوق دکھا دی ہو۔

"وعدہ؟"

"ہاں! بالکل وعدہ" پاسکل نے اپنی عادت کے مطابق بچوں کی طرح سر ہلا کر اقرار کیا۔

سنان نے ہینڈل چھوڑ دیا اور جیب سے سگرٹ نکال کر سلگا لیا۔

پاسکل آج سفید لیس کے ایک نہایت دیدہ زیب لباس میں ملبوس تھی اور اس نے اپنے کٹے ہوئے سنہری بالوں کے اوپر نیلے رنگ کا ایک ریشمی رومال باندھ رکھا تھا لامبی پلکوں پر ہلکے نیلے رنگ کے میک اپ سے اس کی آنکھوں کی نیلاہٹ اور بھی اجاگر ہو رہی تھی۔

آج پھر موسم بے حد خوشگوار تھا اور پورا شہر چمکیلی دھوپ میں نہایا ہوا تھا۔

"آج کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

"پیرس سے باہر فانٹین بلو کا رومانی جنگل ہے جہاں کسی زمانے میں فرانسیسی بادشاہ شکار کھیلا کرتے تھے۔ کیا خیال ہے؟"

"وہاں جا کر کیا کریں گے؟"

"پاکستانی لڑکیاں جنگلوں میں جا کر کیا کرتی ہیں؟"

"پاکستانی لڑکیاں سرے سے جنگلوں میں جاتی ہی نہیں۔ کم از کم لڑکوں کے ساتھ نہیں جاتیں۔" سنان نے ہنس کر کہا "ویسے آج تم پر یہ پابندی عائد نہیں ہوتی کیونکہ تم نے جھمکے نہیں پہن رکھے۔"

"ہاں شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو وہاں جا کر کیا کریں گے اور پھر مجھے وہاں بہت زیادہ چلنا پڑے گا۔"

ان کی چھوٹی سی کار شانز کی ٹریفک کے ہجوم میں بالکل رینگ رہی تھی۔ ان کے آگے اور پیچھے کاروں اور ٹیکسیوں کا ایک سمندر رواں تھا۔ سڑک کے ساتھ فٹ پاتھ پر بیحد رونق تھی۔ تمام قہوہ خانے بھی ٹھسے پڑے تھے۔ اہل پیرس کی اکثریت اس چمکیلے دن کی خوبصورتی کا حصہ بانٹنے کے لیے گھروں سے باہر نکل آئی تھی۔

سنان کو خیال آیا کہ پیرس میں آمد کے پہلے روز "بوئے ڈی بولون" کے علاقے میں سے گزرتے ہوئے اسے وہاں کتنی خوبصورتی اور سکون کا احساس ہوا تھا اور اس نے وہاں ایک روز واپس آنے کے بارے میں سوچا تھا۔ شہر سے باہر دریائے سین کا پانی بھی اجلا اور شفاف ہو گا۔ اس کے علاوہ پاسکل کا فلیٹ بھی تو اسی علاقے میں تھا۔

"کیوں نہ آج بوئے ڈی بولون میں دریائے سین کے ہرے بھرے اور پرسکون کناروں پر پکنک منائی جائے؟" سنان نے تجویز پیش کی۔

"لیکن مچھلیاں پکڑنے کے لیے بنسی اور ڈوری کا انتظام کہاں سے ہو گا؟" سنان

نے سر کھجایا۔

"کلیسا نوٹرڈیم کے پہلو میں پھولوں کا بازار ہے۔ وہاں مچھلیاں پکڑنے کا سامان بھی مل جائے گا۔" پاسکل نے سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے خوش ہو کر کہا اور کار وہیں سے واپس کنکورد چوک کی طرف موڑ دی۔ پاسکل کی اس حرکت پر باقی کاروں کے ڈرائیوروں نے بے حد برا منایا کیونکہ شانز پر اس طرح مخالف سمت میں کار موڑنا خلاف قانون تھا۔ اس خفگی کا اظہار انہوں نے اپنے ہارن بجا بجا کر کرنا شروع کر دیا۔ پاسکل نے صرف ناک سکیڑ کر مسکرا دینے پر ہی یہ تمام ہارن خاموش کر دیے۔ بھلا ایک خوبصورت لڑکی کو اتنا بھی حق حاصل نہ تھا کہ وہ قانون میں تھوڑا سا رد و بدل کر سکے۔ ثابت ہوا کہ فرانسیسی مرد قانون سے زیادہ حسن کا احترام کرتے ہیں۔

"تم اپنی خوبصورت مسکراہٹ کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہو؟" سنان نے پیچھے مڑ کر ان تمام ڈرائیوروں کی طرف ایک نظر کی جو ہارن بجانے کے علاوہ اپنی کاریں چلانا بھی بھول چکے تھے۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں" پاسکل پھر مسکرا دی "میں نے آج تک سینکڑوں بار غلط جگہ پر کار کھڑی کی۔ ٹریفک کی روشنیوں کا کبھی خیال نہیں رکھا مگر پھر بھی آج تک میرا چالان نہیں ہوا۔ فرانسیسی پولیس کے سپاہی کو بھی یہی رشوت دی جاتی ہے۔"

"بری بات!" سنان نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار سر ہلا کر کیا۔

کنکورد کے چوک میں پہنچ کر پاسکل نے کار دائیں ہاتھ موڑ دی اور وہ ایک پل پار کر کے "شہر کے جزیرے" میں آ گئے۔ سین ایک جگہ دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے اور چند سو گز کے فاصلے پر دوبارہ مل جاتا ہے۔ ان دو شاخوں کے درمیان یہ چھوٹا سا جزیرہ "شہر کا جزیرہ" کہلاتا ہے۔ کلیسا نوٹرڈیم اور پھولوں کا بازار بھی یہیں پر واقع ہیں۔

پھولوں کے بازار کے دونوں اطراف لکڑی کے کھوکھوں میں تازہ پھولوں کے انبار لگے تھے۔ یہ پھول پیرس کے گرد و نواح میں اگائے جاتے ہیں اور صبح سویرے گھوڑا

گاڑیوں اور ٹرکوں میں لاد کر یہاں پہنچا دیے جاتے ہیں۔ پھولوں کے بازار کے ساتھ ایک بازار صرف پرندوں کی خرید و فروخت کے لیے مخصوص ہے۔

کھوکھوں کے باہر کھڑے دوکاندار پھولوں کے نام اور ان کی قیمتوں کی آوازیں لگا رہے تھے۔ ایک پستہ قد دوکاندار جس کے ہاتھ میں زرد گلاب کا ایک گلدستہ تھا سنان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور فرانسیسی میں کچھ کہا۔ سنان کھڑا ہو گیا۔ زرد گلاب بے حد خوبصورت لگ رہے تھے۔ کیوں نہ پاسکل کے لیے خرید لیے جائیں اس نے آگے بڑھ کر دوکاندار سے قیمت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ بیس فرانک کے ہیں چنانچہ فوراً ارادہ ترک کر دیا اور صرف ایک پھول خریدنے پر ہی اکتفا کیا جو دو فرانک میں پڑا۔

پاسکل اس دوران میں مچھلیاں پکڑنے کا سامان تلاش کرتی رہی جو بالآخر بازار کے سرے پر واقع ایک غلیظ کھوکھے میں اونگھتے ہوئے فرانسیسی بوڑھے سے دستیاب ہو گیا۔

"دریائے سین میں مچھلی کا شکار کھیلنے کے لیے کم از کم کتنا سامان درکار ہو گا؟" سنان نے بوڑھے کے آرام میں مخل ہوتے ہوئے دریافت کیا۔

بوڑھے نے ایک لمبی جمائی لی۔ اپنی فرانسیسی طرز کی بیری ٹوپی کی نوک پلک درست کی اور کھانس کر بولا "کم از کم سامان۔۔۔ہاں؟"

"ہاں!" سنان نے اثبات میں سرہلایا

بوڑھے نے ایک نظر پاسکل پر ڈالی اور اپنی بڑھی ہوئی داڑھی کھجا کر کہنے لگا "دو امریکی بنسیاں اور ڈوری پچاس فرانک۔ مچھلیوں کو پانی سے باہر نکالنے کا جال دس فرانک۔ کانٹے پر لگانے والے نقلی کیڑے مکوڑے بیس فرانک فی درجن۔ پلاسٹک کا ٹب شکار کی ہوئی مچھلیاں رکھنے کے لیے دس فرانک۔ کل نوے فرانک موسیو!"

"کل نوے فرانک موسیو" سنان نے بوڑھے کی نقل اتارتے ہوئے چڑ کر کہا "میں نے مچھلیاں پکڑنی ہیں بڑے میاں۔ مگرمچھ نہیں۔ نوے فرانک بہت زیادہ ہیں" اور کھوکھے سے باہر جانے لگا۔

بوڑھے نے سنان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "آپ کا ارادہ واقعی مچھلیاں پکڑنے کا ہے یا مقصد میڈ موزیل کے ساتھ ایک خوشگوار دوپہر گزارنا ہے؟"

"بس بین بین ہی سمجھو" سنان نے فرانسیسیوں کی طرح اپنے کندھے سکیڑ کر جواب دیا۔

"تو پھر۔۔۔" اس نے کونے میں پڑے ایک لکڑی کے صندوق کو کھولتے ہوئے سنان کو مژدہ سنایا "میرے پاس استعمال شدہ بنسیاں پانچ فرانک فی کے حساب سے بھی موجود ہیں۔ کیڑے مکوڑے مفت"

"ترے بیاں" سنان اپنے اکلوتے سرمایہ فرانسیسی پر اتر آیا۔

بنسیاں خرید کر وہ دونوں پھولوں کے بازار میں سے گزر کر سڑک پر آ گئے جہاں پاسکل کی کار کھڑی تھی۔ سنان نے بنسیاں پچھلی نشست پر رکھ دیں اور آگے بیٹھ گیا۔ پاسکل کھڑی رہی۔

"کیا بات ہے کار میں کیوں نہیں بیٹھتیں؟"

"تم نے مچھلیوں کے کھانے کے لیے تو نقلی کیڑے مکوڑے خرید لیے ہیں مگر اپنے لیے کچھ نہیں خریدا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو پکنک کے لیے خوراک کی بھی ضرورت ہوتی ہے"

"درست فرمایا پاسکل بی بی!" سنان نے کار سے نکل کر پاسکل کے آگے جھک کر کہا اور اس کا بازو تھام کر سڑک کے پار ایک قہوہ خانہ میں چلے گئے۔

کاؤنٹر کے پیچھے قہوہ خانے کا دراز قد سیاہ مونچھوں والا مالک آج کے پہلے گاہک کے انتظار میں کھڑا جمائیاں لے رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس کی مونچھیں نتھنوں سے بھڑنے لگیں اور وہ مسکرا دیا۔ پاسکل نے سنان کے مشورے کے مطابق سلاد' تازہ پھل' پنیر اور سوکھا گوشت وغیرہ خرید لیا۔ قہوہ خانے کے مالک کی آنکھیں اس دوران میں سنان پر لگی رہیں اور اسے بغور دیکھتا رہا جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ قدرے تامل کے بعد اس نے سنان سے مخاطب ہو کر فرانسیسی میں کچھ کہا۔ پاسکل نے

مترجم کے فرائض انجام دیتے ہوئے بتایا کہ پوچھ رہا ہے کہ کون سے ملک سے آئے ہو؟

سنان کے منہ سے ابھی پاکستان کے الفاظ پوری طرح ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ اس نے گرم جوشی سے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے کھڑے اس کے کندھے پکڑ لیے۔

"الحمد للہ" لہجہ خالصتاً عربی تھا۔

کمر کے گرد بندھا ہوا سفید ایپرن اتار کر وہ کاؤنٹر کے پیچھے سے باہر نکل آیا اور سنان کو گلے لگا کر اس کے دونوں گالوں پر بوسہ دیا (سنان کو اب معلوم ہوا کہ فرانسیسیوں نے یہ عادت کہاں سے مستعار لی تھی۔)

"الحمد اللہ مسلمان" وہ کہہ رہا تھا "الجزائری محمد بکر۔"

الجزائر کے رہنے والے محمد بکر نے مہمان نوازی کا ایسا بھرپور مظاہرہ کیا جیسے سنان اور پاسکل پیرس کی کسی قہوہ خانے کی بجائے صحرا میں اس کے خیمے میں مہمان بن کر آ گئے ہوں۔ کافی پلائی۔ سینڈوچ کھلائے اور جاتے وقت خوراک کی ٹوکری میں ایک کریم کیک تحفے کے طور پر رکھ دیا۔

"اس الجزائری نے اس طرح تمہارا استقبال کیا ہے جیسے تم آپس میں رشتہ دار ہو۔"

پاسکل نے قہوہ خانے سے باہر قدم رکھتے ہی بڑی حیرت سے کہا۔

"ہم دونوں ایک ہی ڈور میں بندھے ہوئے ہیں جس کا نام اسلام ہے ہاں! ہم اس ناطے سے رشتہ دار ہوتے ہیں۔"

پاسکل بے حد متاثر نظر آ رہی تھی۔

ایک مرتبہ پھر کار کنکورد کے چوک میں سے دائیں ہاتھ مڑی۔ شانز کو طے کر کے وہ فتح کی محراب تک آ گئے جس کے گرد ایک بڑے گول چکر میں سینکڑوں کاریں چیونٹیوں کی مانند رینگ رہی تھیں۔ بارہ خوبصورت سڑکیں اپنی ساری ٹریفک اس گول چکر میں اگل رہی تھیں اور پھر وہی ٹریفک دوبارہ انہی سڑکوں میں جذب ہو جاتی۔ ہوئے ڈی بولون" فتح کی محراب کے دوسری طرف نکلتی ہوئی سڑک ایونیوفاک کے سرے پر تھا۔ پاسکل نے اپنی ننھی منی کار گول چکر میں ڈال دی جو دیو قامت ٹرکوں اور لمبی امریکی کاروں کے درمیان واقعی چیونٹی کی طرح لگ رہی تھی۔ خاصی دیر کے بعد سنان کو احساس ہوا کہ پاسکل ایونیوفاک میں مڑنے کی بجائے متواتر گول چکر کے گرد گھومے جا رہی ہے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" سنان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"پاسکل سنی ان سنی کیے چکر کے گرد ہی کار چلاتی رہی۔ اس کا چہرہ چمکیلی دھوپ کے اثر سے سرخ ہو رہا تھا۔

"آخر تم ایونیوفاک میں کار کیوں نہیں موڑتیں؟ یوں فتح کی محراب کے گرد بے مقصد چکر کیوں کاٹ رہی ہو؟" سنان نے پھر پوچھا۔

"میں آج بے حد خوش ہوں!" پاسکل نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"مان لیا! مگر ہم پچھلے دس منٹ سے ایک ہی دائرے میں گھوم رہے ہیں!"

"میں اگر رقص نہیں کر سکتی تو کیا ہوا؟" پاسکل کی نیلی آنکھیں چمک رہی تھیں "کم از کم کار میں بیٹھ کر ایک دائرے میں تو گھوم سکتی ہوں۔ ایک دو تین—— اور گھوم جاؤ—— ایک دو تین اور——"

پاسکل ایک دو تین کے الفاظ جلدی سے ادا کرتی اور پھر گھوم جاؤ کہتے کہتے پوری محراب کے گرد چکر کاٹ لیتی۔ سنان اس صورت حال سے بے حد پریشان ہوا اور اسے بڑی مشکل سے سمجھایا کہ اکثر کاروں کے ڈرائیور انہیں بری طرح گھور رہے ہیں بلکہ ابھی ابھی ٹریفک کے سپاہی نے ان کی اس حرکت کو دیکھ کر سیٹی بھی بجائی ہے۔

بالآخر پاسکل نے کار ایونیوفاک میں موڑ دی اور وہ نیولی کے پل سے دائیں ہاتھ ہو کر بوئے ڈی بولون کے علاقے میں آ گئے۔ پاسکل کا فلیٹ پیچھے رہ گیا تھا۔ انہوں نے فٹ پاتھ کے کنارے پر کار کھڑی کی اور اسی راستے پر چلنا شروع کر دیا جہاں چند روز قبل سنان کیمپنگ کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں خوراک کی

ٹوکری جھول رہی تھی اور کندھوں پر بنسیاں اٹھا رکھی تھیں۔ پاسکل سہارے کے بغیر اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"کتنی عجیب بات ہے کہ میں یہاں پاس ہی رہتے ہوئے بھی کبھی اس طرف نہیں آئی؟" پاسکل کہہ رہی تھی۔

"اور میں ــــ" سنان نے خوراک کی ٹوکری جو اب قدرے وزنی لگ رہی تھی دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا "اتنی دور رہتے ہوئے بھی آج یہاں آنکلا ہوں۔"

"صرف میرے لیے۔ ہے نا سنان؟ تم اتنی دور سے یہاں صرف میرے لیے آئے ہو۔" پاسکل کھڑی ہو گئی۔

"ہاں صرف تمہارے لیے۔" سنان نے اس کا بازو تھام لیا اور وہ دونوں پھر چلنے لگے۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد رہائشی مکانوں اور ہاؤس بوٹوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ ایک آہنی جنگلا جا رہا تھا جس کے ساتھ ایک سرسبز ڈھلوان نیچے دریا تک جاتی تھی۔ چند گز کے فاصلے پر جنگلے کے درمیان ایک سفید رنگ کا پھاٹک دکھائی دیا۔ سنان نے پھاٹک کا بھاری کنڈا کھول دیا اور وہ پتھر کی بنی ہوئی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے دریا کی سطح تک آگئے۔ فٹ پاتھ اور سڑک پر واقع رہائشی مکان نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے اور ان کی جگہ اب صرف سبزے کی تہیں اور درختوں کے جھنڈ تھے سامنے دریائے سین بہہ رہا تھا۔ شہر کے درمیان میں سے گزرنے والے دریا کے حصے کی نسبت یہ حصہ زیادہ خوبصورت اور پرسکون تھا۔ یہاں دریا کے ساتھ ساتھ چوڑے فٹ پاتھ کی بجائے صرف گھاس اور جنگلی بیلیں تھیں۔ شہر میں بہنے والا دریا شہریوں کی مانند آراستہ و پیراستہ تھا۔ سیمنٹ کے فٹ پاتھ، بیٹھنے کے لیے لکڑی کے بنچ۔ اردگرد تاریخی عمارتیں اور پھر درجنوں خوبصورت پل۔ لیکن یہاں وہی دریا ایک دیہاتی دوشیزہ کی مانند تھا جس کا حسن صرف قدرتی ماحول میں نکھرا ہے۔

دریا کے ساتھ ساتھ دور تک شاہ بلوط اور بید کے گھنے درخت کھڑے تھے۔ جنگلی بیلیں دریا کی سطح تک آئی ہوئی تھیں۔ ہوا چلتی تو ان کے خوشنما پھول اور ہرے بھرے پتے دریا کے پانی میں جھک کر ڈبکی لگاتے اور پھر باہر آجاتے جیسے کوئی راج ہنس اپنی پیاس بجھا رہا ہو۔ سورج کی کرنوں میں اب حدت نمایاں ہو رہی تھی۔

سنان نے درختوں کے جھنڈ میں ایک سایہ دار اور پرسکون جگہ کا انتخاب کر کے وہاں اپنی سفید برساتی بچھا دی اور پاسکل کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

"شکریہ موسیو" پاسکل نے ایک نازک اندام بیلے رینا کی مانند دونوں ہاتھوں سے اپنے سفید لباس کے کونے پکڑ کر انہیں قدرے اوپر اٹھایا اور پھر سفید برساتی پر ایک خوبصورت راج ہنس کی مانند براجمان ہو گئی۔

سنان اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ اس وقت بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"سنان!"

"ہوں؟" اس نے ایک دم چونک کر کہا۔ "کیا ہے؟"

"وہ بے چاری مچھلیاں اپنے کیڑے مکوڑوں کا انتظار کر رہی ہوں گی۔" راج ہنس کا چہرہ ایک پھول کی مانند کھلا ہوا تھا۔

"ہاں ــــ تم یہیں بیٹھو" سنان نے جھک کر بنسیاں اٹھا لیں مگر اس کی نظریں ابھی تک پاسکل پر جمی تھیں۔ سفید برساتی اور سفید لباس کے پس منظر میں صرف اس کا خوبصورت گول چہرہ نمایاں تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو سنان؟" پاسکل کی نیلی آنکھیں بے حد شفاف تھیں۔

"بس ــــ یونانی دیو مالا کے بارے میں میری معلومات تمہاری طرح وسیع نہیں ورنہ میں بھی تمہیں کسی حسین دیوی سے تشبیہ دے دیتا۔"

پاسکل نے فوراً نظریں جھکا لیں "وہ بے چاری مچھلیاں ــــ"

"جاتا ہوں بھئی" سنان ہنس دیا۔ وہ بنسیاں اور نقلی کیڑے مکوڑوں کی ڈبیا لے کر

جانے کو تھا کہ اسے کچھ یاد آ گیا۔ پھولوں کے بازار سے خریدا ہوا کاغذ میں لپٹا زرد گلاب ابھی تک اس کی جیب میں تھا۔

"پاسکل" اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور راج ہنس پر جھک گیا۔

"سنان لوگ دیکھ رہے ہیں" پاسکل ایک دم گھبرا گئی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو" سنان مسکرا دیا اور جیب میں سے گلاب کا پھول نکالا اور پاسکل کے سفید لباس پر لگا دیا "میں نے تمہارے لیے پھولوں کے بازار میں سے خریدا تھا۔"

"شکریہ" اس نے گردن جھکا کر پھول کی مہک محسوس کی "لوگ دیکھ بھی رہے ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے ہوں؟"

"جی نہیں" سنان نے سر ہلایا اور بنسیاں کندھے پر رکھ کر دریا کی جانب چل دیا۔

دریا کا پانی دھلی دھلائی سفید چادر کی مانند سلوٹوں سے پاک تھا اور اس پر ایک پرسکون جھیل کا گمان ہو رہا تھا۔ دوسرے کنارے پر جنگل زیادہ گھنا تھا یا کم از کم دکھائی دے رہا تھا۔ کبھی کبھار کوئی کشتی ران دریا کی سطح کو چیرتا ہوا نیوئی کے پل کی جانب سے نکلتا تو تلاطم برپا ہو جاتا۔ ہلکی لہریں کناروں تک پہنچتیں اور چھپاک چھپاک پتوں اور پھولوں کو بوسے دیتیں۔ سنان وہیں گھاس پر بیٹھ گیا اور دونوں کنڈیوں کے ساتھ ایک ایک نقلی مینڈک لگا کر انہیں پانی میں ڈال دیا۔ بنسیوں کو کنارے کے ساتھ گیلی مٹی میں اچھی طرح گاڑھ کر وہ واپس پاسکل کے پاس آ گیا جو اب سفید برساتی پر لیٹی ہوئی "پیرس ویکلی انفریشن" کے صفحات پلٹ رہی تھی۔ دھوپ کی تمازت سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

سنان نے اپنا نیلا کوٹ اتارا اور پاسکل کے پہلو میں بچھا کر وہیں بیٹھ گیا۔ وہ رسالہ پڑھنے میں مگن رہی۔

"اس میں دیکھ کر بتانا کہ کل لوور کا عجائب گھر کھلے گا یا نہیں؟ کبھی کوئی دوست

ل جاتا ہے اور کبھی وہاں تعطیل ہو جاتی ہے۔ میں کل ضرور دیکھنا چاہتا ہوں" سنان نے پوچھا۔

"کل بہت دور ہے۔ اس وقت میں صرف آج کے بارے میں سوچ سکتی ہوں" اس نے رسالہ پھیلا کر اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور گنگنانے لگی۔

"ہے پاسکل بی بی" سنان نے رسالے پر اس جگہ انگلی بجائی جہاں اس کی ستواں ناک ابھری ہوئی تھی "اگر مجھے صرف مچھلیوں کی رفاقت ہی پسند ہوتی تو بازار سے درجن بھر خرید کر اپنے کمرے میں ٹانک لیتا اور خوش ہو جاتا۔ بھلا اتنے تردد کی کیا ضرورت تھی؟"

"میرے عین اوپر درختوں کے پتے بے حد چھدرے ہیں۔ سورج کی تیز کرنیں چھن چھن کر میرے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ اس لیے میں نے رسالہ اوپر رکھ لیا۔"

اس نے رسالے کا ایک کونا اٹھا کر سنان کی جانب دیکھا اور پھر آنکھیں موند لیں "تم باتیں کرتے رہو۔ میں سن رہی ہوں۔"

سنان نے ایک نظر کنڈیوں کی جانب دیکھا جو ابھی تک ساکن پانی کی سطح پر تیر رہی تھیں اور وہیں نرم اور ٹھنڈی گھاس پر بچھے اپنے نیلے کوٹ پر لیٹ گیا۔ پاسکل نے ٹھیک کہا تھا۔ سنان کے کبھی عین اوپر پتوں میں سے دھوپ کے دائرے چمکتے اور آنکھوں کو خیرہ کر کے غائب ہو جاتے ہوا سرسراتی ہوئی گھنے پتوں میں سے گزرتی تو ایک مبہم سے شور کے ساتھ خوشگوار خنکی کا احساس ہوتا۔ آج کا دن کافی گرم تھا۔ دریا کی چمکیلی سطح پر سورج کی ترچھی کرنیں جذب ہو رہی تھیں۔ غبار کی ایک دھندلی تہ پانی پر معلق تھی۔

سنان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اسے بے حد نیند آ رہی تھی۔ دوسرے کنارے کے گھنے درختوں میں کوئی جنگلی پرندہ چہچہانے لگا۔ اسے گرمیوں کی وہ تپتی دوپہریں یاد آ گئیں جب وہ اپنے گاؤں سے نکل کر راہٹ کی جانب جاتا ہوا راستے میں کیکر کے درخت کی پرخار اور چھدری چھاؤں میں دم لینے کے لیے رکتا تو شاخ پر

جھلستی ہوئی اکلوتی فاختہ کو کو' کو کو کی دہائی مچا دیتی۔ فاختہ کی آواز سنان کے لیے ایک گرم اور تپتی دوپہر کی علامت بن گئی۔

"سو گئے ہو؟" پاسکل نے رسالے کا کونا اٹھا کر جھانکا۔ اس کی آنکھیں نیند سے سرخ ہو رہی تھیں۔

سنان نے آنکھیں کھول دیں اور پاسکل کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ اپنے آپ کو بے حد سست اور ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا تھا اسے یوں لگا جیسے وقت ٹھہر گیا ہو۔ ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر ساکت ہو کر رہ گئی ہو۔ دریا میں پڑی ہوئی دو ساکن کنڈیاں ہیں اور—— پاسکل کا سفید لباس ہے۔ زرد گلاب——بس!

"کیا تم پاکستان میں بھی مچھلیاں پکڑنے جایا کرتے تھے؟ پاسکل نے کنڈیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

سنان اس سوال کا جواب دینے کے لیے بچپن کی حدوں تک چلا گیا۔ اس کی نظروں کے سامنے دھول میں اٹا ہوا ایک گرم اور دور افتادہ گاؤں ابھرنے لگا۔

"اب تو کبھی اتفاق نہیں ہوا البتہ بچپن میں جب گرمیوں کی چھٹیاں ہوتیں تو میں اپنی نانی اماں کے پاس گاؤں چلا جاتا تاکہ وہاں کے پرسکون ماحول میں سکول میں دیا ہوا چھٹیوں کا کام کرنے میں آسانی ہو۔ چونکہ ان دنوں وہاں بجلی وغیرہ تو تھی نہیں اس لیے ہمارے کچے مکان کے کوٹھے پر دو چارپائیاں ایک دوسرے کے سہارے ترچھی کھڑی کر دی جاتیں اور ان کے نیچے زمین پر ایک دوہرا کھیس بچھا دیا جاتا۔ اس طرح کھلی فضا میں ایک خیمہ سا تیار ہو جاتا جہاں تیز دھوپ سے بچاؤ ہوتا اور گرم ہوا بھی لگتی رہتی۔ میں چند روز تو پوری دلجمعی سے وہاں بیٹھ کر صبح سے شام تک حساب کے سوال حل کرنے اور جواب مضمون لکھنے میں گزارتا اس کے بعد میری نظریں بے اختیار مسجد سے پرے جلاہوں کے گھروں کے ساتھ واقع گدلے جوہڑ کی طرف اٹھنے لگتیں۔ ان دنوں مچھلی پکڑنے کا کانٹا ایک آنے میں مل جاتا تھا۔ بانس جوہڑ کے کنارے سے توڑ کر لے آتا اور ڈوری نانی اماں بٹ دیتیں۔ چلئے وہ نوے فرانک والا مچھلی

پکڑنے کا سامان مکمل ہو گیا۔ مچھلی پھانسنے کے لیے نقلی مینڈک اور کیڑے مکوڑے وغیرہ تو ملتے نہ تھے۔ اس لیے میں اصلی کینچوؤں کی تلاش میں فاجو جاٹ کے مالٹوں کے باغ کے پہلو میں بہتی ہوئی پانی کی نالی پر چلا جاتا۔ میں اپنے ننھے منے ہاتھوں سے نالی کی نم اور سیلی مٹی کھودتا تو نرم نرم کینچوے ادھر سے رینگ کر ادھر سما جاتے۔ میں انہیں دم سے پکڑ کر مٹی سے باہر نکالنے کی کوشش کرتا تو ان میں سے اکثر ٹوٹ جاتے۔ ان قیمتی کینچوؤں کو گیلی مٹی کے ساتھ ملا کر کپڑے کی ایک تھیلی میں ڈال کر واپس جوہڑ پر آجاتا۔ جوہڑ کے کنارے بے حد اونچے تھے اور جون جولائی کے ابلتے ہوئے سورج کی حدت سے ان پر بیٹھنا مشکل ہو جاتا۔ بہرحال میں جھولی میں سے اپنا سارا سامان نکال کر زمین پر رکھتا اور پھر بڑے پیار سے ایک کینچوا نکال کر اس کے دو ٹکڑے کر لیتا آدھا کینچوا کانٹے پر کھینچ کر اسے تھوک سے بھگوتا اور جوہڑ کے گدلے کائی زدہ پانی میں ڈال دیتا۔ اس کے بعد میری آنکھوں سے جھپکنے کا عمل غائب ہو جاتا میں پوری گرم دوپہر دیدے پھاڑے بانس کے تنکے پر نظریں جمائے اکڑوں بیٹھا اس کی ڈبکی کھانے کا انتظار کرتا رہتا۔ اس سے پہلے میں کنارے کے ساتھ ایک گڑھا کھود کر اس میں پانی بھر دیتا تاکہ شکار کی گئی مچھلیاں اس میں رکھی جا سکیں مگر اس کی نوبت کم ہی آتی۔ کبھی کبھار کوئی کچھوا میری قیمتی کنڈی ہڑپ کر کے بانس اور ڈوری سمیت جوہڑ کے گدلے پانی کی تہ میں جا بیٹھتا۔ تم نے کبھی کچھوا دیکھا ہے پاسکل؟"

پاسکل کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا۔ وہ سو چکی تھی۔

سنان آہستہ سے اٹھا اور دریا کے کنارے چلا گیا۔ کنڈیوں کو پانی میں سے نکال کر اچھی طرح دیکھا۔ نقلی مینڈک جوں کے توں تھے انہیں مچھلی نام کی کوئی چیز چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔

وہاں سے کچھ دور دریا کے کنارے پر دو نہایت موٹے فرانسیسی اور ان کی اتنی ہی موٹی بیویاں پکنک منا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک چھوٹی سی لڑکی پانی میں پاؤں لٹکائے منہ بنائے بیٹھی تھی۔ گھاس پر بچھے ایک سفید کپڑے پر خوراک کی ٹوکریاں اور

سرخ فرانسیسی شراب کی متعدد بوتلیں رکھی تھیں۔ عورتیں اوندھی لیٹی دھوپ سینک رہی تھیں اور مرد خاموشی سے اخبار پڑھنے کے ساتھ ساتھ بوتلوں سے منہ لگائے شراب بھی پی رہے تھے۔ ان کے سامنے بندھی ہوئی کشتی پر جو شاید ان کی اپنی تھی مچھلی پکڑنے والی چند کنڈیاں پانی میں پڑی تھیں۔ ایک مرد نے شراب کی خالی بوتل دریا میں پھینکی جو غڑاپ سے پانی میں ڈوب گئی۔ ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا اور پھر ہر سو خاموشی چھا گئی۔

سنان نے نقلی مینڈکوں کو ایک مرتبہ پھر مضبوطی سے کنڈیوں کے ساتھ لگایا اور انہیں بے دلی سے پانی میں پھینک کر واپس چلا آیا۔ پاسکل ابھی تک سو رہی تھی۔ دریا کی جانب سے ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ درختوں کے پتوں میں ہلکا سا شور ہوا اور پھر وہی سکوت طاری ہو گیا۔ سنان نے اپنا نیلا کوٹ تہ کر کے سر کے نیچے رکھا اور گھاس پر لیٹ گیا اور پھر جانے کب نیند نے اسے اپنی ٹھنڈی اور آرام دہ آغوش میں لے کر تھپک تھپک کر سلا دیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو درختوں کے پتوں میں سے چمکنے والی سورج کی تیز روشنی میں نرماہٹ آ چکی تھی۔ اس نے کروٹ بدل کر دوسری جانب دیکھا۔ وہاں صرف اس کی شکنوں سے بھرپور سفید برساتی سمٹی پڑی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پاسکل دریا کے کنارے پانی میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی - وہ کنڈیوں کو پانی میں سے نکال کر الٹ پلٹ کر دیکھتی اور پھر واپس ڈال دیتی۔ دوپہر ڈھل چکی تھی اور درختوں تلے اب قدرے خنکی کا احساس ہو رہا تھا۔ سنان نے خوراک کی ٹوکری اور برساتی اٹھائی اور دریا کے کنارے کی طرف چل دیا جہاں ابھی تک دھوپ تھی۔ پاسکل نے اس کے قدموں کی آہٹ سن کر اپنی گردن کو ہلکا سا خم دے کر پیچھے دیکھا اور پھر مسکرا کر منہ پھیر لیا۔ اس نے کنارے کے ساتھ برساتی بچھا دی اور خوراک کی ٹوکری وہاں رکھ کر خود پاسکل کے ساتھ آ بیٹھا۔

دریا کی سطح پہلے کی طرح پرسکون تھی مگر غبار کی ہلکی تہ جو دوپہر کو پانی کے اوپر

معلق تھی اب موجود نہ تھی۔ سورج کی کرنوں میں پیلاہٹ کا عنصر نمایاں ہو رہا تھا۔ پاسکل اپنے پاؤں کو خم دے کر کنارے کی گدلی مٹی ناخنوں سے کریدتی تو وہ کیچڑ آلود ہو جاتا۔ پھر وہ اپنا لباس اوپر کھینچ کر پاؤں پانی میں ڈال کر ہلاتی تو کیچڑ دریا کی ست رو لہروں سے آہستہ آہستہ گھلتا اور اس کا شفاف پاؤں دھل کر ایک سفید مچھلی کی طرح تیرنے لگتا۔

پاسکل نے نظر اٹھا کر سنان کی جانب دیکھا۔

"اس خرانٹ بوڑھے نے ہمیں مچھلیاں پھانسنے کے لیے جو نقلی مینڈک دیے تھے وہ استعمال شدہ ہیں" اس نے لوہے کا مینڈک سنان کو دکھاتے ہوئے سر ہلا کر کہا "ان کا رنگ اتر چکا ہے اس لیے مچھلیاں فوراً پہچان جاتی ہیں کہ یہ اصلی نہیں ہیں۔"

"اصلی مینڈک تو اہل فرانس ویسے ہی شام کے کھانے پر ہڑپ کر جاتے ہیں" سنان نے ہنس کر کہا۔

"اس وقت مجھے اتنی بھوک لگ رہی ہے کہ اگر اور کچھ کھانے کو نہ ملا تو شاید میں یہ لوہے کا مینڈک ہی کھا جاؤں" اس نے پیٹ پر ہتھیلی جما کر منہ بنا لیا۔

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی" سنان وہاں سے اٹھا اور ٹوکری میں خوراک نکال کر برساتی پر رکھنے لگا۔

پاسکل ابھی تک پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھی تھی۔

"وہ مینڈک اگر اصلی نہیں ہیں تمہارا پاؤں تو سچ مچ کا ہے نا" کوئی نہ کوئی مچھلی ضرور کاٹ لے گی۔"

"سچ؟" پاسکل نے ایک دم پاؤں باہر نکال لیے اور دونوں ہاتھ بلند کر کے کہنے لگی "سنان پلیز ذرا میری مدد کرو"۔

سنان نے آگے بڑھ کر اس کے بازو تھام لیے اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے سفید لباس پر جا بجا کیچڑ لگا ہوا تھا۔

"اتنے اچھے لباس کا تم نے یہاں بیٹھ کر ستیاناس کر لیا ہے" سنان نے زمی

بیٹھ کر رومال سے لباس پر لگا ہوا کیچڑ صاف کرنا شروع کر دیا۔

"نہیں سنان" پاسکل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا "اس لباس کو یونہی میلا کچیلا اور کیچڑ سے بھرا ہوا رہنے دو۔"

"وہ کیوں؟" سنان کھڑا ہو گیا۔

"تمہارا دیا ہوا زرد گلاب کا یہ پھول ہمیشہ اس کیچڑ آلود لباس پر لگا رہے گا۔ اس کی شکنیں مجھے اس خوبصورت دوپہر کی یاد دلائیں گی جب میں تمہاری برساتی پر لیٹی درختوں کے چھدرے پتوں میں کرنوں کی جھلمل دیکھ رہی تھی۔ اس پر لگی ہوئی یہ گھاس چند پتے مٹی اور پھر یہ کیچڑ مجھے بوئے ڈی بولون میں سین کے کنارے تمہارے ساتھ گزارے ہوئے آج کے دن کی یاد دلائیں گے۔ ان سب میں یادوں کی مہک رچ گئی ہے۔

سنان نے کیچڑ سے بھرا ہوا رومال جیب میں ڈال لیا۔

"تم نے خود ہی تو کہا تھا میں کل کے بارے میں نہیں سوچا کرتی۔"

"یہ کل کی بات تو نہیں سنان۔ یہ تو آئندہ صدیوں کے تذکرے ہیں۔"

"بہرحال" سنان برساتی پر بیٹھ گیا "تم ضرور اس کیچڑ آلود لباس کو جوں کا توں سنبھال کر رکھ لو مجھے کوئی اعتراض نہیں بلکہ یہ محمد بکر الجزائری کا دیا ہوا کیک بھی آئندہ صدیوں کے لیے رکھ چھوڑو!"

"یہ تو ابھی کھایا جائے گا" پاسکل کو ایک دم اپنی بھوک یاد آ گئی اور وہ سنان کے پاس آ بیٹھی۔

کھانے کے بعد سنان نے سگرٹ سلگا لیا۔ اب شام ہونے کو تھی۔ درختوں کے سائے لمبے ہو کر دریا کے درمیان تک چلے گئے تھے۔ سامنے والے کنارے پر بیٹھے ہوئے لوگ بھی جا چکے تھے۔ کشتی پر آیا ہوا فرانسیسی خاندان بھی اب وہاں موجود نہ تھا۔ بوئے ڈی بولون اور دریائے سین کے کناروں پر ایک ہلکی سرمئی چادر بچھ رہی تھی۔ ہوا اب قدرے تیز ہو چکی تھی اور خنکی خوشگوار ہونے کی بجائے اب ہلکے ہلکے

بدن کو کاٹ رہی تھی۔ پاسکل اپنے دونوں بازو آغوش میں سمیٹے گھٹنوں پر سر رکھے دریا کی سطح پر نظریں جمائے کچھ سوچ رہی تھی۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس نے ایک جھرجھری سی لی۔ سنان نے گھاس پر پڑی برساتی اٹھا کر اسے اوڑھا دی اور اپنا بازو اس کے کندھوں پر رکھ دیا۔ پاسکل سمٹ کر اس کے ساتھ آ لگی۔ اس کی دودھیا باہوں میں سے نم سنگ مرمر کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد سنان نے پاسکل کی جانب دیکھا تو اس کی نظریں بدستور دریا کی سطح پر جمی تھیں۔ اس نے کنارے سے بھر بھری مٹی کا ایک ڈھیلا اٹھا کر عین اس جگہ پھینکا جہاں پاسکل دیکھ رہی تھی ـــــ ایک چھوٹا سا دائرہ ابھرا اور پھر پھیلتا ہوا اس کے قدموں میں آ لگا۔
پاسکل مسکرا دی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" سنان نے پیار سے پوچھا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ کیا اس کرسمس پر بھی میں اپنے کمرے میں کرسمس کا درخت سجائے اکیلی ہی بیٹھی رہوں گی؟" اس نے یہ فقرہ اس انداز میں ادا کیا جیسے وہ اس کا قطعی جواب سننا چاہتی ہو۔

"نہیں" سنان نے اس کا کندھا آہستہ سے دبایا "تم اس مرتبہ بالکل اکیلی نہیں ہو گی پاسکل"

"اس کا مطلب ہے کہ ـــــ وہ ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"اس کا مطلب وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو پاسکل ـــــ جس طرح تم جسمانی طور پر معذور ہو اسی طرح دنیا کا ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے معذور ہوتا ہے۔ بعض اوقات مجبوریاں بھی انسان کو اپاہج بنا دیتی ہیں۔"

"کیسی مجبوریاں؟" پاسکل کا چہرہ اتر گیا۔

"ایک مشرقی معاشرے کی مجبوریاں" سنان نے آہستہ سے کہا "جنہیں شاید تم ـــــ ایک مغربی لڑکی سمجھنے میں ناکام رہے۔ پاسکل پاکستان میں میرے ماں باپ اور بہن بھائی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں چند ماہ میں

واپس لوٹ آؤں گا۔ میں ان کے پیار اور خلوص کے خوبصورت بندھنوں میں بری طرح جکڑا ہوا ہوں۔ یورپ میں تو ایسے مشرقی پیار اور خلوص کو جانچنے کے لیے پیمانے بھی نہ ہوں گے۔ مجھے ہر صورت واپس جانا ہے۔ میری بہنیں ایک ایسے بھائی کا انتظار کر رہی ہیں جو انہیں دنیاجہان سے پیارا ہے۔ میرے بھائی ایک ایسے دوست کے انتظار میں ہیں جس کے ساتھ وہ اپنا دکھ سکھ بانٹ سکیں۔ میرا باپ مجھے اس لیے اپنے پاس دیکھنا چاہتا ہے کہ میں اس کی کمزور باہوں کا سہارا بن سکوں اور پھر میری ماں ـــــ وہ ایک بیٹے کی راہ تک رہی ہے جس کے چہرے پر وہ سہرے سجانا چاہتی ہےـــــ مجھے ہر صورت واپس جانا ہے۔"

"اور اگر یہ تمام جذبات ایک ہی ہستی میں موجود ہوں تو؟ـــــ میں بھی تمہیں بے پناہ پیار کرتی ہوں۔ میں بھی تمہارے ساتھ اپنے دکھ بانٹنا چاہتی ہوں۔ میں بھی چاہتی ہوں کہ تم میری کمزور باہوں کا سہارا بن جاؤ اور ـــــ مجھے بھی زندگی کے طویل اور اذیت ناک سفر کے لیے ایک ساتھی کی ضرورت ہے۔ تم پھر کہو گے کہ ایک پاکستانی لڑکی اپنے جذبات کا اظہار اس طریقے سے نہیں کرتی۔ تم ہی بتاؤ سنان میں اور کیا کروں ـــــ تم خود جانتے ہو کہ میرے احساسات تمہارے بارے میں پسندیدگی اور صرف دوستی تک ہی محدود نہیں رہے۔ ان میں شدت آ چکی ہے۔ ادھر تم نے کبھی بھی اپنے جذبات کا اظہار مجھ سے نہیں کیا۔ سنان اگر تم صرف مجھے ایک مرتبہ یہ کہہ دو کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے تو میں ابھی اسی وقت یہاں سے چلی جاؤں گی لیکن اگر تمہارے دل میں میرے لیے تھوڑی سی جگہ بھی ہے تو پلیز کہہ دو۔ میں ترس گئی ہوں۔"

"پاسکل تمہیں معلوم ہے کہ پیرس آتے وقت گاڑی میں میں نے ہی تم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔" سنان بے حد سنجیدہ تھا اور رک رک کر باتیں کر رہا تھا "ایک خواہش جو پسندیدگی سے شروع ہوئی۔ پھر تمہاری طرح میرے احساسات بھی پسندیدگی اور دوستی کی حدیں عبور کر کے ایک طوفانی کیفیت سے دوچار ہو گئے۔ میں تم

سے اپنے جذبات کا اظہار جان بوجھ کر نہیں کرتا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں ہر صورت یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے جانے پر تم ایک مرتبہ پھر اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاؤ۔"

"سنان ایک صورت اور بھی تو وہ سکتی ہے" پاسکل کی نیلی آنکھیں جذبات کی شدت سے جل رہی تھیں۔

سنان نے اپنی ہتھیلی سختی سے لبوں پر جمالی۔ اسے معلوم تھا کہ پاسکل اب کیا کہنے والی ہے۔

"میں جب تمہیں پیرس میں رہنے کے لیے کہتی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ تم میرے پاس رہو ـــــ اور ـــــ اور اگر تم میرے پاس رہو ـــــ کہیں بھی ـــــ کسی شہر میں بھی ـــــ لاہور میں؟"

"نہیں پاسکل" سنان نے قدرے درشتگی سے کہا۔

"مگر کیوں؟ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

"پیرس میں دریائے سین کے کنارے آج شب یہ حسین منصوبے بنا لینا بے حد آسان ہے مگر وہاں لاہور میں گوالمنڈی اور چوہٹہ مفتی باقر جیسے علاقوں میں زندگی بسر کرنا بے حد دشوار ہے۔ میں ایک درمیانے درجے کی حیثیت کا انسان ہوں۔ ایک یورپی بیوی کے لیے جن لوازمات کی ضرورت ہے وہ میں کبھی بھی میسر نہیں کر سکوں گا۔"

"لیکن میں تو کچھ بھی نہیں مانگ رہی۔ میں اپاہج ہوتے ہوئے بھی گھر کا سارا کام کاج خود کر سکتی ہوں۔ کل میں نے تمہارے لیے کافی اور سینڈوچ بنائے تھے نا! میں نوکری بھی کر لوں گی۔"

"پاسکل مجھے اپنے معاشرے کی اونچ نیچ کا علم ہے۔ ہمارے ہاں شادی صرف ایک فرد کی نہیں ہوتی۔ اس میں خاندان کے تمام افراد کی خواہشات کا دخل ہوتا ہے ایک کامیاب شادی کے لیے جہاں میاں بیوی کا باہمی اتفاق ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ

رشتہ داروں کی خوشنودی کا خیال رکھنا پڑتا ہے تم ایک اجنبی معاشرے کے فرد کی حیثیت سے اس میں ناکام رہو گی اور میں تمہیں کسی حال میں بھی سوگوار نہیں دیکھ سکتا۔"

"تم اپنے خاندان سے علیحدہ کیوں نہیں رہ سکتے؟"

"یہ میرے بس کی بات نہیں۔ وہ میرے وجود کا لازمی حصہ ہیں۔ میں ان کے بغیر بھی خوش نہیں رہ سکتا۔"

"سنان میں تمہاری زبان سیکھ لوں گی۔ تمہاری معاشرت کو اپنا لوں گی۔ تمہارے ہاں کی لڑکیوں جیسا لباس پہنوں گی ـــــ تم ہی نے تو کہا تھا کہ میں جھمکے پہن کر بالکل ایک پاکستانی لڑکی لگتی ہوں۔"

"نہیں پاسکل ـــــ نہیں!" سنان نے بار بار سر ہلایا۔

"پھر تمہارے جذبات میں اتنی شدت پیدا نہیں ہو سکی جو تمہیں سب کچھ چھوڑ کر میرے پاس رہنے پر مجبور کر دے۔"

"نہیں یہ بات نہیں پاسکل ـــــ مجھے تم سے بے انتہا محبت ہے اور اس احساس نے میرے اندر پہلی مرتبہ جنم لیا ہے۔ اس احساس کی وجہ سے میں تمہیں دکھی نہیں دیکھ سکتا ـــــ مجھے معلوم ہے تم وہاں خوش نہ رہ سکو گی۔"

"اور اگر میں تمہارے ساتھ رہ کر دکھی ہونا ہی پسند کروں تو؟"

"تو پھر تم مجھے بھی بے حد دکھی کر دو گی۔"

"لیکن تم نے گفتگو کے آغاز میں یہ کیوں کہا تھا کہ میں اس مرتبہ کرسمس پر اکیلی نہیں ہوں گی؟"

"میرا مطلب تھا کہ تمہارے پاس ان دنوں کی حسین یادیں ہوں گی۔ ایک خوبصورت احساس ـــــ جو بہت کم لوگوں کے نصیب میں ہوتا ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو آج کا چمکیلا دن یہاں گزارنے کے بعد مختلف محسوس نہیں کرتیں؟ میں آج سے چند روز پہلے کا سنان نہیں رہا۔ تم میرے خیال اور میرے وجود کا ایک لازمی حصہ بن چکی

ہو اور ہمیشہ رہو گی۔"

"صرف احساس اور یادوں سے روح کی تنہائی دور نہیں ہو سکتی۔"

"ہو سکتی ہے پاسکل ـــــ کرسمس کی شام کو یہاں سے ہزاروں میل دور میں اپنے کمرے میں بیٹھا اپنے پہلے پیار کو ـــــ تمہیں ـــــ اور پیار کے پہلے شہر ـــــ پیرس کو یاد کروں گا۔ کرسمس کی شام کو جو تفصیلات تم نے مجھے بتائی ہیں وہ میرے ذہن میں گھوم رہی ہوں گی۔ تم اپنے کمرے میں کرسمس درخت کی شاخوں اور پتوں کو چھو کر دیکھنا ان میں حدت ہو گی۔ میرے احساس کی لو یہ طویل فاصلے طے کر کے تم تک پہنچ جائے گی۔ تم اکیلی نہیں ہو گی پاسکل!"

"کرسمس تک نہ سہی چند ہفتے تو اور ٹھہر جاؤ" پاسکل کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بہہ نکلی۔

"نہیں پاسکل! پیرس میں میرے قیام کی طوالت سے یہ جذبات اور بھی شدید ہو جائیں گے اور پھر ہم دونوں کے لیے اس لمحے کا سامنا کرنا بے حد دشوار ہو جائے گا جس سے کسی صورت بھی مفر نہیں۔"

"سنان اگر میں اپاہج نہ ہوتی تو کیا تم اپنا ارادہ بدل دیتے؟"

"تم اور اپاہج؟" سنان نے اسے اپنے قریب لاتے ہوئے کہا "میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا ہے تم اپاہج نہیں ہو۔ اپاہج تو میں ہوں جو تمہیں اپنا لینے کی خواہش کے باوجود ایسا نہیں کر سکتا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

پاسکل نے سفید برساتی کے کونوں کو مٹھیوں میں بھینچ رکھا تھا جیسے وہ اس سے جدا نہ ہونا چاہتی ہو۔

"میں جو کچھ بھی ہوں۔ جیسا بھی ہوں لیکن میں نے آج تک جان بوجھ کر کسی کو دھوکا نہیں دیا۔ تم جو مجھے اتنی عزیز ہو میں تم سے بھی کوئی غلط وعدہ نہیں کرنا چاہتا۔ پاسکل میں کرسمس تک یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ بھی نہیں لے جا سکتا۔ چند روز تک میں پیرس سے چلا جاؤں گا اور جتنی جلدی تم اس حقیقت کا سامنا

کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ اتنا ہی یہ ہم دونوں کے حق میں بہتر ہو گا۔"

"جو کچھ میں نے کہنا تھا وہ کہہ چکی۔ تم نے جو مجبوریاں بیان کی ہیں میں انہیں سمجھ تو نہیں سکی ـــــ بہرحال تم کہتے ہو تو ٹھیک ہی کہتے ہو ـــــ اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیئے۔ اندھیرا ہو چلا ہے" پاسکل نے اٹھنے کی کوشش کی۔

"نہیں ابھی نہیں" سنان نے اس کے کندھوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا "پہلے تم وعدہ کرو کہ تم میرے جانے سے اداس نہیں ہو گی۔"

"میں آنے والے کل کے بارے میں کیسے وعدہ کر سکتی ہوں؟"

"ابھی تو چند روز تک میں یہیں ٹھہروں گا۔ ہم روزانہ ملیں گے اور ہر نیا دن ہمارے لیے اتنا ہی خوبصورت ہو گا جتنا آج تھا۔ یہ تو سوچو کہ آنے والے کل کے بعد ہزاروں کل اور آئیں گے بقول تمہارے آنے والی صدیاں! اور ان طویل برسوں میں کیا تمہیں اس احساس سے خوشی حاصل نہ ہو گی کہ کم از کم ہم دونوں نے اتنے خوبصورت لمحے اس شہر میں ـــــ سین کے کناروں پر اکٹھے گزارے تھے۔ اور پھر یہ احساس کبھی بھی تم سے جدا نہ ہو گا ـــــ ہمیشہ کے لیے ـــــ آج سے ایک سال بعد ـــــ دس سال بعد ـــــ ہزاروں میل دور ایک ایسا شخص ہو گا جو تمہیں اس لمحے بھی یاد کر رہا ہو گا۔ ان دنوں کی مسرتیں اس کے دل میں ایک ایسی لو جلائیں گی جس کی گرمی زندگی کی تاریک اور سرد راہوں میں اسے سکون اور اطمینان بخشیں گی۔ صرف تمہاری وجہ سے پاسکل۔"

"سنان تم ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہ سوچو کہ میں ان ڈھیر ساری خوبصورت یادوں کے لیے شکر گزار نہیں ہوں۔ میں تو بہت ہی خوش قسمت ہوں۔ مجھے تم نے اتنی خوشیاں دی ہیں کہ میں ان کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ صرف ـــــ میں بھی تو انسان ہوں۔ میرے اندر بھی دوسرے انسانوں کی طرح خواہشیں سر اٹھاتی ہیں۔ مجھے ایک خوشی ملتی ہے تو میں اس کے دوسرے سرے پر جا کر ایک اور خوشی کی تلاش کرتی ہوں اور پھر اسی طرح میرا جی چاہتا ہے کہ خوشیوں اور مسرتوں کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہونے پائے۔"

"یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا پاسکل! خوشی اور اطمینان کے ان لمحوں کو اپنے اندر سمو لو۔ تمہارے اندر بھی جو لو جل رہی ہے وہ ان لمحوں کو ہمیشہ تابناک رکھے گی۔"

"تم ٹھیک ہی کہتے ہو سنان ـــــ میں پہلے سے بہت بہتر محسوس کر رہی ہوں اور اب میرے لیے تم سے جدائی کا تصور اتنا اذیت ناک نہیں رہا ـــــ کم از کم اب ـــــ اس وقت۔"

"آج کا دن کتنا خوبصورت تھا؟ کل بھی ایک ایسا ہی دن آئے گا ـــــ میں وعدہ کرتا ہوں ـــــ بس اب تم یہ آنسو پونچھ ڈالو ـــــ بلکہ ـــــ سنان نے جیب سے رومال نکال کر پاسکل کی آنکھوں پر رکھ دیا۔ پاسکل نے رومال اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ رومال پر لگی ہوئی تھوڑی سی مٹی پاسکل کے گالوں پر بھی لگ گئی۔

سنان نے جیب سے سگرٹ نکال کر سلگا لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پاسکل نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور مسکرا کر اپنے ہاتھ پھیلا دیے۔ سنان نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور وہ اٹھ کر چلنے کی بجائے خاموشی سے اس کے ساتھ آ لگی۔ کٹے ہوئے سنہری بالوں میں خوشبو تھی۔ زرد گلاب کی خوشبو۔ سنان نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کی گردن پر رکھ دیا۔

"تمہارا ہاتھ بے حد سرد ہے!" سنان نے پاسکل کے جسم کی تھرتھراہٹ محسوس کی اور فوراً ہاتھ پرے کر لیا۔

"نہیں نہیں" پاسکل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر اپنی گردن پر رکھ لیا "رہنے دو۔ مجھے اچھا لگتا ہے۔ ابھی پرسوں کی ہی تو بات ہے تم نے اپنا ہاتھ اسی طرح میری گردن پر رکھا تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے صدیاں بیت گئی ہوں" اس نے سنان کے کوٹ کے بٹن ایک ایک کر کے کھولے اور بڑے مزے سے اپنا چہرہ اس میں چھپا لیا۔

"کل صبح اگر میرے کوٹ پر ایک سنہری بال اٹکا ہو تو تم ہنگامہ نہ برپا کر دینا

کیونکہ وہ تمہارا ہی ہو گا" سنان کے لب اس کے نرم اور گھنے بالوں میں تھے۔ زرد گلاب کی نرم پتیوں میں۔

"ایک بال نہیں — درجنوں ہوں گے" اس نے سنان کے سینے پر سر رکھ کر زور سے دبایا۔

بوئے ڈی بولون کا سرمئی اندھیرا اب تاریکی میں بدل چکا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر رہائشی مکانوں اور پانی میں ساکن رہائشی کشتیوں کی روشنیاں جل رہی تھیں ان روشنیوں کے جھلملاتے عکس کے علاوہ پورا دریا ایک سیاہ چادر کی طرح تھا۔ ہوا میں بے حد خنکی تھی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہیے" سنان نے آہستہ سے اپنا منہ اس کے بالوں میں رگڑتے ہوئے کہا "ہر طرف تاریکی ہے۔"

"میں تو تمہارے کوٹ میں چہرہ چھپائے ہوئے ہوں۔ یہاں بے حد سکون ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں نے باہر دیکھا تو واقعی ہر طرف تاریکی ہو گی۔"

"تم ساری زندگی یونہی میرے کوٹ میں چہرہ چھپائے تو نہیں گزار سکتیں؟ تمہیں کبھی نہ کبھی تو باہر دیکھنا ہی ہو گا۔"

"ہاں کبھی نہ کبھی — مگر ابھی نہیں" پاسکل کا موڈ اب کافی حد تک بحال ہو چکا تھا۔

ہر طرف خاموشی تھی۔ چند روشنیاں۔ دریا کی لہروں کا ہلکا سا ارتعاش اور ان دونوں کی سرگوشیاں، اس مکمل سکوت میں دور سے پانی کی سطح پر تیرتی ہوئی موسیقی کی ایک تان ان تک پہنچی۔ دھیمے سروں میں — اور پھر اسی لمحے وی آنا کے ایک مشہور والز کی دھن پورے ماحول پر حاوی ہو گئی۔ لہروں کا تلاطم زیادہ ہوتا تو دھن ایک لمحے کے لیے قدرے دب جاتی اور پھر ابھر آتی۔

"وی آنا کے جنگل" کی دھن "پاسکل نے سرگوشی کی۔

"ہاں! ایک دو تین اور گھوم جاؤ —" سنان کے کان بھی دھن پر لگے تھے۔

"ایک دو — سنان؟" پاسکل نے یکدم اپنا چہرہ کوٹ میں سے باہر نکالا اور اسے جنجھوڑ کر کہنے لگی "یاد ہے اس روز دریائے سین کے کنارے میں نے تمہیں رقص سکھانے کی پیش کش کی تھی۔"

"ہاں!" سنان گھبرا گیا۔

"اور پھر تم بے حد بزدل نکلے اور خواہ مخواہ اعتراض کیا کہ موسیقی کے بغیر رقص نہیں کیا جا سکتا۔ ہوں؟" پاسکل نے شوخی سے کہا۔

سنان خاموش رہا اسے معلوم تھا کہ اس کے بعد وہ کیا کہنے والی ہے۔

"یہاں تو موسیقی بھی ہے نا! ذرا غور سے سنو بے حد خوبصورت دھن ہے دریا کے دوسرے کنارے پر شاید کسی ہاؤس بوٹ میں پارٹی ہو رہی ہے" پاسکل نے اپنے کان دھن پر لگا دیے۔

"لیکن یہاں تو اس قدر تاریکی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔"

"ایک ہاتھ تمہاری کمر پر — اور دوسرے تمہارے کندھے پر" پاسکل نے پیچھے ہٹ کر کہا۔ "رقص دیکھ کر نہیں بلکہ محسوس کر کے کیا جاتا ہے۔"

"پاسکل — بھئی پھر کبھی سہی — رات بہت ہو چکی ہے۔"

"اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں — تم اس طرح میرا ہاتھ تھام لو۔"

پاسکل اسے رقص سکھانے پر تلی ہوئی تھی۔ سنان نے مجبوراً ہتھیار ڈال دیے اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کا ایک ہاتھ تھام لیا اور دوسرے کمر کے گرد ڈال دیا۔

"اب کیا حکم ہے؟" سنان نے اکڑوں کھڑے ہو کر دریافت کیا۔

"اب؟ اور اب تم دھن کے اس حصے کا انتظار کرو جہاں وائلنیں قدرے رک کر دوبارہ ابھرتی ہیں" اس نے بڑے غور سے موسیقی سنی اور پھر ایک جھٹکے سے سنان کو آہستہ سے ایڑیوں پر گھمایا اور رقص شروع کر دیا "— ایک دو تین اور پھر — گھوم جاؤ — ایک دو تین — بالکل آسان ہے" اس کے ساتھ ہی پاسکل زیر لب

وہی دھن گنگنانے لگی "ہوں ــــ اوں ــــ ہوں ہوں"

پہلے پہل تو سنان کا ہر قدم ہی غلط اٹھتا رہا اور وہ ہر بار پاسکل کا پاؤں مسل دیتا لیکن وہ ایک اچھی استاد کی طرح بالکل شکایت نہ کرتی۔ رقص کے دوران میں اس کے قدم اتنے نپے تلے تھے کہ یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ وہ اپاہج ہے۔

"قدموں پر زیادہ دھیان نہیں دینا چاہئے۔ تم موسیقی غور سے سنو قدم خود بخود اٹھتے چلے جائیں گے۔" پاسکل نے اسے گھماتے ہوئے ہدایت دی۔

تھوڑی سی مشق کے بعد سنان کو محسوس ہوا کہ یہ والٹز کچھ اتنا مشکل رقص نہ تھا۔ بس تین تک گنتے جاؤ اور گھومتے جاؤ۔ اب وہ پاسکل کو باہوں میں لیے بڑی خود اعتمادی سے قدم اٹھانے لگا۔ اس کے کان وائلنوں کی مدھ بھری تانوں پر لگے تھے۔

"تم تو بڑا اچھا رقص کر لیتے ہو" پاسکل اپنا سر پیچھے ڈال کر ہنس دی۔

"شکریہ میڈم" سنان ایک لمحے کے لیے رکا۔ اپنے آپ کو پاسکل کی باہوں سے آزاد کیا اور جھک کر کورنش بجا لایا۔

پاسکل بھی بڑی سنجیدگی سے جواباً جھک گئی اور پھر نرمی سے اس کے بازوؤں میں سما گئی۔

"تمہارے ہاں بھی تو لوگ رقص کرتے ہوں گے؟"

"ہاں کرتے ہی ہیں"

"تو پھر تم مجھے پاکستانی رقص سکھا دو" پاسکل نے مچل کر کہا۔

"میں نے یہ نہیں کہا تھا میں بھی کر سکتا ہوں"

"تم دراصل مجھے سکھانا ہی نہیں چاہتے ــــ بزدل!" پاسکل نے اسے چھیڑا اور پھر اتنی زور سے گھمایا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔

دریا کی پرسکون سطح پر ایک خوبصورت اور روشن کشتی آہستگی سے تیر گئی۔ یہ ایک بڑی ہاؤس بوٹ تھی۔

"آج میں بھی رقص کر سکتی ہوں" پاسکل نے سرگوشی کی۔

تھوڑی دیر بعد گھنے درختوں کی اوٹ سے چاند نکل آیا اور دریا کی سطح پر ایک روپہلی قالین بچھ گیا۔ شاہ بلوط اور بید کے درختوں کے پتے چمکنے لگے۔ موسیقی کب کی ختم ہو چکی تھی مگر اب اس کی جگہ پاسکل کی مترنم گنگناہٹ نے لے لی تھی۔

"اوہ ــــ میں اب بے حد تھک گئی ہوں" پاسکل ہاتھ چھوڑ کر اس کے ساتھ لگ گئی۔

دریائے سین کے کنارے والٹز کا پہلا سبق ختم ہو چکا تھا۔

"پاسکل؟" سنان نے ٹھوڑی تلے انگلی رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔

"کیا ہے سنان؟" پاسکل نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا۔

"تم یہ جان لو کہ میری سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ میں تمہارے پاس کرسمس تک رہوں۔ میں دل و جان سے یہ چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو مگر ــــ"

"پلیز سنان" پاسکل نے اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی "پلیز اب کچھ مت کہو۔ میں تمہاری ہی خواہش کے مطابق اداس نہیں ہونا چاہتی۔"

سنان نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے گرم لبوں سے لگا لیا ــــ پاسکل کا ہاتھ بالکل سرد تھا۔

"یاد ہے ڈاکٹر نے تمہیں آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے اور اس طرح آدھی رات کو دریا کے کنارے رقص کرنے کو تو آرام نہیں کہا جا سکتا۔ تمہیں سردی لگ جائے گی۔"

پاسکل خاموشی سے اپنی ستواں ناک سنان کے سینے پر رگڑتی رہی اور چپکے چپکے ہنستی رہی۔

"پاسکل تمہاری خالہ ــــ"

"ہاں خالہ ــــ" پاسکل ایک دم چونکی اور اپنے آپ کو سنان کی گرفت سے علیحدہ کر کے کہنے لگی "غلطی ہو گئی۔ میں نے تو انہیں کہا تھا کہ میں شام ہونے سے پہلے ہی

لوٹ آؤں گی۔۔۔۔ وہ یقیناً پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

"تو پھر چلتے ہیں" اس نے اپنا ہاتھ پاسکل کے کندھوں پر رکھ دیا اور وہ آہستہ آہستہ ان سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے جو اوپر سڑک تک جاتی تھیں۔

"ارے ہاں وہ بنسی اور کنڈیاں؟" پاسکل نے ایک دم رک کر اسے یاد دلایا۔

"انہیں وہیں دریا میں رہنے دیتے ہیں۔ کسی کچھوے کے کام آئیں گی" سنان نے ہنس کر کہا۔ پاسکل بھی ہنس دی اور پھر چلنا شروع کر دیا۔

سیڑھیاں طے کر کے جب وہ سڑک پر پہنچے تو پاسکل آہستہ چلنے کے باوجود تھکن سے نڈھال ہو رہی تھی۔ کار میں بیٹھ کر اس نے تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی "سنان تمام خوبصورت چیزوں کا انجام خوبصورت کیوں نہیں ہوتا؟" اور پھر کار سٹارٹ کر دی۔ سنان اس کی یہ بات نہ سمجھ سکا۔

"تم یہاں سے سیدھی اپنے فلیٹ پر چلی جاؤ۔ خالہ انتظار کر رہی ہوں گی۔ میں نیولی کے پل تک پیدل چلا جاتا ہوں وہاں سے ٹرام مل جائے گی۔"

"اونہوں" پاسکل نے سر ہلایا "میں تمہیں تمہارے مکان تک چھوڑ کر ہی آؤں گی۔ تم نے آج رقص کرنا سیکھ لیا ہے اس لیے اب میں پیرس جیسے شہر میں اکیلے گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔"

نیولی کے پل کے پاس پہنچ کر جب وہ دائیں ہاتھ مڑے تو ایونیوفاک کی تمام روشنیاں منور تھیں اور ٹریفک کا بے پناہ ہجوم تھا۔ تمام دن سورج کی گرم کرنوں تلے سلگنے کے بعد پیرس ایک مرتبہ پھر بیدار ہو چکا تھا۔ سنان سوچ رہا تھا کہ وقت نہیں تھا۔ سین کے پانی میں بڑی ہوئی ساکن کنڈیاں اور پاسکل کا سفید لباس اب خواب کی باتیں لگ رہی تھیں۔ ایک سراب!

کار فتح کی محراب کے بڑے چکر میں داخل ہوئی تو پاسکل سنان کی طرف دیکھ کر بے اختیار ہنس دی۔

"فکر نہ کرو۔ میں اب اس چکر کے گرد بے مقصد نہیں گھوموں گی۔ اب تو میں رقص بھی کر سکتی ہوں۔"

"تم اگر مجھے یہاں اتار دو تو میں پیدل ہی گھر چلا جاؤں گا۔ تمہاری خالہ انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"بالکل نہیں۔ تمہاری نیت خراب لگتی ہے۔ میں تمہیں گھر تک ہی چھوڑ کر آؤں گی۔"

"تمہاری مرضی" سنان پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا اور سگرٹ سلگا لیا۔ "پاسکل پچھلے چند روز سے تم سارا سارا دن میرے ساتھ گزارتی ہو۔ تمہاری خالہ برا تو نہیں مناتیں؟"

"اوہ خالہ" اس نے سر جھٹک کر کہا "انہوں نے تو سیکرے کر کے کلیسا میں مریم کے مجسمے تلے موم بتیاں جلا کر شکر کیا ہو گا کہ ان کی بھانجی نے بھی بالاخر گھر سے باہر نکلنا سیکھ لیا ہے۔"

موہارت کا علاقہ آیا تو وہاں خوب رونق تھی۔ تمام قہوہ خانے بھرے پڑے تھے۔ کہیں کہیں موسیقی بھی بج رہی تھی۔

سنان کے مکان کے سامنے پہنچ کر پاسکل نے فٹ پاتھ کے کنارے پر کار کھڑی کر دی۔ سنان اترنے لگا تو اس نے اس کا بازو تھام لیا۔

"زندگی میں پہلی بار آج مجھے اس بوجھ کا احساس تک نہیں جس کے تلے میں ہر وقت پستی رہی ہوں۔ آج میں بھی عام انسانوں کی طرح تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کبھی بھی اپاہج نہ تھی۔ یہ احساس عارضی ہی سہی لیکن سنان یہ صرف تمہاری وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں" پاسکل کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"شکریہ تو مجھے ادا کرنا چاہیے۔ تم نے مجھے آج رقص جو سکھا دیا ہے" سنان نے ہنس کر کہا۔

"میرا تو خیال ہے تمہیں رقص کرنا پہلے سے ہی آتا تھا ورنہ اتنی جلدی نہ سیکھ لیتے" اس کی آنکھیں ابھی تک نم تھیں۔

"تم بہت تھک چکی ہو پاسکل" سنان نے اس کے چہرے کو پیار سے چھوتے ہوئے کہا" بہتر یہی ہے کہ جلد از جلد گھر پہنچ کر بستر پر لیٹ جاؤ"

"اور مجھے لوری کون سنائے گا؟" پاسکل نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

آج تم اتنی تھک چکی ہو کہ لوری کے بغیر ہی نیند آجائے گی۔ شب بخیر!"

سنان یہ کہہ کر دروازے کے پاس پہنچا تو پاسکل نے کار کے ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہارن مت بجاؤ پاسکل۔ کہیں وہ میڈم ڑی باہر نہ آجائے" سنان جلدی سے واپس آگیا۔

"کل کے بارے میں تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔" پاسکل نے قدرے غصے سے کہا اور ہارن سے ہاتھ اٹھا لیا۔

"کل؟—— ڈاکٹر کے مشورے——"

"پھر کہو گے کہ یہ بلیک میل ہے۔ لیکن اگر تم کل مجھے ملنے نہ آئے تو بس پھر ایسا درد ہو گا—— ایسا درد ہو گا کہ——"

"آجاؤں گا" سنان نے فوراً ہار مان لی۔

"کتنے بجے؟" پاسکل خوش ہو گئی۔

"واقعی نو بجے تک آ جاؤں گا۔ لوور کا عجائب گھر دیکھنے چلیں گے"

"ٹھیک ہے" پاسکل نے خوش ہو کر پھر کار کا ہارن بجا دیا۔

سنان نے دروازے کے پاس پہنچ کر مڑ کر دیکھا تو پاسکل ٹھوڑی تلے ہاتھ رکھے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

"تم جاتی کیوں نہیں؟"

"چلی جاتی ہوں" پاسکل نے منہ بنا کر کہا اور کار سٹارٹ کر دی۔

"تو پھر کل نو بجے" سنان نے ہاتھ ہلایا اور دروازہ کھول کر اندر آگیا۔

سیڑھیوں پر چڑھتے وقت اس نے ساتھ والے دروازے کی جانب دیکھا۔ وہاں بالکل تاریکی تھی۔ اس نے نہایت خاموشی سے قفل کھولا اور دبے پاؤں اپنے کمرے

میں داخل ہو گیا۔

کپڑے بدلنے سے پہلے اس نے یونہی کھڑکی سے نیچے جھانکا تو کار ابھی تک فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی تھی اور اس میں بیٹھی ہوئی پاسکل کی نظریں کھڑکی پر جمی تھیں۔ سنان کو دیکھ کر وہ قدرے جھینپ گئی۔

"جاتی ہوں" اس نے زور سے کہا اور پھر کار سٹارٹ کر کے گلی کی نکڑ پر مڑ گئی۔

OOO

"آج میں بھی عام انسانوں کی طرح تھی اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کبھی بھی اپاہج نہ تھی" کہیں دور تاریکی میں پاسکل کی آواز گونجی اور ایک چھناکے سے سنان کے خوابیدہ ذہن کے پردوں سے آ ٹکرائی۔ پھر تاریکی چھٹنے لگی۔ دور پاسکل کا حسین چہرہ دکھائی دیا جو لحظہ بہ لحظہ سنان کے قریب تر ہوتا گیا اور پھر آہستگی سے اس کی بند آنکھوں میں اتر گیا۔

پاسکل کے لبوں پر مردنی چھائی ہوئی تھی اور اس کی گہری نیلی آنکھیں سنان پر جمی تھیں وہ ایک سفید ریشمی لباس میں ملبوس تھی۔ بازوؤں کو کمان کی صورت میں اوپر اٹھائے ایک ٹانگ کو ہلکا سا خم دیے وہ ایک نازک اندام بیلے رینا کی مانند ایک عظیم سٹیج پر بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ بالکل ایک بے جان بت کی مانند۔ اس کے گرد سینکڑوں خوبصورت رقاصائیں گھیرا ڈالے کھڑی تھیں۔ ان کا لباس سیاہ تھا۔ تھیٹر کا وسیع ہال بالکل خالی پڑا تھا اور سنان سب سے اونچی گیلری میں ایک نشست کے سرے پر بیٹھا سٹیج پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ پاسکل نے ایک جھرجھری سی لی۔ جیسے کسی بھیانک خواب سے بیدار ہو رہی ہو اور پھر سر جھکا کر نپے تلے قدموں کے ساتھ رقص کرنے لگی۔ دوسری رقاصاؤں کے ساکن پیکروں میں بھی حرکت ہوئی اور انہوں نے پاسکل کے چاروں طرف رقص کرنا شروع کر دیا۔ ان کے چہرے کسی قسم کے جذبات سے عاری تھے۔ بے جان حرکت کرتے ہوئے مردہ چہرے۔ ان سب کی سلگتی ہوئی آنکھیں پاسکل کا پیچھا کر رہی تھیں۔ رقاصاؤں کے آہستگی سے ہوا میں اڑتے سیاہ لبادوں کے زیر و بم سے اس تمام منظر پر کالے راج ہنسوں کی ایک جھیل کا گمان ہوتا

تھا۔ وہ اپنے لامبے بازو بلند کرتیں تو لبادے فضا میں تیرتے اور پھر آہستہ آہستہ ان ے جسموں کے ساتھ آ لگتے تھے۔

پاسکل کی نیلی آنکھیں سنان پر جمی تھیں۔

"میں آج اپاہج نہیں ہوں ـــــ نہیں ہوں" اس کی آواز سٹیج کی عمیق گہرائیوں ے ایک فریاد کی صورت میں لپکی۔ وہ بار بار یہی فقرہ دہرا رہی تھی "میں آج اپاہج نیں ہوں ـــــ نہیں ہوں" وہ سنان کی جانب اداس نظروں سے دیکھتی اور پھر ایک ماہر بیلے رینا کی طرح اپنے پنجوں پر گھوم جاتی۔ "میں آج ـــــ نہیں ہوں۔ نہیں ہوں" کی آواز پورے ہال میں گونج رہی تھی۔ پھر وہ ایک لمحہ کے لیے رکی ـــــ اپنے بازو گیلری کی جانب بلند کیے اور پھر تیزی سے اپنے پنجوں پر گھومنا شروع کر دیا۔ اب وہ ایک چابی کی گڑیا کی مانند اتنی بے تابی اور بے قراری سے رقص کر رہی تھی جیسے رک جانا اس کے بس میں نہ رہا ہو۔ باقی رقاصاؤں کے انداز پہلے کی طرح آہستہ رو تھے۔ پاسکل اب سنان کی طرف بالکل نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے والہانہ رقص میں اس طرح مگن تھی جیسے کسی درویش پر وجد طاری ہو جائے تو وہ دنیا جہان سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

"پاسکل اتنی تیزی سے مت ناچو" سنان اپنی نشست سے اٹھ کر گیلری کو مضبوطی سے تھامے اس سے التجا کر رہا تھا "تمہارا درد شدت اختیار کر جائے گا۔ تم مر جاؤ گی پاسکل!"

"آج میں اپاہج نہیں ہوں۔ میں ضرور ناچوں گی" پاسکل کی آواز گونجی۔

"پاسکل! پاسکل" سنان خطرناک حد تک آگے جھکا ہوا پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ "خدا کے لیے ناچنا بند کر دو ـــــ"

لیکن پاسکل تو اس کی آواز سن ہی نہیں رہی تھی۔

اب وہ تیزی سے پوری سٹیج کا چکر لگاتے ہوئے پنجوں پر گھوم رہی تھی۔ ایک دو تین اور گھوم جاؤ ـــــ ایک دو تین ـــــ پھر اس کی رفتار سست پڑنے لگی۔ اس کی

آواز مدھم پڑتی گئی—— ایک دم وہ سٹیج کے درمیان ساکن کھڑی ہو گئی اس کی باہیں فضا میں بلند تھیں۔ "سنان پلیز میری مدد کرو" ایک سسکتی ہوئی آواز سنان تک پہنچی۔ پاسکل کا آنسوؤں سے تر چہرہ زرد پڑنے لگا۔ اس نے ایک جھرجھری سی لی اور پھر نڈھال ہو کر فرش پر گر گئی۔ دوسری رقاصاؤں نے اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا اور پھر جھک کر اپنی نرم و نازک، باہوں سے اس کا پورا جسم ڈھک دیا—— راج ہنس مرچکا تھا۔

سنان کی آنکھ کھلی تو اس کا پورا جسم پسینے سے شرابور تھا اور اس کا تکیہ بھیگا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کھڑکی سے باہر پیرس کے گلی کوچوں میں ایک سیاہ اور اندھی رات اتری ہوئی تھی۔ اس نے بستر کی چادر کے ایک کونے سے اپنا چہرہ پونچھا۔

"پیرس سے چلے جاؤ سنان" ایک آواز نے کہا۔

"مجھے ہر صورت اب پیرس سے چلے جانا چاہیے۔" اس نے سوچا۔ اسے معلوم تھا کہ جوں جوں دن گزرتے جائیں گے پاسکل اس کی رفاقت کی عادی ہوتی جائے گی اور پھر جدائی کا تصور اسے انہی عمیق گھاٹیوں میں دھکیل دے گا جہاں سے وہ گھسٹتی ہوئی صرف اس کے لیے باہر آئی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ کل پیرس میں اس کا آخری دن ہو گا اور وہ پاسکل سے آخری مرتبہ مل کر رات کی گاڑی سے غرناطہ کے لیے روانہ ہو جائے گا۔

○○○

"دروازہ کھلا ہے" سنان نے سفری رضائی میں سے منہ باہر نکال کر ترشی سے کہا۔ جانے کون اتنی سویرے دروازہ پیٹے جا رہا تھا۔

دروازے کا ہینڈل گھوما اور جینی اندر آ گئی۔ اس نے ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی۔

"میں ابھی سو رہا تھا—— آخر صبح صبح یوں دروازے پر دستک دینا کہاں کی شرافت ہے؟"

"صبح صبح؟" جینی نے ٹرے میز پر رکھ دی اور منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی "دس بج رہے ہیں سنان!"

سنان نے جلدی سے تپائی پر رکھی گھڑی اٹھا کر دیکھی۔ جینی ٹھیک کہہ رہی تھی۔

"اوفوہ مجھے تو——" وہ فوراً بستر سے باہر آ گیا "کہیں جانا تھا"

جینی اس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

"اگر میں بوجھ لوں کہ تم نے کہاں جانا ہے تو؟"

"ہاں ہاں پاسکل سے ملنے جانا ہے۔" اس نے تیزی سے کہا اور اپنے سوٹ کیس میں سے کپڑے نکالنے لگا۔

"رات جانے تم کس وقت اپنے کمرے میں واپس آئے—— میرے کان تمہارے قدموں کی آہٹ پر لگے رہے—— شاید میں اونگھ گئی تھی۔"

سنان جواب دیئے بغیر کپڑے بدلنے لگا۔

"ناشتہ تو کر لو" جینی نے ٹرے آگے بڑھا دی "تمہارا کافی کا ڈبہ بھی آج ختم ہو گیا ہے۔"

سنان نے سفید قمیص کے ساتھ سلک کی سفید ٹائی باندھی اور واپس پلنگ پر آ کر بیٹھ گیا۔

بہت بہت شکریہ۔"

اس کا موڈ قدرے بحال ہو چکا تھا وہ دل ہی دل میں جینی کا شکرگزار تھا کہ اس نے اسے جگا دیا ورنہ جانے وہ کب تک سوتا رہتا۔

جینی نے مکھن لگا بن اور کافی کی پیالی اسے تھماتے ہوئے پوچھا۔

"پاسکل کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے——"

"کل سارا دن کہاں گزارا؟"

"سین کے کنارے۔ بوئے ڈی بولون میں"

"آہا بوئے ڈی بولون—— بے حد خوبصورت جگہ ہے میں وہاں ایک مرتبہ ایک پارٹی میں گئی تھی۔ ایک ہاؤس بوٹ میں——"

"اور پھر وہاں" وی آنا کے جنگل "کے والز کی دھن پر رقص بھی کیا تھا۔ ہوں؟" سنان نے کافی کی چسکی لگا کر پوچھا۔

"نہیں تو" جینی حیران ہو کر بولی "رقص کی پارٹی تھی—— صرف—— خیر چھوڑو۔"

"تمہارا دن کیسے گزرا؟"

"میں نیوزی لینڈ کے سفارت خانے میں اپنی درخواست کے بارے میں دریافت کرنے گئی تھی۔"

"پھر کیا نتیجہ نکلا؟"

"میری درخواست منظور ہو گئی ہے سنان۔ میں اگلے ماہ نیوزی لینڈ چلی جاؤں گی۔"

"واقعی؟—— جینی یہ تو بہت اچھا ہوا۔" سنان نے مسکرا کر کہا۔

"مجھے وہاں ایک چھوٹے سے قصبے کے ایک سکول میں فرانسیسی زبان پڑھانے کے لئے رکھ لیا گیا ہے۔ کونسلر کہہ رہا تھا کہ وہ قصبہ جھیل واکا ٹیپو کے کنارے واقع ہے اور اس کا نام کوئین ٹاؤن ہے۔ قصبے کے نواح میں میلوں تک سرسبز چراگاہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں وہاں پہلی فرانسیسی لڑکی ہوں گی۔ اس طرح وہاں کسی کو بھی معلوم نہ ہو گا کہ میں ماضی میں کسی پیشے سے تعلق رکھتی تھی۔"

"سب سے ضروری بات تو یہی تھی نا؟"

"ہاں بالکل" جینی نے سر ہلایا "سنان تمہیں معلوم ہے کہ نیوزی لینڈ کی کل آبادی بیس لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔"

"ہمارا لاہور اس سے بڑا ہوا پھر؟"

"کون سا لاہور؟" جینی نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"میرا سوہنا شہر لاہو نیں" سنان نے لہک کر پنجابی میں کہا۔

"کیا کہتے ہو؟" جینی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کچھ نہیں" سنان سنجیدہ ہو گیا "بہر حال جینی مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ اس نئی زندگی کے آغاز پر میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔"

"شکریہ—— اور اسی خوشی میں میں نے آج رات پارٹی کا اہتمام کیا ہے" جینی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی "میری ایک دو سہیلیاں ہوں گی اور تم ہو گے۔ بس!"

وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔

"آج رات؟" سنان نے اپنی سفید ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ہاں آج رات—— تقریباً نو بجے۔" جینی نے گھبرا کر کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری پارٹی میں شامل نہیں ہو سکوں گا۔" سنان نے معذرت کی۔

"لیکن کیوں؟—— میرا مطلب ہے" وہ رک کر بولی "تم چاہو تو پاسکل کو بھی ساتھ لا سکتے ہو۔"

"پارٹی میں شامل نہ ہونے کی وجہ پاسکل نہیں ہے——"

"تو پھر اور کیا ہے سنان—— تمہیں اب میرے ساتھ میل جول رکھتے ہوئے شرم نہیں آنی چاہیے۔ میں اب ایک اچھی لڑکی ہوں—— میرا پیشہ تو آج سے فرانسیسی کی معلمہ ہے سنان——"

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو—— سنان نے اس کا ہاتھ تھام لیا" میں تمہاری پارٹی میں اس لیے شامل نہیں ہو سکتا کہ میں آج پیرس سے جا رہا ہوں—— آج رات"

"آج ہی رات" سنان نے پھر کہا۔

"تم جا رہے ہو؟" جینی نے بے یقینی سے پھر کہا۔

"ہاں"

"پاسکل کو چھوڑ کر؟"

"میں اس بارے میں گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا۔"

جینی نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور خاموش ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگی۔

"تم کل چلے جانا سنان—— آخر ایک دن سے کیا فرق پڑ جائے گا؟"

"میں نے آج رات کے لئے اپنی نشست ریزرو کروا لی ہے" سنان نے پیچھا چھڑانے کی غرض سے کہہ دیا۔

"تمہاری گاڑی کتنے بجے روانہ ہونی ہے؟"

"دس بجے——"

"تو پھر ٹھیک ہے—— میں اپنی سہیلیوں کو کہہ دوں گی کہ وہ آٹھ بجے ہی آ جائیں اور پھر ہم سب تمہیں ساڑھے نو بجے کے قریب سٹیشن پر چھوڑ آئیں گی۔"

اب انکار کی گنجائش نہ تھی۔

"جیسے تمہاری مرضی"

"اوہ! تم کتنے اچھے ہو سنان" جینی نے اپنے ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیے اور منہ نزدیک لا کر بڑے پیار سے کہا۔

"میں بہت اچھا ہوں مگر اتنا بھی نہیں کہ تم——" سنان نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر نیچے کر دیے "میں آٹھ بجے آجاؤں گا—— اب مہربانی کر کے تم اپنے کمرے میں چلی جاؤ میں نے تیار ہونا ہے—— ناشتہ کے لیے شکریہ"

"بھولنا نہیں۔ میں نے سب سہیلیوں کو تمہارے بارے میں بہت کچھ بتا رکھا ہے" جینی نے تپائی سے خالی ٹرے اٹھائی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

اس کے باہر جاتے ہی سنان نے اپنا نیلا کوٹ پہنا اور نیچے آگیا۔ آج میڈم ڈی سے بھی ملاقات ہو گئی۔ وہ صدر دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ایک الجزائری قالین بیچنے والے کے ساتھ ایک عامیانہ سے قالین کا بھاؤ طے کر رہی تھی۔ سنان کو دیکھتے ہی اس نے قالین والے کو چلتا کر دیا۔ "کیا حال ہے؟ آج کل نظر نہیں آ رہے؟"

"میں آج رات سے بالکل نظر نہیں آؤں گا"

"کیوں کیا مکان پسند نہیں آیا—— یا ہمسایوں سے کھٹ پٹ ہو گئی ہے؟"

"دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں—— میں آج رات ہسپانیہ جا رہا ہوں"

"آج رات؟ تو پھر وہ بقیہ دس فرانک بھی ادا کرتے جاؤ۔ کرایہ پورے ہفتے کا طے پایا تھا!"

سنان نے جیب سے بٹوا نکالا اور دس فرانک کا ایک نوٹ میڈم ڈی کے حوالے کر دیا۔ میڈم نے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر اپنے پہلے سے ہی ٹھسے ہوئے بلاؤز میں ٹھونس لیا۔ "شکریہ موسیو!"

سنان چلنے لگا تو میڈم نے آواز دی۔

"اور ہاں جانے سے پہلے میرے کمرے سے ہو کر جانا۔ ایک الوادعی جام اکٹھے پئیں گے، ہوں؟"

سنان نے مسکرا کر سر ہلا دیا اور باہر گلی میں نکل آیا۔ گھڑی پر وقت دیکھا تو ساڑھے دس بج رہے تھے۔ اس نے سوچا دیر تو ہو چکی ہے کیوں نہ ایک نظر اس مصور پال کو دیکھ لیا جائے۔ اس کا مکان وہاں سے نزدیک ہی تو تھا اور پھر اسے آج

پیرس بھی تو چھوڑ دینا تھا۔ جب وہ قہوہ خانہ پگال کے پاس سے گزرا تو اس نے ارادہ کیا کہ اندر جا کر دیکھ لے شاید پال وہیں بیٹھا ہو مگر پھر اسے خیال آیا کہ پال جیسا شخص گیارہ بجے سے پیشتر بستر سے اٹھ جائے؟ ناممکن! اپنے کمرے میں ہی ہوگا۔ چنانچہ سنان آگے بڑھ گیا۔

کلیسا سکرے کر کے سفید گنبد دھوپ میں چمک رہے تھے اور ہمیشہ کی طرح سیڑھیوں پر بچوں، عورتوں، سیاحوں اور مصوروں کا جمگھٹا تھا۔ وہ گھنٹی والا مصور آج بھی وہاں موجود تھا اور ایک موٹے جرمن سیاح کو اپنی تصویر خریدنے پر آمادہ کر رہا تھا۔ سنان سیڑھیاں اتر کر ساتھ والی گلی میں مڑ گیا جس کے آخری کونے پر پال کا مکان تھا۔ لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جس جگہ اس نے اس روز پال کا مکان دیکھا تھا وہاں اب ایک وسیع کھنڈر تھا جس میں بے شمار بچے کھیل رہے تھے۔ سنان اس کے پہلو میں واقع ایک گوشت کی دکان پر چلا گیا۔

"فرمائیے موسیو" دکاندار نے ایپرن سے ہاتھ پونچھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آج میرے پاس آئرلینڈ کے فربہ گھوڑوں کا گوشت ہے۔"

"مجھے گوشت نہیں چاہیے—"

"گھوڑے کا گوشت ہے موسیو۔"

"گھوڑے کا بھی نہیں چاہیے" سنان نے جلدی سے کہا "دراصل یہ ساتھ والے مکان میں— جہاں یہ مکان ہوا کرتا تھا میرا ایک مصور دوست پال رہا کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے آپ کو اس کے بارے میں کچھ علم ہو۔"

"پال— پال— آہا وہ داڑھی والا اور اس کی چپٹی سی ناک والی داشتہ؟"

"ہاں ہاں— بالکل"

"بیس فرانک"

"کیا مطلب"

"مطلب یہ کہ انہوں نے مجھ سے پورے بیس فرانک کا ادھار خریدا تھا اور پھر غائب! بہرحال مجھے شکایت نہیں کرنی چاہیے۔ اس عمارت کو عرصہ دراز سے غیر محفوظ قرار دے کر وہاں کے اصل مکینوں کو نکال دیا گیا تھا اور اب وہاں صرف قلاش مصور اور چند آوارہ گرد رہتے تھے۔ پرسوں صبح بلدیہ کے کارندے آدھمکے۔ ان بیچاروں کا چھوٹا موٹا سامان باہر پھینک دیا اور ایک ہی روز میں ساری عمارت کو مسمار کر دیا گیا۔ اب وہاں ایک سپر مارکیٹ بنے گی۔"

"اس کا مطلب ہے آپ کو پال کا اتہ پتہ معلوم نہیں؟"

"معلوم ہوتا تو اپنے بیس فرانک وصول نہ کر لیتا" دکان کے مالک نے فرج میں سے گھوڑے کا سر نکال کر اس کے ٹکڑے کرنے شروع کر دیے— "گھوڑے کا مغز بے حد لذیذ ہوتا ہے" اس نے سر ہلا کر بتایا "کبھی کھا کر دیکھئے"

"ہاں ضرور—" سنان کو یوں محسوس ہوا جیسے گھوڑے کے لمبے کان ابھی تک ہل رہے ہیں— ان میں جان ہو۔ وہ جلدی سے باہر آ گیا۔ گلی کے کونے پر ایک ٹیکسی کھڑی تھی "نہیں— ٹرام پر چلا جائے" اس نے فیصلہ کیا اور کلیسا سکرے کر کی جانب چل دیا جہاں ٹرام سٹیشن تھا۔ قہوہ خانہ پگال آیا تو سنان نے سوچا ہو سکتا ہے قہوہ خانے کے مالک کو پال کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ وہ اندر چلا گیا۔ چونکہ ابھی صبح کا وقت تھا اس لیے وہاں زیادہ لوگ نہ تھے۔ ایک کونے میں چند پریشان حال اشخاص بڑے زور شور سے کسی موضوع پر گرما گرم بحث کر رہے تھے۔ پال کی آواز ان سب میں سے بلند تھی۔

پال کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا— اس نے سنان کی طرف ایسے دیکھا جیسے پہچان نہ پایا ہو اور پھر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیلو میرے پاکستانی دوست— ادھر آجاؤ" اس نے داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پکارا۔

پال کے ساتھ اس کے مصور دوست براجمان تھے۔ ان میں سے کچھ تو کئی برسوں سے مونمارت میں مقیم تھے اور اس قہوہ خانے کے مستقل گاہکوں یا مستقل بیٹھنے والوں

میں سے تھے اور چند ایک نووارد تھے جو ان تجربہ کار بزرگوں کے ساتھ مصوری کی نئی قدروں کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ پال نے سب کا تعارف کروایا۔

"کیا پیو گے؟" اس نے تعارف کے بعد پوچھا اور پھر خود ہی ہنس کر کہنے لگا "ویسے ہم لوگ تو کچھ نہیں پی رہے۔"

میز پر خالی خولی بحث ہی ہو رہی تھی—— کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہاں بیٹھے تمام حضرات کی جیبیں خالی تھیں۔

"میں تو کافی پیوں گا——"

"کافی؟" پال کے اوسان خطا ہو گئے۔

"ہاں کافی—— مگر بل میں ادا کروں گا۔ آپ لوگ کیا پینا پسند کریں گے" سنان نے دعوت دی۔

وہاں بیٹھے ہوئے تمام حضرات سنان کے بے حد مشکور ہوئے اور اپنی اپنی پسند فوراً بتا دی—— کافی—— کوکا—— پرنو—— کونی آک وغیرہ وغیرہ۔

میرے خیال میں تو اگر سب کے لیے سرخ شراب کی ایک بوتل منگوالی جائے تو بہتر رہے گا—— صرف چار فرانک کی ہے۔ پال نے تجویز پیش کی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں" سنان کہنے لگا۔

باقی لوگوں نے بھی تائید کر دی۔

ایک نوجوان مصور سنان سے پیسے لے کر کاؤنٹر سے کافی کی ایک پیالی اور سرخ شراب کی بوتل خرید کر لے آیا—— بوتل دیکھ کر جیسے پوری محفل میں جان پڑ گئی ہو—— ہر ایک چہکنے لگا۔

"میں ابھی ابھی تمہارے مکان سے ہو کر آ رہا ہوں۔" سنان نے کافی کا گھونٹ بھرا" بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ جہاں کسی زمانے میں تمہارا مکان ہوا کرتا تھا۔"

"ہاں——" پال ہنسنے لگا "وہ تو دوسرے روز ہی مسمار کر دیا گیا تھا۔ اس روز میں سیکرے کر سیڑھیوں پر تین تصویریں فروخت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میری جیب

میں پورے پچیس فرانک تھے چنانچہ میں نے ان تمام حضرات کو——" اس نے مصوروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا"—— جو کہ میرے نہایت عزیز دوست ہیں اسی قہوہ خانے میں برانڈی پلوائی۔"

"تمہارا نام تو بدنام ہے" ایک لمبی ناک والے پستہ قد مصور نے اعتراض کیا "ورنہ یہ پال تو ایک گھونٹ ہمیں پلاتا ہے اور بقیہ شراب کی بوتل خود ختم کر جاتا ہے۔"

"بہرحال—— پال نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا" برانڈی ہمارے اندازے سے کچھ زیادہ ہی تیز نکلی اور ہم سب خاصے موڈ میں آ گئے—— اب کھانے کا مسئلہ درپیش تھا چنانچہ میں نے ان شرفا کو اپنے سٹوڈیو میں ڈبل روٹی اور پنیر کا مشہور طعام کھلانے کے لیے مدعو کر لیا——"

پال ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ باقی مصوروں نے بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا۔ ان کی ہنسی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پال کہتا چلا گیا "اب جو ہم رات کے دس بجے اس جگہ پہنچے ہیں جہاں میرا مکان واقع تھا—— " پال نے ہاتھ پھیلا کر خود بھی ہنسنا شروع کر دیا۔ "تو وہاں کچھ بھی نہ تھا—— کھنڈر!—— اور تمہیں معلوم ہے سنان کہ یہ سب لوگ اس کھنڈر کو دیکھ رہے ہیں اور زبان سے کچھ نہیں کہہ رہے کیونکہ ہر ایک کا یہی خیال تھا کہ اس نے آج شراب کچھ زیادہ ہی چڑھا رکھی ہے اس لیے مکان دکھائی نہیں دے رہا ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت وہاں ایک سہ منزلہ عمارت کھڑی تھی اور اب وہاں کچھ بھی نہ ہو۔"

"پھر تم نے کیا کیا؟" سنان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس ہم لوگ تقریباً دس منٹ بدھوؤں کی طرح اس کھنڈر کو تکتے رہے اور زبان سے کچھ نہ کہا۔ میں نے ہمت کر کے کہا کہ دوستو یا تو ہم غلط جگہ پر آ گئے ہیں اور یا پھر وہ کم بخت عمارت یہاں سے غائب ہو گئی—— ہمارے نشے کا اس میں قصور نہیں۔"

"وہ تمہاری بیوی کہاں تھی اس وقت؟"

"میری بیوی!—— ہاں لوئیس—— وہ تو اسی رات جب ہم کھانے کے لیے باہر گئے تھے تو مجھ سے جھگڑ کر چلی گئی تھی—— بل ادا کرنے کے بعد!—— ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہم وہاں بیوقوں کی طرح کھڑے تھے اور پھر اس گلی میں رہنے والی ایک بڑھیا نے ہمیں بتایا کہ آج صبح بلدیہ والے آئے تھے اور تمام سامان باہر پھینک کر عمارت ڈھا گئے ہیں—— کم بخت میرے رنگ کے ڈبے اور کینوس بھی اٹھا کر لے گئے۔"

"ہاں ان کی تفصیل مجھے گھوڑوں کے گوشت کی دکان سے معلوم ہو چکی ہے۔"

"گھوڑوں کے گوشت؟—— مالک نے تم سے اور کچھ تو نہیں کہا؟" پال نے گھبرا کر پوچھا۔

"بیس فرانک" سنان نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں دوں گا" پال نے انگلیاں نچائیں "کم بخت کہتا ہے کہ آئرلینڈ کے فربہ گھوڑوں کا گوشت ہے حالانکہ ہوتے وہ فرانس کے ہی ہیں۔ کھیتوں میں کام کرنے والے ناکارہ گھوڑوں کا گوشت!" اس نے منہ بنا لیا۔

"آج کل کہاں قیام ہے؟" سنان نے پوچھا۔

"قیام؟ دریائے سین کے پلوں کے نیچے! سیکرے کر کی سیڑھیوں پر! پگال پارک مونیک اور اس قسم کی لاتعداد شاندار جگہوں پر—— جہاں شام ہوتی ہے وہیں سو رہتا ہوں—— تمہیں معلوم ہے آج کل پیرس کے آسمان پر ستارے بے حد چمکیلے ہو گئے ہیں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو تم سناؤ پیرس پسند آیا؟"

"پسندیدگی تو نہایت عام سا جذبہ ہے——" سنان کو پاسکل کا خیال آگیا۔

"بہت خوب—— میری مانو تو یہ سیاحت وغیرہ کا چکر چھوڑو—— پیرس میں ہی رہ جاؤ اور مصوری شروع کر دو۔"

"برا خیال نہیں—— لیکن میں آج شام ہسپانیہ جا رہا ہوں"

"بارسلونا کا پکاسو میوزیم ضرور دیکھنا" لمبی ناک والے مصور نے لقمہ دیا۔

"پھر تو تمہیں ایک الوداعی دعوت دینی چاہیے——" پال نے سر کھجا کر کہا "مگر—— آج کل مالی حالات کچھ——"

"اس کی ضرورت نہیں! شکریہ!" سنان اس کے خلوص سے متاثر ہو کر کہنے لگا "میں آج سارا دن بے حد معروف ہوں—— میں تمہارے مکان —— جہاں تمہارا مکان تھا وہاں اس لیے گیا تھا کہ تمہیں خدا حافظ کہہ سکوں۔" اس نے کافی کا آخری گھونٹ بھرا اور اٹھ کھڑا ہوا "مجھے افسوس ہے اس سے پہلے ملاقات نہ ہو سکی۔"

پال اسے دروازے تک چھوڑنے آیا۔

"تم خوش قسمت ہو جو یہاں سے جا رہے ہو۔ پیرس ایک نشہ ہے۔ انسان اس کا عادی ہو جائے تو کہیں کا نہیں رہتا۔ میں نے بھی آئے دن کے فاقوں سے تنگ آ کر فیصلہ کیا ہے کہ مصوری چھوڑ کر بڑھئی وغیرہ کا کام سیکھ لوں اور نیوزی لینڈ میں جا کر مستقل رہائش اختیار کروں۔"

"نیوزی لینڈ؟" سنان چونکا "سنا ہے فضول قسم کی جگہ ہے" اسے وہم سا ہو گیا کہ وہاں پال کی ملاقات جینی سے ہو جائے گی اور اس بے چاری کا راز فاش ہو جائے گا۔

"تو پھر کینیڈا چلا جاؤں گا" پال نے لاپرواہی سے کہا۔

"عمدہ جگہ ہے——" سنان نے ہاتھ آگے کر دیا "اچھا دوست خدا حافظ"

"بون وائج—— سفر کے لیے نیک تمنائیں" پال نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا "اور ہاں اگر تم آج رات پیرس سے جا رہے ہو تو تمہارا کمرہ تو خالی ہو گا۔" اس نے رک کر پوچھا۔

"بالکل خالی ہو گا—— مگر پال تمہارے پاس تو کرایہ——"

"اس کی فکر نہیں۔ میڈم ڈی کو کرائے کا نعم البدل مل جائے گا" پال آنکھ میچ کر مسکرا دیا۔

○○○

سنان قہوہ خانے سے باہر نکلا اور تیزی سے سیکرے کر کی جانب چلنے لگا۔ ٹرام سٹیشن تک پہنچتے پہنچتے گیارہ بج گئے۔ سٹیشن کے ساتھ فٹ پاتھ پر ایک بوڑھا آدمی ایک گندے کپڑے پر چھوٹے چھوٹے مجسمے سجائے بیٹھا تھا۔

سنان کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔

مجسمے فنی اعتبار سے بے حد نفیس بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر مشہور اطالوی اور یونانی مجسموں کی نقل تھے—— داؤد۔ مریم اور عیسیٰ کے مذہبی مجسموں کے ساتھ ساتھ یونانی دیومالا کے کرداروں—— زوئیس اپالو ڈائنا وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے مجسمے بھی رکھے تھے۔

سنان کو سنگ مرمر کا بنا ہوا وینس کا ایک مجسمہ پسند آگیا۔ لمبائی چھ انچ کے قریب ہو گی۔

"پاسکل یقیناً اسے پسند کرے گی۔" اس نے سوچا اور پندرہ فرانک میں خرید لیا۔ بوڑھے نے ایک بھورے کاغذ میں مجسمہ لپیٹ کر اس کے حوالے دیا۔ اسی اثنا میں ٹرام بھی آگئی اور سنان اس میں سوار ہو گیا۔ پرسوں کے ناگوار تجربے کی وجہ سے وہ کہیں بیٹھنے کی بجائے دروازے میں ہی کھڑا ہو گیا۔

نیولی کے پل پر اترتے ہی اسے خنکی کا احساس ہوا۔ تھوڑی دیر قبل کا چمکتا ہوا سورج اوجھل ہو چکا تھا اور آسمان پر سرمئی بادل تیر رہے تھے۔ آج صبح موسم اتنا خوشگوار تھا کہ وہ برساتی کمرے میں ہی چھوڑ آیا تھا۔ اس نے مجسمہ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا اور دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈال کر تیزی سے پاسکل کے فلیٹ

کی جانب چلنا شروع کر دیا۔

مکان کے سامنے پہنچ کر اس نے آہنی دروازے کھولا اور باغیچے میں داخل ہو گیا۔ اس کی نظریں غیر ارادی طور پر دوسری منزل پر اٹھ گئیں۔ کھڑکی کے آگے پردہ تھا اور پاسکل وہاں نہ تھی۔ وہ سیڑھیاں طے کر کے فلیٹ کے دروازے تک آیا اور گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ گھنٹی بجنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ سنان کے کان قدموں کی چاپ پر لگے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے گھنٹی دوبارہ بجائی مگر اندر سے کوئی جواب نہ آیا—— سنان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھرنے لگے—— اس کے لیے یہ خیال ناقابل برداشت تھا کہ پاسکل فلیٹ میں موجود نہیں اور وہ روانگی سے قبل اس سے مل نہ پائے گا۔ اس نے گھبراہٹ میں لگاتار گھنٹی بجانا شروع کر دی۔ خاصی دیر بعد فلیٹ کے اندر قدموں کی آواز آئی اور پھر دروازہ کھل گیا—— سنان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی—— پاسکل اس کے سامنے ایک سرخ رنگ کے بڑے تولیے میں لپٹی لپٹائی منہ بنائے کھڑی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ تولیے کی گرہ پر مضبوطی سے جما تھا اور دوسرا دروازے کے ہینڈل پر تھا۔ پانی کی بوندیں اس کے چھوٹے چھوٹے بالوں میں سے رس رس کر دبیز تولیے میں جذب ہو رہی تھیں۔ بدن سے نچڑنے والے پانی سے قالین کا وہ حصہ بھیگ چکا تھا جہاں وہ کھڑی تھی۔ "میں نہا رہی تھی" اس نے تولیے کی گرہ پر رکھا ہاتھ فضا میں بلند کر کے غصے سے کہا۔

سنان خاموش کھڑا مسکراتا رہا۔

"اس میں اس طرح بیوقوفوں کی طرح مسکرانے کی کون سی بات ہے؟" اس نے تنک کر کہا۔ تولیہ کندھے سے ڈھلکنے لگا۔

"اچھی لگ رہی ہو" سنان نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"میں صبح نو بجے سے اچھی لگ رہی ہوں" اس نے بے دھیانی میں کلائی کی طرف دیکھا جہاں گھڑی کے سٹریپ کا ہلکا سا نشان تھا۔

"اگر وقت دیکھنا ہے تو——" سنان نے اپنا بایاں ہاتھ آگے کر دیا" میری گھڑی

دیکھ لو—— بارہ بج رہے ہیں۔"

"بارہ—— " پاسکل نے غصے سے سر ہلایا۔ سر جھٹکنے سے اس کے بالوں میں چمکتے ہوئے پانی کے قطرے سنان کے چہرے پر پڑے "ہوں—— پھر؟"

"پھر کیا؟" سنان نے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں اڑس کر لاپرواہی سے پوچھا۔

"اوہو" پاسکل نے اپنے لب سختی سے بھینچ کر کہا "آخر تم تین گھنٹے دیر سے کیوں آئے ہو؟"

"اوہ—— " سنان نے ہتھیلی منہ پر جما کر بڑے اطمینان سے کہا "اتنی ذرا سی بات پر——"

"ذرا سی بات؟" پاسکل کی نیلی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اس نے مٹھیاں بھینچ کر دونوں ہاتھ زور سے جھٹکے——

"تم نے اگر ایک مرتبہ پھر اسی طرح زور سے ہاتھ جھٹکے تو تولیے کی گرہ کھل جائے گی اور——"

پاسکل نے جلدی سے دونوں ہاتھ تولیے پر جما دیے اور سر اٹھا کر سنان کی جانب دیکھا—— سنان کو محسوس ہوا کہ اس کی نیلی آنکھیں بھیگ رہی تھیں مگر ان میں پانی کے قطرے نہ تھے۔

"بس یونہی دیر ہو گئی پاسکل—— رات دیر سے سونے کی وجہ سے——"

"میں نے تمہیں پورے ساڑھے نو بجے تمہارے مکان کے سامنے اتارا تھا—— دیر سے کیسے سوئے؟" پاسکل نے اسے شک بھری نظروں سے دیکھا۔

"بس سو نہیں سکا" سنان کے ذہن میں پچھلی شب کا بھیانک خواب گھومنے لگا"

"اور پھر آج صبح میں اپنے ایک مصور دوست پال سے ملنے چلا گیا—— میں نے سوچا—— وہ کہتے کہتے رک گیا کہ میں نے سوچا اسے پیرس چھوڑنے سے پہلے آخری بار مل لوں لیکن وہ ابھی پاسکل کو اپنی روانگی کے بارے میں نہیں بتانا چاہتا تھا۔

"اور میں—— " پاسکل کے لہجے میں شکایت تھی "صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک اپنی کھڑکی میں بیٹھی تمہارا انتظار کرتی رہی—— تم نہ آئے تو میرا دل گھبرانے لگا—— چنانچہ صرف وقت گزارنے کے لئے میں نے——" اس نے تولیے کا ایک کونہ نچوڑتے ہوئے کہا—— "ویسے غسل خانے میں جانے سے پہلے میں نے دروازے کی چٹخنی کھول دی تھی لگاتار گھنٹی بجانے کی بجائے اگر تم ذرا سی عقل استعمال کرتے اور دروازے کو دھکیلتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ بند نہیں"

"اور اگر تم ذرا سی عقل استعمال کرو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ پچھلے پانچ منٹ سے میں باہر راہداری میں کھڑا اکڑ رہا ہوں اور تم ٹھاٹھ سے وہاں قالین پر تولیے میں لپٹی کھڑی ہو مجھے اندر بلانے کا ارادہ نہیں کیا؟"

"اوہ" وہ بے دھیانی میں گرہ پر جما ہاتھ ہونٹوں تک لے گئی۔ تولیہ کندھے سے ڈھلکنے لگا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے پھر تھام لیا "اندر آجاؤ نا!"

"شکریہ" سنان نے جھک کر کہا اور فلیٹ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔

"خالہ نہیں ہیں" پاسکل نے شاید اس کی بے چینی بھانپ لی تھی۔

"بہت خوب" اس نے تسلی سے ہاتھ ملے۔

"آؤ" پاسکل اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

کمرہ بالکل تاریک تھا۔ پاسکل نے آگے بڑھ کر کھڑکی سے پردہ ہٹا دیا۔ پورے کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

"میں کپڑے پہن لوں؟" پاسکل نے سنان کے قریب آ کر سر ہلا کر بڑی معصومیت میں پوچھا۔

"نہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔ یونہی باہر چلے چلتے ہیں البتہ تولیے کی گرہ کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔

"پلیز سنان" پاسکل اس کے قریب آ گئی اور گردن میں باہیں ڈال دیں "تنگ نہ

کرو" اس نے اپنا چہرہ سنان کے کوٹ میں چھپا لیا "تنگ کرو گے تو رو دوں گی۔"

پاسکل نے آہستہ سے اپنی ٹھنڈی ناک اس کے سینے پر رگڑی ــــ

"پاسکل ذرا میری سفید ٹائی کو اپنے لبوں سے بچانا۔"

"کیوں؟" اس نے سر اٹھا لیا۔

"سفید ٹائی پر سرخ لپ سٹک نہایت آسانی سے لگ جاتی ہے۔"

"بہت خوب ــــ میں نے کہا تھا نا ذرا سی عقل ــــ بھئی نہا کر آ رہی ہوں ــــ لپ سٹک تو دھل چکی ــــ"

سنان شرمندہ ہو گیا۔

"میں تھوڑی دیر تک اسی طرح کھڑا رہا تو میری سردی دور ہو جائے گی۔" اس نے کوٹ کا بٹن کھول کر اپنے ہاتھ اندر رکھ لیے۔ اس کے بھیگے ہوئے بال سنان کے لبوں کو چھو رہے تھے اور تولیے کی نمی کوٹ میں منتقل ہو رہی تھی۔

"اور اگر میں تھوڑی دیر اسی طرح کھڑا رہا تو مجھے نمونیہ ہو جائے گا" سنان نے اس کے بالوں میں پھونک مار کر کہا۔

"یہ جیب میں کیا لیے پھر رہے ہو؟" پاسکل نے اس کی اندرونی جیب ٹٹولی۔

"ارے! میں تو بھول ہی گیا تھا" سنان نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ کر اسے علیحدہ کیا اور پھر جیب میں سے بھورے کاغذ میں لپٹا ہوا مجسمہ نکال کر میز پر رکھ دیا "تمہارے لیے"

پاسکل نے وہیں کھڑے کھڑے کاغذ میں لپٹے مجسمے کی جانب دیکھا اور پھر اپنی نیلی آنکھیں کھول کر بولی "اس میں ہے کیا؟"

"خود ہی دیکھ لو" سنان نے ہاتھ آگے کر دیا۔

پاسکل آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی میز تک آئی۔ وہاں کھڑے ہو کر کچھ دیر مجسمے کو گھورا جیسے وہ کاغذ میں لپٹی اس نامعلوم شے سے خوفزدہ ہو اور پھر اسے اٹھا کر کاغذ کھول دیا۔

"وینس ڈی میلو" اس کا چہرہ مسرت سے دمکنے لگا۔

"تمہیں یہ مجسمہ پسند ہے؟"

پاسکل نے جواب میں بچوں کی طرح بار بار سر ہلایا اور مجسمے کو کتابوں کے شیلف کے اوپر رکھ دیا "شکریہ سنان"

سنان نے ہاتھ اوپر کر کے کندھے سکیڑ دیے۔

"حسن کی دیوی وینس غسل کے بعد سمندر سے نکلتی ہوئی ــــ چھوٹے چھوٹے نم آلود بال ــــ متناسب جسم پر سے ڈھلکتا ہوا لبادہ ــــ" سنان نے اپنی نظریں پاسکل پر جما دیں۔

"ہاں سنگ مرمر کا یہ مجسمہ بے حد خوبصورت ہے" پاسکل نے اپنی نازک انگلیاں مجسمے کے خدوخال پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں مجسمے کی نہیں بلکہ تمہاری بات کر رہا ہوں پاسکل ــــ" سنان نے مسکرا کر کہا۔ پاسکل کے چہرے پر حیا کی سرخی کھیلنے لگی۔ ایک یورپی لڑکی کے لیے قابل شرم بات مگر ایک مشرقی لڑکی کی سب سے بڑی خوبی۔

"اچھا اب تو کچھ پہن لوں؟" اس نے سنان کے بازو پکڑتے ہوئے کہا "تم آج میرے لباس کا انتخاب کرو گے"

پاسکل نے آگے بڑھ کر اپنی کپڑوں والی الماری کے پٹ کھول دیے۔ الماری میں درجنوں خوبصورت لباس لٹک رہے تھے۔ ہر لباس ڈیزائن اور کاٹ کے لحاظ سے یکتا تھا۔ یورپ میں لڑکیوں کی اکثریت ڈیپارٹمنٹل سٹورز سے اپنے ملبوسات خریدتی ہے۔ ان سٹورز میں ایک ہی رنگ اور ڈیزائن کے لاکھوں لباس بک جاتے ہیں۔ اکثر اوقات کسی سینما ہال یا محفل میں متعدد لڑکیاں ایک ہی رنگ اور وضع قطع کا لباس پہن کر آجاتی ہیں اور ایک لڑکی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ہتک ہو سکتی ہے کہ کسی دوسری لڑکی نے بھی بعینہ اس جیسا لباس پہن رکھا ہو۔ اس ناخوشگوار صورت حال سے نمٹنے کے لیے نفیس ذوق رکھنے والی لڑکیاں یا تو چھوٹی چھوٹی فیشن کی دکانوں سے مہنگے

اور وضع قطع کے لحاظ سے منفرد لباس خریدتی ہیں اور یا پھر خود گھر پر بنا لیتی ہیں۔

"یہ تمام لباس میں نے خود ڈیزائن کیے ہیں اور خالہ کی ایک سہیلی نے سی کر دیے ہیں" پاسکل نے اس کے کندھے پر سے جھانکتے ہوئے کہا۔

الماری کے اوپر والے خانے میں درجنوں سکارف اور چند خوبصورت زنانہ ہیٹ پڑے تھے۔

"میرا خیال ہے آج تم یہ بڑا سارا ہیٹ پہن لو۔"

"اور اس کے ساتھ کون سا لباس؟" پاسکل نے معصومیت سے پوچھا۔

"بس صرف ایک ہیٹ!"

پاسکل نے پیچھے سے اس کی کمر میں زور سے انگلیاں گھسیڑ دیں "کیا فضول باتیں کرتے ہو۔"

الماری میں کل والا سفید رنگ کا کیچڑ سے اٹا ہوا لباس بھی ٹنگا تھا۔ زرد گلاب کا مرجھایا ہوا پھول ابھی تک کالر پر لگا تھا۔

"بڑے بڑے کالروں والا یہ ہلکا زرد لباس کیسا رہے گا؟" سنان نے ایک ہینگر باہر نکال کر پاسکل کو دکھایا۔

"بالکل ٹھیک رہے گا" اس نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔

"—— اور اس کے اوپر وہ سرخ کوٹ پہن لو۔"

"سرخ کوٹ؟"

"ہاں ہاں وہی سرخ کوٹ جو تم نے اس شب سٹیمر پر پہن رکھا تھا!"

"وہ سرخ کوٹ تو مجھے بھی بے حد پسند ہے۔ میں اسے اتنی کثرت سے پہنتی ہوں کہ میری کئی سہیلیاں یہ سمجھتی ہیں کہ میرے پاس صرف وہی ایک کوٹ ہے حالانکہ میرے پاس تو انگورہ اون کا——"

"انگورہ اون والا کوٹ نہیں چاہیے۔ صرف سرخ کوٹ" سنان نے فیصلہ سنا دیا۔

"پہن لوں گی—— اگر ہم باہر گئے تو!"

"ہم باہر ضرور جا رہے ہیں کیونکہ میں آج ہر صورت لوور کا عجائب گھر دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ——" سنان ایک دم رک گیا اور پھر کہنے لگا "کیونکہ—— بھئی اگر ہم نے باہر نہیں جانا تو لباس کے معاملے میں اتنی لمبی چوڑی جانچ پڑتال کس لیے ہو رہی تھی؟—— ایک اچھا لباس تو صرف اس لیے پہنا جاتا ہے کہ انسان باہر جائے اور دوسرے لوگ——"

"ایک اچھا لباس صرف اس لیے پہنا جاتا ہے کہ انسان اسے پہن کر اچھا محسوس کرے۔ اچھا لگے—— کسی دوسرے انسان کو—— ضروری نہیں کہ باہر جا کر اس کی نمائش ہی کی جائے" پاسکل نے سنان سے زرد لباس والا ہینگر لیا اور ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔

سنان کتابوں کے شیلف کے پاس جا کھڑا ہوا۔ یوں لگتا تھا جیسے وینس کا مجسمہ اس شیلف پر رکھنے کے لیے ہی بنایا گیا ہو۔ بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر کتابوں پر ڈالی اور پھر جھک کر شیلف کے نیچے جھانکا۔ بیساکھیاں وہاں نہیں تھیں۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" اس لمحے پاسکل کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ زرد لباس پہنے ہوئے تھی اور اس کے بالوں میں بالکل ننھے منے بچوں کی طرح ایک زرد رنگ کا ربن بھی بندھا ہوا تھا۔

"کچھ نہیں——" سنان ایک دم سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"اگر تمہیں بیساکھیوں کی تلاش ہے تو وہ وہاں نہیں ہیں۔ میں نے انہیں فالتو چیزوں کے سٹور میں پھینک دیا ہے——"

سنان خاموش کھڑا رہا۔

"کیسی لگتی ہوں؟" وہ پنجوں کے بل گھوم گئی۔ اس کا زرد لباس لحظہ بھر کے لیے کمر تک اٹھ آیا اور پھر آہستگی سے گر کر اس کی ٹانگوں کے گرد لپٹ گیا۔

"تم کبھی بھی بری نہیں لگیں!"

"اور ہاں——" وہ چلتی ہوئی الماری کے پاس آ گئی اور سفید لباس پر لگا ہوا زرد

گلاب اتار کر اپنے کالر پر لگا لیا "اس زرد لباس کے ساتھ میچ کرتا ہے۔"

"پھر کیا ہوا؟ اس کی خوشبو تو ابھی تک برقرار ہے نا؟" اس نے سر جھکایا اور پھول کو سونگھنے کی بجائے اس پر اپنے لب جما دیے "اور یہ خوشبو ہمیشہ رہے گی۔"

سنان کہتا کہتا رہ گیا کہ پاسکل میں تمہیں کل ایک اور پھول لا دوں گا۔

لیکن اسے تو آج رات کی گاڑی سے ہسپانیہ چلے جانا تھا۔

پاسکل نے سر اٹھا کر بڑے پیار سے پھول کی بکھری ہوئی پتیوں کو درست کیا اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر لپ سٹک لگانے لگی۔

"بے حد ہلکی لپ سٹک لگا رہی ہوں تاکہ تمہاری سفید ٹائی پر اس کے نشان نہ پڑ جائیں" اس نے مڑ کر سنان کی طرف دیکھا۔ پاسکل کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

سنان کا دل اسے ملامت کرنے لگا۔ وہ اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہا تھا۔ اس ہنستی کھیلتی اور زندگی سے بھرپور لڑکی کو یوں چھوڑ کر چلے جانا جرم ہی تو تھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

"منہ بنائے کیوں کھڑے ہو؟" پاسکل میک اپ سے فارغ ہو کر اس کے پاس چلی آئی۔

"کون منہ بنائے کھڑا ہے؟" سنان نے مسکرانے کی کوشش کی اور اپنے پیچھے مڑ کر ایسے دیکھا جیسے پاسکل نے اس کے سینے پر انگلی رکھ دی اور پھر اس کی نظریں پلنگ کے ساتھ دیوار پر اٹھ گئیں "جھمکے بھی پہن لوں؟"

"ہاں ضرور"

پاسکل نے فوراً جوتے اتارے اور پلنگ پر چڑھ کر تصویروں کے اوپر لٹکتے ہوئے جھمکے اتار لیے۔ سنان نے ہاتھ آگے کیا اور وہ سہارا لے کر نیچے اتر آئی۔

"آج بھی تم ہی پہنا دو" اس نے جھمکے سنان کے آگے کر دیے اور آنکھیں بند کر کے کھڑی ہو گئی۔

سنان نے پاسکل کا یہ روپ دیکھا تو بے حد اداس ہو گیا۔ کتنی معصومیت تھی اس کے چہرے پر۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے جھمکے اس کے کانوں میں ڈال دیے۔ پاسکل نے آنکھیں کھول دیں اور دونوں ہتھیلیاں کانوں پر رکھ کر مسکرا دی۔

"جھم۔۔۔۔کے" اس نے آہستہ سے کہا۔

"پاسکل چلو باہر چلتے ہیں" سنان نے منہ پھیر لیا "یہاں میرا جی گھبراتا ہے۔"

"تم اس کرسی پر بیٹھو" پاسکل نے کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ابھی تھوڑی دیر بعد چلے جائیں گے۔۔۔۔ آج جانے کیوں میرا دل باہر جانے کو نہیں چاہ رہا۔"

سنان کرسی پر بیٹھ گیا۔۔۔۔ اس نے پلنگ کے ساتھ دیوار کی طرف دیکھا جس پر پاسکل کی پسندیدہ تصاویر بڑی نفاست سے آویزاں تھیں۔ رقص کے بے شمار انداز۔۔۔۔ ان میں روسی بیلے رینا اولانووا کی تصویر سب سے نمایاں تھی۔۔۔۔ سفید لباس میں ملبوس پروقار بیلے رینا ایک خوبصورت راج ہنس کی مانند کھڑی تھی۔۔۔۔ سنان کے ذہن میں ایک مرتبہ پھر پچھلی رات کے خواب کی پرچھائیاں ابھرنے لگیں۔

اس نے تصویر پر سے نظریں ہٹالیں۔۔۔۔ یکدم اسے خیال آیا کہ اس دیوار پر اسی تصویر کے ساتھ اس روز دنیا کا ایک نقشہ بھی تو ٹنگا ہوا تھا۔

"پاسکل" اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

"کیا ہے سنان؟" پاسکل اس کے قریب پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"میں پہلے روز جب تمہارے کمرے میں آیا تھا تو بیلے رینا کی تصویر کے ساتھ دنیا کا ایک نقشہ بھی آویزاں تھا۔"

"میں نے وہ نقشہ جلا دیا ہے۔"

"کیوں سنان؟" سنان نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔"

"تم اس روز نقشے پر مجھے اپنے واپسی سفر کا راستہ بتا رہے تھے۔ اس کے بعد میں

جب بھی رات کو اپنے پلنگ پر لیٹتی تو میری نظریں بے اختیار نقشے پر اٹھ جاتیں۔ غرناطہ، استنبول، تہران میرے لیے شہر نہ رہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے سنپولیے بن گئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھے ڈس لیں گے۔ آج صبح میں نے نقشے کو دیوار سے اتار کر جلا دیا—— اپنے دشمن کو۔ اسے میرا پاگل پن کہہ لو مگر مجھے وہ نقشہ جلا کر بے حد تسکین ہوئی—— مجھے یوں لگا جیسے میں نے دنیا بھر کے نقشے جلا دیے ہوں اور ان کے جلنے سے—— ان کے جلنے سے سنان تم—— تم کہیں بھی نہ جا سکو گے۔ نقشے نہ ہوں گے تو سیاح سفر کیسے کرے گا؟ راستے کیسے ڈھونڈے گا—— پیرس سے پرے کچھ بھی نہیں—— تمام راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔"

"پاسکل میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ضرور باہر چلنا چاہیے" سنان کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پاسکل کی ان باتوں سے جرم کا احساس تقویت پکڑتا جا رہا تھا۔

"باہر؟" پاسکل نے چونک کر کہا۔

"ہاں! کہیں لوور کا عجائب گھر بند نہ ہو جائے اور میں آج——"

"کل چلے جائیں گے سنان" پاسکل نے التجا کی۔

"نہیں" سنان نے تیزی سے کہا۔

"ناراض کیوں ہوتے ہو؟" پاسکل نے دکھ سے کہا "آج ہی چلے جائیں گے۔"

سنان نے جیب سے سگرٹ نکال کر سلگا لیا اور خاموشی سے پینے لگا۔

"ٹھیک ہے آج لوور کا عجائب گھر دیکھیں گے اور پھر کل ہم پیرس سے باہر وار سیلز کے محلات دیکھنے چلیں گے۔ ہوں؟" پاسکل پلنگ سے اٹھ بیٹھی۔

"ہاں آج ہم لوور کا عجائب گھر دیکھنے جائیں گے لیکن کل—— تم نے خود ہی تو کہا تھا میں کل کے بارے میں نہیں سوچا کرتی۔"

"ہاں کہا تھا مگر وہ پرانے زمانوں کی بات ہے۔ تمہارے آنے سے جہاں مجھے ڈھیروں خوشیاں ملی ہیں وہاں مجھ میں کل کے بارے میں سوچنے کی حس بھی جاگ اٹھی ہے۔ میں اب کل کے بارے میں سوچنا چاہتی ہوں سنان!"

سنان کا جی چاہا کہ وہ اسے ابھی اور اسی وقت اپنی روانگی کے بارے میں بتا دے مگر وہ خاموشی سے سگرٹ پیتا رہا۔

"سنان کیا بات ہے آج تم کھوئے کھوئے سے ہو۔"

"نہیں تو" سنان نے جلدی سے کہا۔

"تم نے جب سے اس فلیٹ میں قدم رکھا ہے ایک بات بھی اپنے طور پر نہیں کی۔ میں ہی بولتی جا رہی ہوں۔"

"بولنا عورت کا پیدائشی حق ہے بولتی ہوئی عورت کی باتیں سننا مرد کی پیدائشی بدقسمتی!" سنان نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"میں اتنی باتونی بھی نہیں ہوں۔" پاسکل نے مصنوعی ناراضگی کا اظہار کیا اور پھر یکدم کہنے لگی "اوہو میں آج بھی اچھی میزبان ثابت نہیں ہوئی تمہیں کافی وغیرہ کا تو پوچھا ہی نہیں۔ آج کچھ کھا کر آئے تھے یا اس روز کی طرح ناشتہ کیے بغیر ہی منہ اٹھا کر چلے آئے ہو؟"

"میں ناشتہ کر چکا ہوں۔"

"تو پھر صرف کافی بنا لاتی ہوں" سنان کے کچھ کہنے سے قبل ہی پاسکل کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

آج کھڑکی سے باہر سورج نہیں چمک رہا تھا۔ بادل چھا جانے سے یوں گمان ہوتا تھا جیسے شام ہو رہی ہو۔ فٹ پاتھ بالکل سنسان پڑا تھا اور ہوا کی غیر موجودگی میں شاہ بلوط کے پتے بالکل ساکن تھے۔ پتوں کا رنگ گہرے سبز سے بھورے رنگ میں بدل رہا تھا۔ خزاں کی آمد آمد تھی۔

تھوڑی دیر میں پاسکل کافی بنا کر لے آئی۔ ٹرے میں صرف ایک ہی پیالی تھی۔ سنان نے والیہ نظروں سے پاسکل کی جانب دیکھا۔

"بڑی مشکل سے ایک پیالی کے لیے کافی ملی ہے مجھے معلوم نہ تھا کہ کافی کا ڈبہ خالی ہو چکا ہے—— مجھے یاد دلانا آج بازار سے اور لے آئیں گے—— کل کے لیے!"

اس نے پیالی سنان کے آگے رکھ دی۔

"تم کیوں نہیں پی لیتیں میں تو ابھی ابھی ناشتہ کر کے آ رہا ہوں!"

"میں صرف ایک گھونٹ لوں گی" پاسکل نے پیالی لبوں سے لگا کر ایک چسکی لی اور سنان کے آگے کھسکا دی "باقی تم پی لو۔۔۔"

کافی ختم کرنے کے بعد سنان کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا "پاسکل۔۔۔"

"ہاں ہاں چلتے ہیں" اس نے بے دلی سے کہا اور پھر الماری میں سے سرخ کوٹ نکال کر اپنے بازو پر ڈال لیا "پلیز ذرا کھڑکی کے آگے پردہ کر دو"

سنان نے پردے کھینچ دیے۔۔۔ شیلف پر پڑا وینس کا مجسمہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

OOO

وہ دونوں فلیٹ سے باہر نکلے تو آسمان پر بادل گھنے ہو چکے تھے اور اب ہوا بھی چل رہی تھی۔ پاسکل نے سرخ کوٹ پہن لیا۔

"تم آج اپنی برساتی کیوں نہیں لائے؟" اس نے سنان کا بازو تھام کر چلنا شروع کر دیا۔

"آج صبح تو سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ میں نے سوچا اتنے خوشگوار موسم میں بارش تو ہو نہیں سکتی خواہ مخواہ برساتی ساتھ لیے پھرنے سے فائدہ۔۔۔ اور اب چمکتی دھوپ کی جگہ ہر سو تاریکی چھا رہی ہے"

"ہاں پیرس میں موسم پل بھر بدل جاتا ہے۔"

نیولی کے پل کے پاس آ کر انہوں نے ایک ٹیکسی روک لی۔

"کنکورد کے چوک میں چلو" پاسکل نے ڈرائیور سے فرانسیسی میں کہا۔

"نہیں۔۔۔" سنان کہنے لگا "اسے کہو کہ ہمیں فتح کی محراب کے پاس اتار دے وہاں کسی ریستوران میں دوپہر کا کھانا کھائیں گے اور پھر شانز پر سیر کرتے ہوئے لوور چلے جائیں گے۔"

"آرک ڈی ٹرائمف" پاسکل نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔ اس نے جواب میں کندھے سکیڑے اور ٹیکسی سٹارٹ کر دی۔

آج فتح کی محراب کے گول چکر کے گرد کاروں کی تعداد بھی کم تھی اور شانز کے فٹ پاتھ پر بھی زیادہ رونق نہ تھی۔ شاید یہ خنکی کا اثر تھا۔ فرانسیسی لوگوں کا موڈ موسم پر منحصر ہوتا ہے ۔چمکتی دھوپ میں تو وہ خوش مزاج ہو جاتے ہیں اور جس وقت

سورج کی روشنی نظر نہ آئے تو ان کے چہرے لٹک جاتے ہیں۔

ٹیکسی ڈرائیور نے انہیں محراب کے ادھر ایونیو فاک کے آخیر میں اتار دیا۔ فٹ پاتھ کے ساتھ ہی ایک چینی ریستوران کا بورڈ آویزاں تھا۔۔۔۔ نیم تاریکی میں روشن چینی حروف بے حد بھلے لگ رہے تھے۔

"کیوں نہ یہیں کھانا کھا لیا جائے؟" سنان نے تجویز پیش کی "میں تو چاولوں کے لیے ترس گیا ہوں۔ چینی ریستوراں میں چاول بھی تو ملتے ہیں۔"

"یہ ریستوران چینی نہیں بلکہ ویت نامی ہے" پاسکل نے بتایا۔

"ایک ہی بات ہے چپٹے ناک والی تمام قومیں چاول کھاتی ہیں۔" سنان نے پاسکل کا ہاتھ پکڑا اور وہ دونوں ریستوران کا دروازہ کھول کر اندر چلے گئے۔

ریستوران کا ماحول سراسر چینی یا ویت نامی تھا۔ ایک چھوٹے سے نیم تاریک کمرے میں بانس کی بنی ہوئی چند کرسیاں اور پستہ قد میزیں نفاست سے سجی تھیں۔ چھت سے ایک منقش لالٹین لٹک رہی تھی جس سے پھوٹنے والی ہلکی سرخ روشنی کی وجہ سے کمرہ بے حد پراسرار لگ رہا تھا۔ ریستوران بالکل خالی تھا۔ جب ان کی آنکھیں اس نیم تاریکی کی عادی ہو گئیں تو وہ دونوں ایک کونے میں بیٹھ گئے۔

"یہاں تو ویٹر بھی نظر نہیں آ رہا" سنان نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی صرف ایک بجا ہے اور فرانسیسی اپنے دوپہر کے کھانے کا آغاز دو اڑھائی بجے سے پہلے نہیں کرتے۔ شاید اسی لیے ویٹر کہیں اندر بیٹھا آرام کر رہا ہو گا" یہ کہتے ہوئے پاسکل نے میز پر پڑی ایش ٹرے اٹھا کر میز پر کھنکھٹائی۔۔۔۔ تھوڑی دیر بعد ایک تاریک کونے میں سے ایک نہایت خوش شکل چپٹی ناک والی لڑکی ہاتھ میں مینو لیے برآمد ہوئی۔ اس نے چست قسم کا ریشمی لباس زیب تن کیا ہوا تھا جس پر اژدھوں اور رنگ برنگے پھولوں کی تصویریں کاڑھی ہوئی تھیں۔ لباس کی کاٹ دونوں طرف سے کولہوں تک چلی گئی تھی۔ اس نے قریب آ کر مینو میز پر رکھ دیا اور مسکرانے لگی۔ اس کے اگلے دو دانتوں پر سونے کی پتری چڑھی ہوئی تھی۔

"پاسکل تم آرڈر دے دو۔۔۔۔ مجھے نہ تو ویت نامی میں شدھ بدھ ہے اور فرانسیسی میں بھی کورا ہوں"

پاسکل نے مینو کا بغور مطالعہ کیا اور پھر ویٹرس کو آرڈر لکھوا دیا۔ وہ اپنی طلائی مسکراہٹ کی سنہری کرنیں بکھیرتی واپس اسی تاریک کونے میں غائب ہو گئی۔

"میں نے تمہارے لیے بھورے چاول اور سویابین تیل میں پکی ہوئی مچھلی منگائی ہے"

"اور اپنے لیے"

"مجھے زیادہ بھوک نہیں۔۔۔۔" پاسکل نے اپنی کہنیاں میز پر رکھ دیں "میں تمہاری ڈش میں سے تھوڑا سا چکھ لوں گی۔"

سنان کے ذہن پر ایک بوجھ سا تھا۔ وہ یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ پاسکل کو اپنی روانگی کے بارے میں کب اور کیسے بتائے۔

"کوئی بات کرو سنان" پاسکل نے اس کا بازو چھوتے ہوئے کہا "کہیں تم میری رفاقت سے اکتا تو نہیں گئے؟"

"نہیں ایسا تو نہیں" سنان نے اس کا ہاتھ تھام لیا "ایسا بالکل نہیں"

"تو پھر آج تم اتنے بجھے بجھے سے کیوں ہو؟"

"کوئی خاص بات تو نہیں۔۔۔۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے"

"لوور کا عجائب گھر دیکھنے کے بعد ہم کہاں جائیں گے؟"

"جہاں تم چاہو!"

"دریائے سین کے کنارے۔۔۔۔" پاسکل نے خوش ہو کر کہا "جہاں میں کئی برس پیشتر ہر شام اکیلی گھوما کرتی تھی۔۔۔۔ کلیسا نوٹرڈیم کے سائے میں اسی بنچ پر بیٹھیں گے لیکن آج میں نوٹرڈیم کے کبڑے کے بارے میں باتیں نہیں کروں گی۔ وہ دور تو بیت چکا۔ تمہارے آنے سے۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے" سنان نے جلدی سے کہا۔

اتنی دیر میں ویٹرس کھانا لے آئی۔

کھانے سے فارغ ہو کر جب وہ باہر نکلے تو ایونیوفاک کے درخت صاف شفاف پانی میں نہائے کھڑے تھے۔ فٹ پاتھ بھی دھل کر صاف ہو چکا تھا۔ بادل چھٹ چکے تھے اور دھوپ کی چمک سے آنکھیں چندھیائی جاتی تھیں۔

"پیرس کے موسم کا تغیر" پاسکل ہنس دی اور اس کا بازو تھام لیا "یہاں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ صبح تیز دھوپ پھر گھنے بادل اور پھر یکلخت تیز بارش کے بعد مطلع صاف ہوجاتا ہے۔ شکر ہے ہم بارش کے دوران میں ریستوران میں بیٹھے تھے ورنہ برساتی کے بغیر تم بالکل بھیگ جاتے۔"

وہ گول چکر پار کر کے فتح کی محراب کے پاس آ گئے۔ محراب کے عین نیچے ایک غیر معروف سپاہی کی قبر پر ابدی شعلہ روشن تھا۔ وطن کی خاطر جان دینے والے ان گنت سپاہیوں کو اہل فرانس کا روشن اور ابدی خراج تحسین——

"سنان لفٹ کے ذریعے محراب کی چھت پر چلتے ہیں—— وہاں سے پورا پیرس نظر آتا ہے" پاسکل نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے" سنان نے سر ہلا دیا۔

"آج تو تم میری ہر بات مان رہے ہو!" پاسکل نے اس کو بازو سے پکڑ کر بھینچتے ہوئے کہا۔

"ہاں آج—— سنان نے اداس ہو کر کہا۔ اس نے ٹکٹ کی کھڑکی سے دو ٹکٹ خریدے اور چھت تک جانے والی لفٹ میں سوار ہو گئے۔

محراب سنان کے اندازے سے کہیں زیادہ بلند نکلی۔ چھت پر تو ایک وسیع میدان کا گمان ہو رہا تھا۔ اس نے چار دیواری کو مضبوطی سے تھاما اور نیچے جھانکا۔ محراب کے سینے میں سے نکلتی ہوئی متعدد سڑکوں پر رینگتی ہوئی کاریں کھلونوں کی مانند لگ رہی تھی دائیں ہاتھ پر عمارتوں سے پرے آئفل ٹاور کا زنگ آلود پنجر آسمان سے باتیں کر رہا تھا—— سامنے شانزے لیزے کے آخیر میں کنکورڈ چوک کے مجسمے اور یادگاریں سر

اٹھائے کھڑی تھیں۔ ان سے پرے لوور کی عمارت دکھائی دے رہی تھی—— اور پھر بائیں ہاتھ پر پیرس کے قدیم مکانوں کے گھنے جنگل میں سیکرے کر کے سفید گنبد چمک رہے تھے۔

"اہل پیرس کو اپنے شہر پر بجا طور پر فخر ہے" اس نے مڑ کر پاسکل سے کہا—— لیکن پاسکل وہاں نہ تھی۔ اس نے گھبراہٹ میں ادھر ادھر دیکھا۔ وہ چھت کے دوسرے سرے پر حفاظتی دیوار پر جھکی نیچے جھانک رہی تھی۔ خطرناک حد تک آگے جھکی ہوئی۔ سنان کی نظروں میں پچھلی شب کے خواب کے پرتو جھلکنے لگے۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ابھی سینکڑوں فٹ نیچے گر جائے گی۔ سنان تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

"پاسکل!" سنان نے اس کے سرخ کوٹ کا کالر سختی سے پکڑتے ہوئے کہا "پیچھے ہٹ جاؤ"

پاسکل نے مڑ کر دیکھا" سنان میں تو——"

"تم یہاں سے نیچے گر جاؤ گی—— تم مرجاؤ گی پاسکل" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور کالر کو زور سے پیچھے کھینچا۔

"تمہیں کیا ہوگیا ہے سنان" اس نے اپنا کالر اس کی مضبوط گرفت سے چھڑانے کی ناکام کوشش کی "میرا دم گھٹ رہا ہے سنان۔ پلیز میرا کالر چھوڑ دو" سنان نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی "بس تم مت جھانکو—— مجھے ڈر لگتا ہے" پاسکل جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے چہرے پر خوف اور حیرت کے ملے جلے آثار تھے۔

"آؤ نیچے چلیں" سنان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر سہارا دینے کی کوشش کی۔

"میں خود چل سکتی ہوں" پاسکل نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ وہ بے حد دکھی نظر آ رہی تھی۔

سنان کو اپنے رویے پر افسوس ہونے لگا۔ اسے پاسکل کو اتنی سختی سے نہیں ٹوکنا چاہیے تھا۔

"تم تو خواہ مخواہ ناراض ہو گئی ہو——" اس نے مسکرانے کی کوشش کی "مجھے بلندیوں سے ہمیشہ خوف آتا ہے—— مجھے افسوس ہے!"

پاسکل نے خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ دونوں لفٹ میں سوار ہو کر نیچے آ گئے۔

شانزے لیزے کا چوڑا فٹ پاتھ جہاں پیرس کی زندگی کا دل دھڑکتا ہے بارش ختم ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر ہمیشہ کی طرح پر ہجوم تھا۔

سنان پاسکل کو سہارا دیے ہوئے تھا اور وہ دونوں شاہ بلوط کے درختوں کی قطار تلے آہستہ آہستہ کنکورد کے چوک کی طرف جا رہے تھے۔ ہوا کا ہلکا سا جھونکا بھی ان پر چتوں پر چمکتے ہوئے پانی کے قطروں کی پھوار برسا دیتا۔ چوک کے دوسری طرف لوور کا عجائب گھر تھا۔

جب وہ اس قہوہ خانے کے قریب پہنچے جہاں چند روز قبل ان کی اتفاقیہ ملاقات ہوئی تھی تو پاسکل لحظہ بھر کے لیے رکی۔ اس نے اس میز کی جانب دیکھا جہاں وہ اس روز بیٹھے تھے اور پھر مسکرا کر آگے چل دی۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد پاسکل پھر رک گئی۔

"سنان پیا کا دفتر!"

"کون پیا؟"

"پی آئی اے - تمہاری بین الاقوامی ہوائی کمپنی۔ ہم پی۔ آئی۔ اے کو ملا کر پیا کہتے ہیں—— تمہیں معلوم ہے کہ اطالوی زبان میں پیا ایک خوبصورت لڑکی کو کہتے ہیں۔"

"ہمارے ہاں پیا محبوب کو کہتے ہیں چاہے وہ خوبصورت نہ بھی ہو۔"

"سچ؟" پاسکل نے حیرت سے کہا۔

سنان نے سر ہلایا۔

"قریب سے جا کر دیکھتے ہیں" سنان نے جھٹ سے موضوع بدل دیا اور وہ دونوں بنے کی بڑی کھڑکیوں میں سے دفتر کے اندر جھانکنے لگے۔

سنان کو پی آئی اے کے دفتر کی جدید آرائش دیکھ کر بے حد دکھ ہوا۔ اس قسم کی آرائش سے کسی پسماندہ ملک کے باشندوں کو تو مرعوب کیا جا سکتا ہے مگر پیرس جیسے شہر میں جہاں جدید سے جدید تر کے باذوق مظاہر ہر سو دیکھنے میں آتے ہیں یہ دفتر بالکل سپاٹ لگ رہا تھا۔ دیوار پر آویزاں صادقین کی ایک تصویر کے علاوہ وہاں پاکستان کی تہذیب و ثقافت کی کوئی جھلک نہ تھی—— سنان نے سوچا کہ اگر سادہ دیواروں پر ملتان کی نیلی اینٹوں کا کام ہوتا—— مہنگے صوفوں کی بجائے ڈیرہ غازی خاں کے رانگلے پیڑھے بچھے ہوتے - کاؤنٹر پر سواتی لکڑی کا کام ہوتا۔ فرش پر پٹ سن کا قالین بچھا دیا جائے اور شوکیس میں فن گندھارا کا کوئی خوبصورت مجسمہ رکھ دیا جاتا تو یہ دفتر یقیناً باکمال اور لاجواب ہو جاتا۔

"شالیمار باغ" سنان نے دفتر کے اندر آویزاں ایک اشتہار کی طرف اشارہ کر کے پاسکل کو بتایا۔

"اس پر تو تاج محل کا دھوکہ ہوتا ہے۔" پاسکل کہنے لگی "مشرق میں باغ کا تخیل بھی ہمارے ہاں سے کس قدر مختلف ہے! یورپ کے باغوں میں سنگ مرمر کی سفید بارہ دریاں تعمیر کرنے کا خیال آج تک کسی کو نہیں آیا۔ لاہور کے شالیمار کے مقابلے میں پیرس کا تولیئرز باغ کتنا بے جان لگتا ہے۔"

"یہ تو ایک مشرقی لڑکی کے احساسات ہیں۔"

"تم ہی نے تو کہا تھا کہ پاکستانی جھمکے پہن کر مجھے ایک مشرقی لڑکی کی مانند سوچنا چاہیے"

"تمہاری یہ سوچ صرف باغوں کے بارے میں ہی محدود نہیں ہونی چاہیے——" سنان نے ہنس کر کہا۔ پاسکل خاموش رہی اور وہ دونوں پھر آگے چل دیے۔

وہ جب بھی کسی قہوہ خانے کے قریب سے گزرتے تو فٹ پاتھ پر بچھی کرسیوں پر

بیٹھے لوگ ان کی طرف دیکھتے۔ کچھ پاسکل کے چاندی کے جھمکوں کی وجہ سے اور اکثر اس کی ناہموار چال کی وجہ سے۔

کنکورد چوک کے درجنوں فواروں کی پھوار سے بچتے وہ تولیرز کے باغ میں داخل ہو گئے جنہیں تھوڑی دیر پہلے پاسکل بے جان قرار دے چکی تھی مگر درختوں اور پھولوں کی باذوق سجاوٹ کی بنا پر یہ باغ بھی بے حد دیدہ زیب نظر آ رہا تھا۔ باغ کے پہلو میں لوور عجائب گھر کی پرشکوہ عمارت کھڑی تھی جو اپنے وسیع ہالوں میں دنیا کے نادر ترین مجسموں، شاہکار تصاویر اور لاتعداد فن پاروں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ عمارت اتنی وسیع ہے کہ اس کے تمام حصوں کو سرسری نظر دیکھنے کے لیے کم از کم پورا ایک دن درکار ہے۔

لوور میں رکھے گئے اکثر مجسموں اور ہزاروں تصاویر کے لیے اہل فرانس کو نپولین کا شکرگزار ہونا چاہیے جس نے اپنی فتوحات کے دوران میں مفتوح ممالک میں جھاڑو پھیر کر تمام نوادرات جمع کیے اور پیرس پارسل کر دیے۔ اپنے عجائب گھروں کو پر کرنے کا یہ نادر نسخہ آج کل امریکی آزما رہے ہیں۔ طریقہ کار یا واردات قدرے مختلف ہے۔ پچھلے زمانوں میں لوگ بڑی شرافت سے نوادرات لوٹ کر اپنے ملکوں میں لے آتے تھے اور اب پہلے دوسرے ملکوں کی دولت لوٹی جاتی ہے اور پھر بعد میں اسی دولت سے نوادرات خرید لیے جاتے ہیں۔ حال ہی میں ایک امریکی عجائب گھر نے ہسپانوی مصور دلا سکنز کی ایک عامیانہ تصویر کے لیے پانچ کروڑ روپے کی خطیر رقم ادا کی ہے۔

سنان نے آگے بڑھ کر ٹکٹ کی کھڑکی سے دو ٹکٹ خریدے اور وہ عجائب گھر کے صدر دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

لوور کی زیارت کرنے والے اکثر غیر ملکی سیاح یہاں صرف اطالوی مصور لیونارڈو ڈی ونچی کی مشہور تصویر "مونا لیزا" کا دیدار کرنے آتے ہیں۔ چنانچہ آج بھی اس تصویر کو دیکھنے کے لیے بے پناہ لوگ جمع تھے۔ پاسکل اور سنان صرف اس تصویر کے گرد و نواح میں ہی پہنچ سکے کیونکہ تصویر کے سامنے سیاحوں کی ٹولیاں بصد احترام اپنے اپنے گائڈوں کے تیزی سے ہلتے ہوئے لبوں پر نظریں جمائے تصویر کی مکمل تاریخ اور فنی خوبیوں کی تفصیل سننے میں ہمہ تن گوش تھے۔ گائیڈ کی تیز طرار زبان لمحہ بھر کے لیے رکتی تو سیاح تصویر کو بھی ایک نظر دیکھ لیتے۔

جیسے آج تک فن کے ہزاروں قدردان اور نقاد "مونا لیزا" کی مشہور زمانہ مسکراہٹ کا راز نہیں پا سکے اسی طرح سنان پر بھی اس عام سی گنوار عورت کی تصویر کی شہرت اور عظمت کا راز نہ کھل سکا تھا۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو عورت بھی لبوں کو قدرے سکیڑ دے اس کی مسکراہٹ کے پیچھے سربستہ رازوں کے انبار لگے ہوں۔ اس بارے میں سنان نے پاسکل کی رائے دریافت کی۔ اس نے اپنی نیلی آنکھیں سنان کے چہرے پر جما دیں اور مسکرا دی —— مونا لیزا کی مسکراہٹ ماند پڑ گئی۔

جب ہجوم قدرے کم ہوا تو انہوں نے بھی تصویر پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی اور آگے بڑھ گئے۔

عجائب گھر کے طویل و عریض ہال کے پہلو میں ایک چھوٹا سا دروازہ کھلتا ہے جس کے باہر ایک سفید تختی پر "وینس ڈی میلو" کے الفاظ کندہ ہیں۔ وینس کے اس مجسمے کی شہرت مونالیزا کی تصویر سے کسی طور کم نہیں۔

ساحل یونان کے قریب آئیونین سمندر میں سینکڑوں خوبصورت اور چمکیلے جزیرے بکھرے پڑے ہیں۔ ان میں سے سب سے خوبصورت جزیرے کا نام "میلو" ہے۔ اس جزیرے پر زمانہ قدیم میں ایک ماہر مگر غریب سنگتراش رہا کرتا تھا۔ نوجوان سنگتراش کی مردانہ وجاہت کے قصے جزیرے میں رہنے والی تمام لڑکیوں کی زبان پر تھے مگر وہ ان کے التفات سے بے خبر ہمیشہ پتھروں کے ڈھیروں میں کھویا رہتا—— اس کا ہاتھ کبھی نہ رکتا۔ تیشے کا ہر وار پیار اور فنی مہارت کے ملاپ سے جنم لیتا۔

ایک شب حسن کی دیوی وینس اپنے آسمانی معبد سے اتر کر اس غریب فنکار کے جھونپڑے میں جلوہ افروز ہوئی۔

صدیوں سے سنگتراش میرے ملکوتی حسن کو پتھر میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے ہیں" وینس مبہوت کھڑے سنگتراش سے گویا تھی۔" وہ سب ناکام رہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ فنی مہارت سے عاری تھے بلکہ اس لئے کہ انہوں نے مجھے ہمیشہ احترام کی نظروں سے دیکھا—— صرف ایک دیوی کے روپ میں۔ اس طرح ان کے بنائے ہوئے مجسمے پاکیزگی اور روحانیت کا مظہر تو بن گئے لیکن ان میں میرے نسوانی حسن کا کوئی پہلو نمایاں نہ ہوا۔ میں حسن کی دیوی ہونے کے علاوہ ایک عورت بھی ہوں—— میرا مجسمہ تراشنے کے لیے پاکیزگی کے پہلو بہ پہلو خواہش اور پیار کے انسانی جذبات

کی بھی ضرورت ہے۔ پورے یونان میں میری نگاہ انتخاب تم پر پڑی ہے تم ایک ایسا مجسمہ تراشو گے جس میں میں دیوی ہونے کے علاوہ ایک خوبصورت اور بھرپور انسانی خدوخال کی عورت کی حیثیت سے بھی ابھروں۔ مجھے جی بھر کے دیکھ لو۔"

حسن کی دیوی وینس نے وہ شب غریب سنگتراش کے جھونپڑے میں گزاری اور اور روشنی کی پہلی کرن پھوٹتے ہی اپنے آسمانی مسکن کو پرواز کر گئی۔ اس کے جاتے ہی سنگتراش نے تیشہ سنبھالا اور اپنی دیوی—— اپنی محبوبہ وینس کا مجسمہ تراشنے کی خاطر سنگ مرمر کے ایک تودے میں کھو گیا۔ ماہ و سال گزرتے گئے—— تیشے کی ہر کاٹ ایک نئے نقش کو جنم دیتی گئی—— بالآخر مجسمہ مکمل ہو گیا—— حسن کی دیوی وینس غسل کے بعد سمندر سے نکلتی ہوئی—— اس کے ایک ہاتھ میں سیب تھا اور دوسرے سے وہ اپنا لبادہ تھامے ہوئے تھی جو اس کے متناسب خدوخال سے ڈھلک کر کولہوں پر اٹکا ہوا تھا۔ ایک پاکیزہ دیوی کا چہرہ اور انسانی جذبات کو ابھارنے والا ایک دل کش اور خوبصورت جسم' میلو کے باشندوں نے جب یہ مجسمہ دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھے۔

"ہم آج سے صرف وینس کی پرستش کریں گے۔ وہ میلو کی واحد دیوی ہو گی۔"

چنانچہ ایک عظیم الشان معبد تعمیر ہوا اور وینس کا مجسمہ ایک بلند ستون پر آویزاں کر کے اس کی پرستش شروع کر دی گئی۔

آہستہ آہستہ مجسمے کے بے پناہ حسن کا شہرہ نیلے پانیوں کے اس پار طاقتور شاہ یونان تک بھی جا پہنچا۔ اکثر جابر حکمرانوں کی طرح یونان کا بادشاہ بھی یہ برداشت نہ کر سکا کہ اتنا نادر مجسمہ چند کوس دور ایک چھوٹے سے جزیروں کے باسیوں کی ملکیت میں رہے۔ چنانچہ اس نے اہل میلو کو پیغام بھجوایا کہ مجسمہ فوراً اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ میلو کے باشندے بھلا اپنی محبوب دیوی کی جدائی کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

ایک کہر آلود صبح کو معبد کے اونچے مینار پر تعین پہرہ دار کی نظریں نیلے سمندر پر تیرتے ہوئے شاہ یونان کے جنگی جہازوں پر پڑیں۔ ان کا رخ میلو کی جانب تھا۔ پہرہ دار

نے فوراً معبد کے پروہتوں کو خبر کر دی۔ میلو ایک چھوٹا سا جزیرہ ہونے کی حیثیت سے طاقتور شاہ یونان کے حملے کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ مداخلت بے سود تھی۔ ادھر اہل میلو اور پروہت ہر قیمت پر اپنی دیوی کو یونانیوں سے بچانا چاہتے تھے انہوں نے ایک انتہائی کٹھن فیصلہ کیا مجسمے کو اس حد تک بدصورت بنا دیا جائے کہ یونانی اسے ناکارہ سمجھ کر واپس لوٹ جائیں۔ یہ کام اس غریب سنگتراش کے سپرد کیا گیا۔ اس نے اپنا تیشہ تیز کیا اور دل پر پتھر رکھ کر وینس کے خوبصورت بازو کندھوں تک کاٹ دیے۔ ان کٹے ہوئے بازوؤں کو بصد احترام میلو کے ساحل کے ساتھ گہرے نیلے پانیوں میں غرق کر دیا گیا۔ مگر یہ ترکیب بھی کام نہ آئی۔ کٹے ہوئے بازوؤں کی وینس کی جسمانی خوبصورتی اب بھی سحر انگیز تھی اور یونانی اسے اسی شکستہ حالت میں اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔

آج سے چند برس پیشتر ایک یونانی نژاد امریکی نے غوطہ زنوں کی مدد سے میلو کے گرد کا تمام ساحل اس امید میں چھان مارا کہ شاید وینس کے کٹے ہوئے بازو مل جائیں اور انہیں نامکمل مجسمے کے ساتھ جوڑ کر ایک مرتبہ پھر اس دیوی کو ہزاروں برس پہلے کا ملکوتی حسن عطا کر دیا جائے۔ اسے ناکامی ہوئی۔

آج پاسکل اور سنان اس دروازے کے سامنے کھڑے تھے جس کے اندر میلو کی دیوی وینس کا مجسمہ دھرا تھا۔

وہ کمرے کے اندر داخل ہوئے تو انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ ہزاروں سال قبل کے اس عالی شان معبد میں پہنچ گئے ہیں جہاں قربان گاہ کے ستون پر وینس کا مجسمہ نصب تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ آج وینس کے خوبصورت بازو میلو جزیرے کے گرد پھیلے ہوئے پانیوں کی تہ میں کائی آلود ہو چکے ہیں۔

سنان نے دیکھا کہ مجسمے کے سنگ مرمر کا دودھیا رنگ اب دھندلا چکا ہے خوبصورت جسم کے اکثر حصوں سے کرچیں اتر چکی ہیں اور وہاں گڑھے بن گئے ہیں۔ اس شکستہ حالت میں بھی وینس ایک ذی روح دیوی کی مانند مسحور کن حد تک خوبصورت تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ابھی اپنا ڈھلکا ہوا لبادہ سنبھالتی ستون سے نیچے اتر

آئے گی اور بڑی حیرت سے پوچھے گی "میں میلو کے چمکتے جزیرے سے نکل کر اس سرد دیس میں کیسے آ گئی؟ میرے بازو کہاں ہیں؟ میں اپاہج کیسے ہو گئی؟"

"مجھے تو اس مجسمے میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی" پاسکل نے مجسمے کے گرد گھوم کر اسے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے فیصلہ دے دیا "اسے دنیا کی خوبصورت ترین عورت کا خطاب دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ فرانس میں اس کے خدو خال کی پیمائش کو نسوانی جسم کے تناسب کا آخری معیار قرار دے کر ایک مقابلہ حسن بھی منعقد کیا جاتا ہے" پھر اس نے ایک نگاہ وینس کے سڈول کولہوں اور سینے پر ڈالی اور ناک چڑھا کر بولی "میرے خیال میں تو وینس بے حد موٹی ہے۔"

پاسکل نے آخری فقرہ رشک آمیز لہجے میں اتنی معصومیت سے ادا کیا کہ سنان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا "دراصل تم وینس کے خوبصورت جسم سے جلتی ہو۔"

پاسکل تیزی سے پیچھے مڑی۔ اس کی نیلی آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی اور پھر رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی "میں کیسے جل سکتی ہوں؟"

سنان بدستور مسکراتا رہا۔

"وہ بھی تو میری طرح اپاہج ہے" پاسکل نے ایک دم چیخ کر کہا۔

سنان سکتے میں آ گیا۔ اسے گمان بھی نہ تھا کہ پاسکل اس خوبصورت مجسمے میں بھی اپنی دل آزادی کا جواز تلاش کر لے گی۔

"ہاں وہ بھی تمہاری طرح اپاہج ہے —— لیکن اس نے اپنے اپاہج پن کو خود اذیتی کا ذریعہ نہیں بنا لیا" سنان کو ایک دم غصہ آ گیا۔ اتنے روز سے وہ اپنی جسمانی خامی کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی اور آج جب کہ اس نے پیرس سے چلے جانا تھا وہ ایک مرتبہ پھر درد کی انہی راہوں پر چل نکلی تھی۔

پاسکل سر جھکائے چمکیلے فرش کو گھورتی رہی —— اور پھر اس کے گالوں پر آنسوؤں کی ایک لڑی بہہ نکلی۔

سنان کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ آج صبح سے ہی اس کے لہجے میں تیزی تھی۔ وہ خود اپنی نظروں میں مجرم تھا اور اسی احساس جرم کے تحت پاسکل کے ساتھ اس کا رویہ اتنا درشت ہو گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پاسکل کو کندھوں سے تھام لیا اور نہایت نرمی سے کہنے لگا "پاسکل—— اس دیوی کو—— اس وینس کو اب بھی اپنے حسن پر اتنا ناز ہے کہ لوگ اس کے کٹے ہوئے بازوؤں کو بھول گئے ہیں—— تمہیں معلوم ہے کہ تم بے حد حسین ہو—— پاسکل تم بھی اپنے کٹے ہوئے بازوؤں کو بھول کیوں نہیں جاتیں؟"

"میں نہیں بھول سکتی" اس نے آہستہ سے کہا۔

سنان نے اس کی ٹھوڑی تلے انگلی رکھ کر اس کا چہرہ اوپر کیا "میرے لیے—— پاسکل——"

وہ لگاتار سسکیاں بھر رہی تھی۔ اس کی نیلی آنکھوں سے آنسوؤں کے فوارے چھوٹ رہے تھے اور تمام چہرہ تر بتر تھا۔

"میں نہیں بھول سکتی—— نہیں بھول سکتی" وہ بار بار کہہ رہی تھی اور بچوں کی طرح سر ہلا رہی تھی۔

کمرے میں جمع چند لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے—— ان کی نظروں میں رحم اور ہمدردی کی پرچھائیاں تھیں۔ سنان نے جیب سے رومال نکال کر اس کے آنسو پونچھے اور سہارا دے کر عجائب گھر سے باہر لے آیا۔

باہر ابھی تک دھوپ چمک رہی تھی—— ہر طرف زندگی تھی مگر ان تمام چیزوں سے بے خبر پاسکل اپنے آپ میں کھوئی ہوئی تھی—— آج چلتے وقت اس کے پاؤں گھسٹ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بے جان ہوں۔

سنان نے اپنے گیلے رومال سے تولیرز باغ میں لگے ایک بنچ کی سطح صاف کی اور پاسکل کو وہاں بٹھا دیا۔ وہ شام تک وہیں بیٹھے رہے۔ پاسکل خاموشی سے اس کے کندھے پر سر رکھے روتی رہی اور سسکیاں بھرتی رہی۔ سنان چپ چاپ اس کے

آنسوؤں سے تر معصوم چہرے اور بھیگی ہوئی نیلی آنکھوں کو تکتا رہا اور سوچتا رہا—— آج پھر پاسکل کو اپنے اپاہج پن کا احساس اتنی شدت سے کیوں ہو رہا ہے؟ کیا وہ اس کے بھید کو جان گئی ہے؟ وہ کیوں اپنے کٹے ہوئے بازوؤں کو نہیں بھول جاتی یا پھر اسے کھسر پھسر کرتی ہوئی بوڑھی عورتیں۔ لڑکیاں اور مرد بھلانے نہیں دیتے؟

شام ہوتے ہی باغ کے مختلف حصوں میں نصب شدہ قدیم کھمبوں کی روشنیاں جل اٹھیں—— سرمئی اندھیرا دودھیا روشنی میں بدل گیا اور چہل پہل شروع ہو گئی—— باہوں میں باہیں ڈالے نوجوان جوڑے جو پیرس کی پرفسوں شب کا حسن سمیٹنے ادھر آ نکلے تھے۔ غیر ملکی سیاح جو اپنے مختصر قیام کے دوران میں اسی حسن کا حصہ بانٹنے ادھر چلے آئے تھے—— ان کے بنچ کے گرد بے شمار چھوٹے چھوٹے بچے کھیل کود میں مگن تھے۔ ایک گڑیا سی لڑکی نے اپنا سرخ گیند اچھالا جو لڑھکتا ہوا پاسکل کے قدموں میں آ گیا۔ وہ گیند اٹھانے کے لیے جھکی تو گڑیا بھاگتی ہوئی ان کے پاس چلی آئی—— پاسکل نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور اسے گود میں اٹھا لیا۔

"فرانسوا—— میڈموزیل کا لباس خراب نہ کرو۔ تمہارے جوتوں پر کیچڑ لگا ہے" ایک بوڑھی عورت جو گڑیا کے پیچھے چلی آئی تھی اس سے مخاطب ہو کر بولی اور پھر پاسکل سے معذرت کر کے اسے گود سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئی۔

کتنی خوبصورت بچی تھی سنان" پاسکل نے پچھلے کئی گھنٹوں کے بعد پہلی مرتبہ لب کھولے۔

"ہاں ۔بے حد پیاری تھی" سنان نے نرمی سے کہا۔

"تمہیں بچے اچھے لگتے ہیں؟" پاسکل نے اس کے کندھے پر سے سر اٹھا کر پوچھا۔

"بچے؟" وہ سوچ میں پڑ گیا "ہاں—— شاید اچھے ہی لگتے ہیں۔"

"شاید؟"

"ہاں اگر وہ پانچ چھ برس کی عمر سے کم کے نہ ہوں تو! چھوٹے بچے دیکھ کر جانے

کیوں میں عجیب سا محسوس کرتا ہوں۔ مثلاً میرے دل میں کبھی بھی یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ میں کسی بچے کو گود میں اٹھا لوں" سنان جان بوجھ کر اس گفتگو کو طوالت دینا چاہتا تھا تاکہ اس کا دھیان بٹا رہے۔

"مرد بے حد خود غرض ہوتے ہیں" پاسکل نے دکھ سے کہا "مجھے معلوم ہے جب تمہارے اپنے بچے ہوں گے تو تمہارے احساسات آج سے مختلف ہوں گے۔"

"اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہر لڑکی کی طرح مجھے بھی بچے بے حد اچھے لگتے ہیں—— میری بھی یہ خواہش ہے کہ میرے اپنے بچے ہوں—— میں بھی ماں بنوں" پاسکل کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے اور وہ خاموش ہو گئی۔

"پلیز پاسکل! آخر اس میں رونے کی کون سی بات ہے؟"

"وینس کے مجسمے نے مجھے اپنے اپاہج پن کا احساس دلایا اور اس ننھی منی بچی نے اسی اپاہج پن کی مجبوریوں کا—— مجھے بچے اچھے لگتے ہیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ میری شادی نہ ہو سکے گی—— میں ماں نہ بن سکوں گی—— تم شاید اسے نہ سمجھ سکو مگر ایک عورت کے لیے اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"تم خواہ مخواہ دل چھوٹا کرتی ہو——" سنان نے اسے دلاسا دیا "مجھے پورا یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ اجنبی ضرور آئے گا جس کا انتظار ہر لڑکی کو ہوتا ہے اور پھر——"

میرا انتظار تو کب کا ختم ہو چکا—— اب مجھ میں مزید انتظار کی تاب نہیں"

سنان خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد بولیوارڈ سان ژرمین کی جانب سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک گروہ شور مچاتا ہوا برآمد ہوا اور وہ سب ان کے قریب ہی گھاس پر بیٹھ گئے ان میں اکثر شراب کے نشے میں دھت تھے اور گندے فرانسیسی گانے الاپ رہے تھے۔

پاسکل بنچ سے اٹھ کھڑی ہوئی "میں کسی پرسکون جگہ بیٹھنا پسند کروں گی۔ پھولوں

کا بازار اس وقت بند ہو گا۔ چلو وہاں چلتے ہیں" اس کا چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔

"اگر تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تو میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔"

"نہیں——" پاسکل نے تیزی سے کہا "میرا مطلب ہے—— اب میں بالکل ٹھیک ہوں" اور مسکرانے کی کوشش کی۔

"جیسے تمہاری مرضی" سنان نے بے دلی سے کہا——

"تم شاید مجھ سے ناراض ہو گئے ہو؟" اس نے سنان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"نہیں تو——"

"مجھے افسوس ہے کہ وہاں عجائب گھر میں اتنے سارے لوگوں کے سامنے تمہیں میری بے وقوفی کی وجہ سے شرمندگی اٹھانا پڑی—— میں بے اختیار سی ہو گئی تھی سنان —— آج صبح جب میں نے تمہارے دیے ہوئے تحفے کا کاغذ کھولا تو ٹھٹھک گئی—— وینس کا مجسمہ اور اس کے کٹے ہوئے بازو—— مجھے ایسا لگا جیسے تم نے جان بوجھ کر مجھے میرے اپاہج ہونے کا احساس دلایا ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ میری یہ سوچ درست نہ تھی—— اور اب عجائب گھر میں میں نے جب اسی مجسمے کا اصل روپ دیکھا تو تمہارے ایک بے ضرر سے فقرے سے میرے اندر پکنے والا لاوا ابل پڑا—— مجھے معاف کر دو—— پلیز سنان!"

"خیر چھوڑو اس قصے کو۔ پاسکل اس میں تمہارا اپنا ہی بھلا ہے—— آخر کب تک اس محرومی کا ماتم کرو گی؟"

"اسی ایک محرومی نے تو سینکڑوں محرومیوں کو جنم دیا ہے۔ میں کس کس کا گلا گھونٹوں؟"

"یہ محرومیاں تمہارے اپنے تخیل کی پیداوار ہیں" سنان نے نرمی سے کہا "جس روز تم نے اپنے آپ کو لوگوں کی نظر سے نہیں بلکہ اپنے اندر کی آنکھ سے دیکھنے کی صلاحیت پیدا کر لی یہ محرومیاں اپنی موت آپ مر جائیں گی—— تم حسین ہو۔ ایک

سوچنے والا ذہن رکھتی ہو اور پھر یہاں میری موجودگی کیا تمہارے اس اندیشے کو باطل نہیں ثابت کرتی کہ لوگ اس خامی کی بنا پر تمہیں رفاقت کی اہل نہیں سمجھتے؟"

"تم؟" پاسکل بے اختیار مسکرا دی—— اور اس کی پلکوں تلے صاف شفاف نیلی آنکھیں جھانکنے لگیں "تم تو—— تم ان سب لوگوں سے مختلف ہو سنان!"

"اس دنیا میں بے شمار لوگ میرے جیسے ہی ہیں —— تم اپنے اس خود اذیتی کے خول سے باہر تو جھانک کر دیکھو۔

"فی الحال مجھے اس کی ضرورت نہیں—— آؤ پھولوں کے بازار میں جا کر بیٹھتے ہیں" اس نے سنان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی کمر کے گرد ڈال لیا۔

وہ تولیریز کے وسیع باغات میں سے چلتے ہوئے پھولوں کے بازار میں آ گئے سنان کو یاد آیا کہ ابھی کل صبح ہی تو انہوں نے وہاں سے مچھلیاں پکڑنے کا سامان خریدا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے اس بات کو برسوں بیت چکے ہوں—— پاسکل کا سفید لباس—— سین کے پانی میں تیرتی ہوئی ساکن کنڈیاں—— جانے کب کی بات تھی۔

آج شب پھولوں کے انباروں سے بھرے ہوئے لکڑی کے کھوکھے بند پڑے تھے اور پورا بازار ویران تھا۔ ان چھوٹے چھوٹے ویران کھوکھوں کو دیکھ کر گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ دن کے وقت یہاں ہر سو خوشبو ہوتی ہے اور رنگ بکھرتے ہیں۔ بازار کے دونوں طرف درختوں کی قطاریں تھیں جن کے سوکھے ہوئے پتے ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ ایک کھوکھے کے باہر چند شکستہ کرسیاں رکھی تھیں۔ سنان اور پاسکل وہیں بیٹھ گئے۔ ہر طرف مکمل خاموشی تھی۔ پیرس کے ہنگاموں میں سکون کا ایک اجاڑ جزیرہ۔

سنان نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ آٹھ بجنے کو تھے اور اسے بہرصورت دس بجے تک سٹیشن پر پہنچ جانا چاہیے۔ وہ جینی کی پارٹی کے بارے میں یکسر بھول چکا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب اسے ہر صورت پاسکل کو اپنی روانگی کے بارے میں بتا دینا چاہیے—— ورنہ وہ پورے وقت سٹیشن پر نہ پہنچ پائے گا اور اگر آج پیرس سے نہ جا

سکا تو ہو سکتا ہے کل بھی نہ جا سکے—— آئندہ کبھی بھی نہ جا سکے——

"پاسکل" سنان نے اس کی ٹھوڑی تلے انگلی رکھ کر اس کا خوبصورت چہرہ اپنی جانب دیکھا نیلی آنکھیں بالکل خشک تھیں "میں آج صبح سے تمہیں ایک نہایت اہم بات بتانا چاہتا تھا—— مگر اس شرط پر کہ تم——"

"تمہیں شرطیں عائد کرنے کی ضرورت نہیں سنان!" پاسکل نے بالکل سپاٹ لہجے میں کہا "مجھے معلوم ہے کہ تم پیرس چھوڑ کر جا رہے ہو" اور اس کا ہاتھ ہٹا کر سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

"لیکن تمہیں اس بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟" سنان نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"مجھے؟—— میں ایک نارمل لڑکی نہیں ہوں اس لیے دوسرے لوگوں کا رویہ بھی میرے ساتھ نارمل نہیں ہوتا۔ وہ کبھی بھی میرے ساتھ کھل کر بات نہیں کرتے۔ انہی لوگوں کے رویے نے میرے اندر ایک ایسی حس کو جنم دیا ہے کہ جب بھی مجھے کوئی چھوڑنا چاہتا ہے تو مجھے خود بخود علم ہو جاتا ہے—— آج صبح سے ہی تمہارا رویہ میرے ساتھ نارمل نہیں تھا۔ تم ضرورت سے زیادہ خاموش تھے—— جب بھی بات کرتے اس میں درشتگی ہوتی اور پھر بار بار مجھے اپنی زندگی پر قناعت کرنے کی تلقین کا آخر کیا جواز ہو سکتا تھا؟—— یہی نا کہ تم میرے پاس نہیں رہو گے اور مجھے یہ زندگی تمہارے بغیر ہی گزارنا ہو گی۔"

"میں نے تمہیں پہلے دن ہی بتا دیا تھا کہ میں کسی صورت بھی پیرس میں نہیں ٹھہر سکتا۔"

"ہاں تم نے تو مجھے بتا دیا تھا۔ لیکن کیا میں نے تمہارے اس فیصلے کو قبول کر لیا تھا؟ میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ سنان مجھے ایک خوشی ملتی ہے تو میں اس کے دوسرے سرے پر جا کر ایک اور خوشی تلاش کرتی ہوں اور پھر اس طرح میرا جی چاہتا ہے کہ خوشیوں اور مسرتوں کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو—— انسان اپاہج ہو یا نارمل اس کی

فطرت تو نہیں بدلتی۔۔۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔۔۔ تم نے کبھی بھی مجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ میں ان چند دنوں میں جہاں اتنی خوش تھی وہاں تم سے جدائی کا خیال بھی میرے ذہن میں کانٹے کی طرح پیوست تھا۔ میں نے اس کانٹے کو نکال دینے کی بہت کوشش کی۔۔۔ میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ میں اپنے آپ کو تم سے جدائی کے لیے تیار نہیں کر سکی۔۔۔ کتنے بجے جا رہے ہو؟"

"غرناطہ جانے والی گاڑی رات دس بجے پیرس کے سٹیشن سے چلتی ہے" سنان نے سر جھکا کر کہا "پاسکل سوچو تو سہی مجھے آخر ایک روز تو یہاں سے جانا ہی تھا" وہ احساس ندامت تلے دبا جا رہا تھا۔

"تم بھی ٹھیک کہتے ہو اور ادھر میں بھی یہ نہ سوچ سکی۔۔۔ میں یہ نہ سوچ سکی کہ تم ایک سیاح ہو اور سیاح کسی قسم کے بندھنوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔۔۔ اور پھر اپاہج بندھنوں کو؟ میں نے ساری عمر ایک مفرور مجرم کی مانند لوگوں کی نظروں سے بچنے میں گزاری ہے۔ میں کسی پر بھروسہ نہ کر سکی تھی۔۔۔ ممکن ہی نہ تھا اور پھر میں نے اپنی ایک علیحدہ دنیا بسالی جس میں صرف خوابوں کے لوگ بستے تھے۔ تم نے خواب کی اس دنیا سے مجھے نکال کر باہر لا کھڑا کیا۔۔۔ میری آنکھیں چندھیا گئیں۔۔۔ مجھے کبھی اتنی روشنی نہ ملی تھی۔۔۔ اور جب۔۔۔ جب میری آنکھیں اس چکا چوند روشنی کی عادی ہو چلی تھیں تم پھر مجھے انہی اتھاہ گہرائیوں میں لوٹ جانے کا کہہ رہے ہو؟ میں آج ایک مرتبہ پھر بے بس اور لنگڑی محسوس کر رہی ہوں۔ مجھے پہلے کی طرح لوگوں کی نظروں سے چھپ کر زندگی گزارنا ہو گی۔۔۔ ایک مفرور مجرم کی طرح" پاسکل کی آنکھیں بالکل خشک تھیں اور وہ بڑے اطمینان سے باتیں کر رہی تھی۔

"تم اب کبھی ان اتھاہ گہرائیوں میں نہیں ڈوبو گی۔۔۔ تم کبھی بھی اس خواب کی دنیا میں واپس نہیں جاؤ گی" سنان نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہیں دیکھ کر کسی بوڑھی عورت نے کھسر پھسر نہیں کی۔ کسی نوجوان لڑکی نے ناک بھوں نہیں چڑھائی اور کسی مرد نے میری عقل پر ماتم نہیں کیا۔۔۔ تمہارا خوف بے بنیاد ثابت ہوا ہے۔"

"تم نہیں دیکھ رہے تھے سنان مگر میرے جسم کو ان لوگوں کی نگاہوں کی تیز سوئیاں چھید رہی تھیں اور یہ سوئیاں۔۔۔ میرا مقدر بن چکی ہیں۔ انہیں میرے جسم سے نوچ پھینکنے کے لیے اب کوئی شہزادہ نہیں آئے گا۔ میں ایک مرتبہ پھر رحم اور ہمدردی کے جذبات کی بھکاری بن جاؤں گی۔"

"پاسکل" سنان کی آواز شدت جذبات سے رندھ گئی "پلیز ایسی باتیں نہ کرو۔۔۔ میں چند روز اور بھی ٹھہر سکتا تھا۔۔۔ لیکن اگر میں آج نہ گیا تو کبھی نہ جا سکوں گا۔ پلیز مجھے مت روکو۔۔۔ اور پھر چند ہفتوں میں سردیاں شروع ہو جائیں گی۔ مجھے ہر حالت میں اس سے پہلے ترکی عبور کرنا ہے ورنہ برف گرنی شروع ہو جائے گی۔" سنان نے نظریں جھکا لیں۔ اس کا دل ان تمام باتوں کی نفی کر رہا تھا۔

"سردیاں شروع ہو جائیں گی تو کیا ہوا۔ بالآخر ختم بھی تو ہوں گی" پاسکل نے اس کے دونوں ہاتھ سختی سے بھینچ لیے "تم موسم بہار میں واپس وطن لوٹ جانا سنان"

"پاسکل۔۔۔"

"ہاں سنان تم مجھے سینکڑوں مرتبہ بتا چکے ہو کہ تم پیرس میں نہیں ٹھہر سکتے۔۔۔ تمہیں اندلس جانا ہے۔۔۔ سردیوں سے پیشتر ترکی عبور کرنا ہے۔۔۔ اپنے خاندان کے پاس وطن لوٹنا ہے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔۔۔ لیکن میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی سنان۔۔۔ تم۔۔۔"

سنان نے اپنی ہتھیلی پاسکل کے خنک لبوں پر رکھ دی "خاموش ہو جاؤ پاسکل۔ مجھے اپنی ہی نظروں میں اتنا نہ گراؤ۔۔۔"

پاسکل نے سنان کا ہاتھ لبوں سے ہٹا دیا "تم میرے پاس رہ جاؤ سنان۔۔۔"

"پاسکل۔۔۔"

"میں دوسروں سے رحم اور ہمدردی کی بھیگ مانگنے کی بجائے تمہارے آگے کشکول پھیلائے دیتی ہوں۔۔۔ مجھے بھیک۔۔۔"

"نہیں ——" سنان نے ایک دم چیخ کر کہا۔

"سنان ——" پاسکل نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور آنکھیں بند کر لیں "مت جاؤ —— میں نے تو دنیا کے تمام نقشے جلا دیئے ہیں" اس کی بند آنکھوں سے آنسو رسنے لگے۔ چاندی کے جھمکے اندھیرے میں مٹیالے لگ رہے تھے۔

سنان کا دماغ دہکنے لگا —— اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ پاگل ہو جائے گا —— اس کے اندر لاوا ابل رہا تھا —— "مت جاؤ سنان۔ مت جاؤ" یہ اس کے دل کی آواز تھی جو ذہن پر مسلسل ضربیں لگا رہی تھی۔ نقشے بھی جل چکے ہیں —— راستے بھی محدود ہو چکے ہیں۔ وہ کیا کرے؟ کیا نہ کرے؟ —— اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا —— وہ پاسکل کی طرف خاموشی سے دیکھتا رہا۔ جس کی لامبی پلکیں آنسوؤں سے نچڑ رہی تھیں —— تھوڑی دیر بعد پاسکل نے آنکھیں کھول دیں —— وہ سنان کو ٹکٹکی باندھے تکتی رہی جیسے اس کے دل کی آواز کی منتظر ہو —— اور پھر اس کے ہاتھ لرزنے لگے اور اس نے یک دم سنان کا چہرہ چھوڑ دیا۔

سنان نے دیکھا کہ پاسکل کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ جیسے وہ موم کی بنی ہو۔ لیکن اس کی اضطراری کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ بے حد پر سکون لگ رہی تھی —— جیسے اسے قرار آگیا ہو۔ وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں کتنی بیوقوف ہوں" اس کے لبوں پر ایک پھیکی مسکراہٹ لرزنے لگی۔

"مجھے معاف کر دو سنان! میں نے تم سے جو کچھ کہا وہ سب دیوانگی کی باتیں تھیں۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

سنان بھی وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور آگے بڑھ کر پاسکل کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں سنان —— مجھے مت چھوؤ ورنہ میں پھر دیوانگی کی باتیں کرنا شروع کر دوں گی —— میں پھر سے بے بس ہو جاؤں گی۔"

سنان ایک مجرم کی مانند کھڑا رہا۔

"تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں سردیاں شروع ہونے سے پہلے ہی ترکی عبور کرنا ہے ورنہ وہاں برفباری شروع ہو جائے گی۔ تمہیں معلوم ہے کہ موسم سرما کی آمد تمہاری نسبت میرے لیے زیادہ اذیت ناک ثابت ہو گی —— تب تو میں اپنے کمرے میں قید ہو کر رہ جاتی ہوں۔ میرے تمام بدن میں شدت کا درد اٹھنے لگتا ہے —— جب خزاں کا آخر ہو گا تو میں اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی فٹ پاتھ پر شاہ بلوط کے تانبے کی طرح دہکتے سرخ پتوں کو گرتے دیکھ کر تمہیں یاد کروں گی اور پھر میرا درد کم ہو جائے گا۔" اس نے آہستگی سے سنان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اسے اپنے خنک لبوں سے لگا لیا "خدا کرے تم اپنے وطن خیریت سے پہنچ جاؤ —— خدا حافظ!"

"میں تمہیں ٹیکسی پر گھر چھوڑ آتا ہوں"

"نہیں نہیں" اس نے بچوں کی طرح انکار میں سر ہلایا "میں ابھی دریائے سین کے کنارے جانا چاہتی ہوں تاکہ مجھے ایک ایک مرتبہ پھر وہاں اکیلی گھومنے کی عادت ہو جائے"، یہ کہہ کر اس نے سنان سے منہ موڑ لیا اور پھر بے حد آہستہ آہستہ پھولوں کے بازار کے درمیان چلنے لگی۔ ہر طرف خاموشی اور ویرانی تھی۔ صرف پتوں کی کڑکڑاہٹ۔ ان کے کچلے جانے کی سسکیاں۔ سوکھے ہوئے خزاں رسیدہ پتے۔ وہ بری طرح لنگڑا رہی تھی۔ وہ ایک قدیم روشنی کے کھمبے کے پاس سے گزری۔ اس کے چاندی کے جھمکے چمکے اور اسی لمحہ پھر دھندلا گئے۔ پاسکل اس سے دور ہوتی گئی اور وہ وہیں بت بنا کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ کھوکھوں کی خالی قطاروں کے درمیان پاسکل کا گھسٹتا ہوا خوبصورت پاؤں سوکھے پتوں کو سمیٹتا چلا جا رہا تھا۔ بازار کے سرے پر پہنچ کر وہ ایک لمحہ کے لیے رکی —— اور پھر پیچھے دیکھے بغیر دائیں ہاتھ پر دریائے سین کو جاتی ہوئی سڑک پر مڑ گئی۔

○○○

خاموشی مکمل ہو گئی۔ اجڑے ہوئے خزاں رسیدہ پتے مردہ پڑے تھے پھولوں کا بازار دھندلا رہا تھا۔ سنان کی آنکھوں میں نمی کی ہلکی سی تہ تیرنے لگی۔ اس نے جیب سے رومال نکالا اپنے آنسو پونچھے اور بھاری قدموں سے چلتا ہوا اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور سارا وجود تپ رہا تھا اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا جسم دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا گیا ہو—— ایک جگہ رہنے سے ہی—— ساکت ہونے سے ہی پھول جینی کی آواز گونجی—— میں نے آج نقشے کو جلا دیا ہے—— اپنے دشمن کو—— اس کے ذہن میں آوازیں گڈمڈ ہوتی چلی گئیں—— پاسکل دریا کے کنارے اکیلی ہو گی۔ وہ مر جائے گی—— نہیں مجھے وطن واپس جانا ہے۔ ترکی میں برف باری شروع ہو جائے گی۔ میرے ماں باپ' بہن بھائی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں سیاح ہوں۔ ایک جگہ رہنے سے میرے پاؤں زمین میں دھنس جائیں گے—— ایک جگہ رہنے سے ہی پھول کھلتے ہیں۔ پھول—— زرد گلاب!

جانے وہ کب اور کیسے اپنے مکان تک پہنچا۔ اس نے رک کر گھڑی کے چمکتے ہوئے ڈائل پر نظر ڈالی—— شاید نو بج رہے تھے—— دس بجے گاڑی—— وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کر کے کمرے میں آگیا ۔ اور اپنے بکھرے ہوئے سامان کو تھیلے میں ٹھونسنے لگا ——

اسی وقت جینی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ایک سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔

"سنان تم——"

"کیا ہے؟" سنان نے ایک دم پلٹ کر اپنی جلتی ہوئی آنکھیں جینی پر جما دیں۔

سنان تم نے وعدہ کیا تھا کہ —— جینی کے لہجے میں خوف تھا۔

میں نے کسی سے کوئی وعدہ نہیں کیا—— میں کسی کی دل آزاری نہیں چاہتا تھا—— پھر مجھے ہر کوئی مجرم کیوں سمجھتا ہے!—— کیوں؟ کیوں؟"

جینی ٹھٹک گئی۔ اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں تھیں۔ "میری سہیلیاں تم سے ملنا چاہتی ہیں—— میں آٹھ بجے سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں—— پارٹی——"

"جینی! یہاں سے چلی جاؤ۔"

لیکن میری پارٹی! اس کی زبان میں لکنت تھی۔

"چلی جاؤ" سنان دھاڑا——

جینی چپکے سے باہر نکل گئی۔

سنان دوبارہ اپنا سامان پیک کرنے میں مگن تھا—— پاسپورٹ—— شیونگ کا سامان—— تولیہ' سلیپر—— رات کے سفر کے پیش نظر اس نے کوٹ کے نیچے ایک سویٹر پہن لیا—— سفری کتابچے—— سکارف ٹائی۔ سفید ٹائی پر ایک ہلکا سا سرخ نشان تھا—— پاسکل کی لپ سٹک کا نشان—— سنان نے ٹائی طے کئے بغیر تھیلے میں پھینک دی—— تھیلا بند کرنے سے قبل اس نے کمرے میں ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ کہیں کوئی چیز رہ نہ گئی ہو پلنگ کے ساتھ تپائی پر ایک کتاب رکھی تھی—— پاسکل کی دی ہوئی—— سنان نے نہ چاہتے ہوئے بھی ورق الٹ کر دیکھا "شہزادے کے نام—— بدصورت لوگوں کو بھی محبت جیسے جذبے کی چاہت ہوتی ہے۔ مگر ان کا دل اس بات کو نہیں مانتا کہ وہ صرف اس وجہ سے محبت سے محروم کر دیئے جائیں—— پیرس کی پاسکل کی طرف سے پیار کے ساتھ"—— سنان نے کتاب کو ایک دم اپنے تھیلے میں یوں ڈال دیا جیسے کتاب سفید کاغذ کی بجائے دہکتے ہوئے تانبے کی ہو—— خزاں رسیدہ شاہ بلوط کے پتوں کی رنگ کی—— اس نے سامان کاندھے پر رکھا اور کمرے سے باہر نکل آیا——

جینی اپنے دروازے کی اوٹ میں کھڑی تھی —— اسے دیکھتے ہی باہر نکل آئی —— اس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا —— کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی چار لڑکیاں صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ان سب کی نظریں سنان پر لگی تھیں۔

سنان آج تو تمہارے اپنے ڈبے کی کافی بھی ختم ہو گئی ہے ورنہ تمہیں جانے سے پہلے ایک پیالی ضرور بنا کر دیتی جینی نے آگے بڑھ کر کہا —— اس کی آنکھوں میں نمی تھی "میری ایک سہیلی کے پاس کار ہے —— اگر تم چاہو تو ——"

"نہیں جینی شکریہ!" سنان نے اس کی جانب دیکھے بغیر کہا اور آگے چلنے لگا ——

"تمہاری صحت کا جام" جینی نے ہاتھ میں تھاما ہوا گلاس حلق میں انڈیل لیا۔

"سیڑھیاں دیکھ کر اترنا سنان —— پچھلی شب کی کرچیں ابھی تک بکھری پڑی ہیں —— کہیں کوئی ٹوٹا ہوا شیشہ تمہارے پاؤں میں چبھ نہ جائے —— سفر بخیر" سنان قدرے ٹھٹکا —— اور پھر تیزی سے نیچے اتر گیا۔

مکان سے باہر نکلتے ہی اسے ٹیکسی مل گئی اور وہ اس میں سوار ہو کر پیرس کے سٹیشن پر آ گیا جہاں پلیٹ فارم پر ہسپانیہ جانے والی گاڑی تیار کھڑی تھی اس نے غرناطہ تک کا ٹکٹ خریدا اور ڈبے میں سامان رکھ کر گاڑی کے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ اس کی نظریں بے اختیار پلیٹ فارم کے آخیر میں داخلے کے پھاٹک پر لگ گئیں پلیٹ فارم پر خاصی گہما گہمی تھی لوگ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو الوداع کہنے آئے تھے۔ برقی روشنیوں سے پورا سٹیشن منور تھا اور یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ رات کے دس بجنے کو ہیں۔

سرزمین اندلس کی طرف سفر کرتے ہوئے اس کا دل خوشی سے بھرپور ہونا چاہیے تھا مگر آج اس ڈور میں جھول آ چکا تھا جس نے سنان کو اب تک اپنے سے، غرناطہ کے ایوانوں اور قرطبہ کے محرابوں سے باندھ رکھا تھا۔ اس کے ذہن میں صرف پاسکل کا بھولا بھالا اداس چہرہ ڈوبتا اور ابھرتا —— ابھرتا اور ڈوب جاتا —— جیسے وہ خیالوں میں بھی لنگڑا رہی ہو —— انگلستان سے فرانس آتے ہوئے سٹیمر کے عرشے پر ٹھٹھرتا

ہوا سرخ کوٹ —— بوئے ڈی بولون میں سین کے کنارے ایک چمکیلا دن اور ایک پرفسوں شام —— اور پھر کٹے ہوئے بازوؤں کی وینس کا مجسمہ جس نے اسے رلا دیا تھا —— وہ انہی خیالوں میں مگن تھا کہ انجن نے وسل دے دی۔ پلیٹ فارم پر کھڑے مسافر جلدی سے گاڑی میں سوار ہونے لگے۔ سنان کی نظریں ابھی تک داخلے کے پھاٹک پر لگی تھیں —— وہ یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ وہ وہاں دروازے کے ساتھ لگ کر اس پھاٹک پر کیوں نظریں جمائے ہوئے ہے۔ انجن کے دیوزاد پہئے آہستہ سے سرکے اور پھر گاڑی کے ڈبے آپس میں بھڑ کر حرکت میں آ گئے۔ مسافروں کو الوداع کہنے والوں کا رخ اب باہر جانے والے پھاٹک کی طرف تھا۔ پلیٹ فارم خالی ہو رہا تھا وہاں نصب روشنی کے کھمبے بھی حرکت میں تھے —— سنان بھی اپنی نشست پر واپس جانے کے لیے پیچھے ہٹنے کو تھا کہ پلیٹ فارم کے آخیر میں ہجوم کے درمیان اسے پاسکل کا چہرہ دکھائی دیا۔ سرخ کوٹ اور چاندی کے جھمکوں کے درمیان ایک چہرہ زرد —— وہ ہجوم کو چیرتی —— دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو دھکیلتی اس انبوہ کثیر کے درمیان راستہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ سنان دروازے سے اتر کر پائیدان پر کھڑا ہو گیا۔ "پاسکل!" سنان نے پوری قوت سے پکارا۔

وہ لمحہ کے لئے ٹھٹکی —— اس کی نظریں گاڑی کی کھڑکی اور دروازے میں سے جھانکتے ہوئے چہروں پر پھسلتیں سنان پر آ رکیں —— اس نے ایک بھرپور کوشش سے اپنے آپ کو ریلے سے آزاد کیا اور سنان کی جانب دوڑنے کی کوشش کرنے لگی، وہ ایک ہاتھ سے اپنی ران کو دبائے تیز بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کا دوسرا ہاتھ سختی سے لبوں پر جما ہوا تھا —— وہ بری طرح لنگڑا رہی تھی۔ اس کے پاؤں اس کے جسم کے پیچھے گھسٹتے چلے آ رہے تھے گاڑی کی رفتار اگرچہ ابھی بے حد کم تھی لیکن فاصلہ بتدریج بڑھ رہا تھا۔ سنان کا جی چاہا کہ وہ اپنا سامان وغیرہ ڈبے میں ہی چھوڑ کر پلیٹ فارم پر چھلانگ لگا دے تاکہ پاسکل بھاگنے کی اذیت سے بچ جائے۔

پاسکل بھاگنا بند کرو —— اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر زور سے کہا۔ لیکن وہ شاید

سن ہی نہیں رہی تھی۔ اس کا سرخ کوٹ گاڑی کے تیزی سے گھومتے ہوئے پہیوں میں سے خارج ہوتی ہوئی ہوا کے زور سے فضا میں پھڑپھڑا رہا تھا ـــــ سنان نے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑا اور خطرناک حد تک آگے جھک کر اپنا ہاتھ پاسکل کی جانب بڑھا دیا ـــــ اس کے لب ہل رہے تھے اور وہ سنان سے کچھ کہہ رہی تھی مگر پہیوں کی مہیب گڑگڑاہٹ میں اس کی آواز دب گئی۔ گاڑی کی رفتار اب تیز ہو چلی تھی ـــــ اس کا خوبصورت گول چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور نیلی آنکھیں بالکل کھلی تھیں ـــــ ان کے درمیان فاصلہ بڑھنے لگا ـــــ پاسکل کے چہرے پر اذیت کے آثار تھے ـــــ وہ بری طرح لنگڑا رہی تھی۔ اس نے انگلیاں لبوں سے چھو کر ہاتھ سنان کی طرف بڑھا دیا۔

پاسکل خدا کے لیے دوڑنا بند کرو ـــــ تم مر جاؤ گی پاسکل!" سنان نے ایک مرتبہ پھر اسے پکارا۔

ادھر اسی لمحے وہ دھڑام سے پلیٹ فارم پر گر گئی۔ اس نے نہ تو وہاں سے اٹھنے کی کوشش کی اور نہ ہی سنان کی جانب دیکھا۔ اس کا سرخ کوٹ اس کے گرد ہالا بنائے ہوئے تھا جس کے درمیان پاسکل ایک خوبصورت راج ہنس کی مانند بے حس و حرکت پڑی تھی۔ گاڑی پلیٹ فارم سے باہر آئی تو پاسکل گٹھڑی بنی ایک نئی نویلی دلہن کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کا چہرہ دھندلا کر سرخ کوٹ میں مدغم ہو گیا اور پھر سرخ کوٹ رات کی تاریکی میں جذب ہو کر ایک نکتے کی صورت اختیار کر گیا جو بالآخر سنان کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

لاہور یکم مارچ ۱۹۷۲ء